هفت روزہ
زندگی
لاہور

۱۱ تا ۱۷ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ
۹ تا ۱۵ فروری ۱۹۷۹ء

قیمت: ۳ روپے

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ (المائدہ)

ECFI کے جدید اور خوبصورت بنگلے
جدید اور حسین گلبرگ میں آپ کے لئے

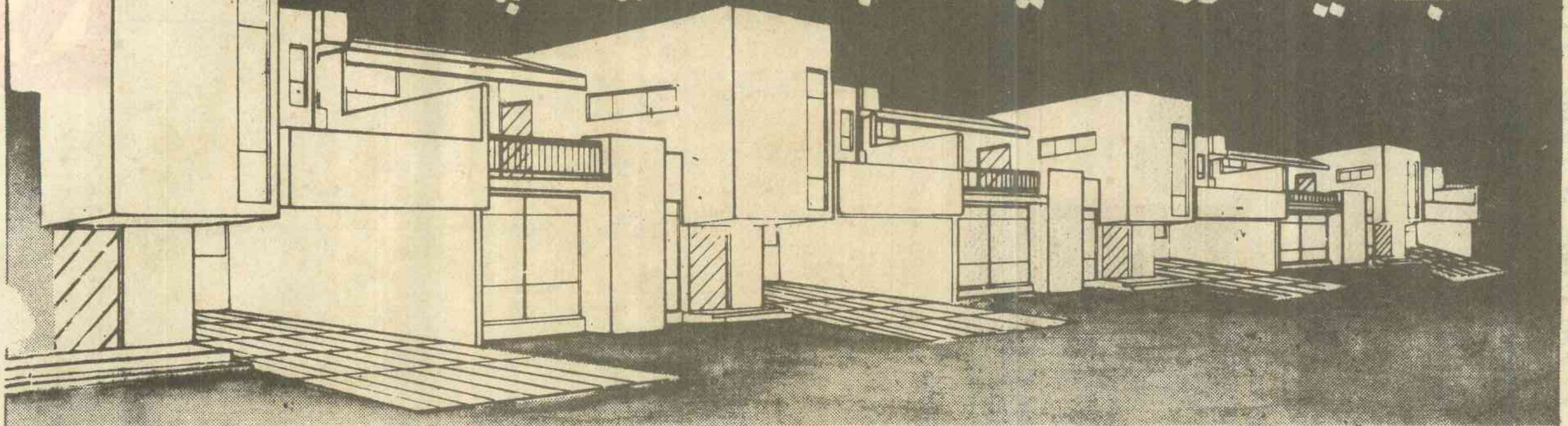

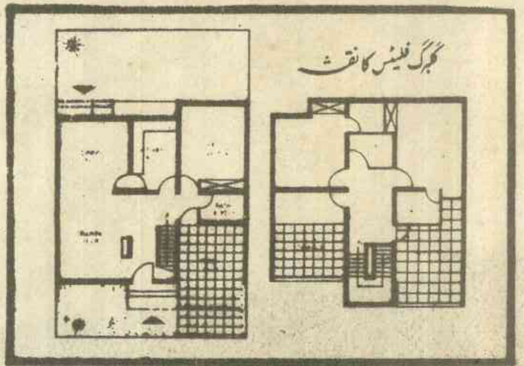

ECFI نے برادرانِ وطن کے رہائشی مسائل کے خاتمے کی طرف ایک اور قدم اٹھایا ہے۔ اس سلسلے میں لاہور کی حسین ترین بستی گلبرگ میں تمام تر رہائشی سہولتوں سے آراستہ جدید ترین بنگلوں کی تعمیر کی جا رہی ہے غیر ممالک میں مقیم پاکستانی حضرات نے چند بنگلے پہلے ہی مخصوص کرائے ہیں!
بنگلہ جات کی تعداد محدود ہونے کی بنا پر پہلے آنے والے کرم فرماؤں کو ہی ترجیح دی جائے گی!

تفصیلات

دو بیڈ • ملحقہ غسل خانے • کشادہ باورچی خانہ سٹور • کارپورچ • خوبصورت ٹیریس بالائی منزل

قیمت : ۳,۶۰,۰۰۰ ۔ روپے فی یونٹ

• ایڈوانس ۲۵ فیصد ۔ باقی رقم ۳ مساوی اقساط میں
• تکمیل کی مدت ۔ زیادہ سے زیادہ ۱۸۰ دن۔

ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل لمیٹڈ
(پاکستان میں بلا سود سرمایہ کاری کا پہلا واحد ادارہ)
۳۰ ۔ ۸ ۔ ۳ ۔ گلبرگ ۔ ۳ ۔ لاہور ★ فون نمبر ۸۸۱۵۴۶

Crescent/Lhr.

جلد نمبر ۱۵ ، شمارہ نمبر ۷

۱۱ تا ۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ

۹ تا ۱۵ فروری ۱۹۷۹ء

ہفت روزہ زندگی لاہور

مُدیرِ منتظم : ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی

مُدیر : الطاف حسن قریشی

مدیرانِ معاون : ممتاز عامر ، رؤف طاہر

ترتیب

عدل اسلامی کا مظاہرہ ـــــــ اداریہ ۴

وزیرِ اعظم سے مُجرمِ اعظم تک۔

سپریم کورٹ میں سماعت کی روداد۔ سید سبط احمد ۱۰

بھٹو کی اپیل مسترد، سزائے موت بحال

جب سپریم کورٹ نے فیصلہ سنایا۔ ۶

اختلاف کرنے والے تین ججوں کا نقطۂ نظر۔ ۸

سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد زندگی رواں دواں رہی۔

ملک بھر سے زندگی کے نمائندوں کی رپورٹیں۔ ۹

سیرت النبیؐ پر خصوصی فیچر۔ ۲۹

مولانا مودودی، سلیمان ندوی، ابوالکلام آزاد اور نعیم صدیقی کا خراجِ عقیدت

ایران

کارٹر "استحکام کے جزیرے" میں بھٹکتا رہا۔ رؤف طاہر ۲۱

کمبوڈیا

جنوب مشرقی ایشیا میں تشویش کی لہر۔ ممتاز عامر ۲۴

نظامِ اسلامی کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔

جماعت اسلامی پنجاب اور سندھ کی قرار دادیں ۴۶

بنکنگ اینڈ انشورنس سیلمینٹ

سرورق : شاہجہان

بیرونِ مُلک نمائندے

ریاض : فرقان احمد

دُبئی : منیر احمد خلیلی، پوسٹ بکس نمبر ۱۲۶۲

قطر : فضل ہادی سواتی، پوسٹ بکس نمبر ۲۱۲۴۔ دوحا

کویت : سید محمد رضوی

ابوظبی : سکندر ملک، پوسٹ بکس نمبر ۴۱۳۷ ؍ ۴

بابر سعید ملک، پوسٹ بکس نمبر ۱۵۸۷۔ العین

ہمارے نمائندے

اسلام آباد : سید سبط احمد

فیاض شاہد

آزاد کشمیر / راولپنڈی : طارق محمود طلدق

فیصل آباد : محی الدین احمد، رحمٰن بلڈنگ

کچہری بازار، فون ۳۱۲۸۸

گجرات : قمر عباس رانا، لون انٹرپرائز

سرکلر روڈ، فون ۳۶۳۹

گوجرانوالہ : بذل احمد ، ۵۔ گوبند گڑھ

اسلامیہ کالج روڈ

کراچی : اکرام غازی، فون ۴۳۵۹۲۳

خالد خُلد، فون ۶۱۶۹۸۹

صوبہ سرحد : عبدالہادی احمد ۴ میونسپل فلیٹس

حاجی کیمپ ، پشاور

کوئٹہ : مسلم قریشی، معرفت تعمیرِ نو اسکول

آرچر روڈ، فون ۷۴۲۰۳

اندرون سندھ

حیدرآباد : محمد موسیٰ بھٹو، باب الاسلام پبلیکیشنز، ٹھنڈی سڑک،

لاڑکانہ : جی ایچ حیدری

پربھات پبلیکیشنز ، بندر روڈ

سانگھڑ : عظمت اللہ عباسی

تھرپارکر : عبدالحفیظ عابد

میرپور خاص : ارباب عبدالمالک انیس، مکتبہ ملی

ڈاک خانہ چوک اسٹیشن روڈ

مستقل کالم نگار

خافی خان ، صادق حسین ، آغا اشرف،

عظیم سرور، نثار الحق

بدلِ اشتراک

	ششماہی روپے	سالانہ روپے
۱۔ پاکستان	۵۲	۱۰۰
۲۔ ہندوستان	۸۵	۱۶۰
۳۔ ایران، عراق، اردن، کویت، لبنان، سعودی عرب، الجیریا، مصر، انڈونیشیا، سری لنکا، نیپال، شام، ترکی	۹۵	۱۸۰
۴۔ ابوظبی، افغانستان، بحرین، دوبئی، عمان، شارجہ، برما، بنگلہ دیش، قطر	۱۳۵	۲۶۰
۵۔ مالدیپ، لکادیپ، یمن،	۱۴۵	۲۸۰
۶۔ کمبوڈیا، لاؤس، تھائی لینڈ، ویت نام، برونی، چین، فارموسا، نائجیریا، پولینڈ، ہالینڈ، زمبیا، لیبیا، ہانگ کانگ، میکاؤ، ماریشس، ملائیشیا، سنگاپور، جاپان، سویڈن، ڈنمارک، مغربی جرمنی، نیروبی، انگلینڈ، فرانس، ناروے، اٹلی	۱۶۵	۳۲۰
۷۔ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، فجی	۲۴۵	۴۸۰
۸۔ کینیڈا، یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکہ، الاسکا، بہاماس	۲۷۰	۵۳۵
۹۔ کیوبا، میکسیکو، برازیل، بابدوس	۲۹۰	۵۷۰

کراچی آفس : اشتہارات : مشتاق احمد

۱۸۔ ڈی بلاک ۲۔ شاہراہِ قائد،

بالمقابل پوسٹ آفس، پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹

فون : ۴۳۶۳۱۴

ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی پرنٹر پبلشر نے اُردو ڈائجسٹ پرنٹرز سرکلر روڈ لاہور سے چھپوا کر ۲۱۔ ایکڑ سکیم سمن آباد لاہور سے شائع کیا

صحافت ایک بہت بڑی قوت ہے، جو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور نقصان بھی، اگر یہ ٹھیک نہج پر ہو تو رائے عامہ کی رہنمائی بھی کر سکتی ہے۔

(قائدِ اعظمؒ)

عدلِ اسلامی کا مظاہرہ

پاکستان سپریم کورٹ نے چھ فروری کو نواب محمد احمد خاں قصوری کے مقدمۂ قتل کا تاریخی فیصلہ سناتے ہوئے پاکستان کے سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور چار دیگر ملزمان کی اپیل مسترد کر دی ہے جو انہوں نے لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف دائر کی تھی اور اس طرح وہ اعصاب شکن انتظار ختم ہوا جس نے پچھلے کئی ماہ سے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ یہ اعزاز بھی اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والے اس ملک پاکستان ہی کو حاصل ہوا کہ سات کروڑ عوام کے خلاف گھناؤنی سازشیں کرنے والے ہمہ مقتدر آمر کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے کسی انقلابی اقدام کا سہارا لینے کی بجائے عام قانون کے تحت مقدمہ چلا کر اور اسے صفائی کا پورا پورا موقعہ دے کر قانون و عدل کے تمام تقاضے پورے کئے گئے، ورنہ مسٹر بھٹو کو اگر "اس کے اپنے سکوں میں" ادائیگی کی جاتی تو قوم کو ڈیڑھ سال تک اعصاب شکن انتظار کی زحمت برداشت نہ کرنا پڑتی۔ اس کے دورِ اقتدار میں عدل و انصاف اور قانون کی جو مٹی پلید ہوتی رہی، وہ ابھی تک عوام کے ذہنوں میں تازہ ہے۔ سیاسی مخالفین کو ٹھکانے لگانے کے لیے وہ نہ صرف ہر اقدام کو مباح سمجھتا تھا، بلکہ کسی ضابطے یا قانونی بندش کو درخورِ اعتنا بھی نہیں سمجھتا تھا۔ اس کے عہدِ ستم میں تو ایک سیشن جج کو برسرِ عدالت گرفتار کیا گیا۔ عدلیہ کو بے بس کر دیا گیا۔ قومی اسمبلی میں ججوں کے خلاف ناروا زبان استعمال کی گئی۔ اسی بنا پر ایسے شخص کو جب صفائی کی سہولتوں سے بڑھ کر بھی مراعات دی گئیں اور اس کی ایک بگڑے ہوئے بچے کی مانند ہر طرح نازبرداری کی گئی تو اس پر اکثر لوگ چیں بجبیں ہوئے اور اسے ضرورت سے زیادہ رحم دلی قرار دینے لگے، لیکن ہماری عدلیہ نے جہاں انصاف کی اعلیٰ روایات کو ملحوظ رکھا اور ملزموں کو صفائی پیش کرنے کا پورا پورا موقع دیا، وہاں یہ بھی ثابت کر دیا کہ پیپلز پارٹی کے پروپیگنڈے کے علی الرغم پاکستانی عدلیہ پوری طرح آزاد ہے اور کثرتِ رائے سے اپیل کا فیصلہ سیاسی دخل اندازی سے مبرا ہونے کی محکم دلیل ہے۔ سپریم کورٹ کی رواداری اور وسعتِ قلبی اس حد تک بلند تھی کہ اپیل کی سماعت کے آخری مرحلے میں عدلیہ کی تاریخ میں پہلی بار ملزموں کو عدالتِ عظمیٰ میں خود پیش ہونے کا موقع دیا گیا، جہاں مسٹر بھٹو نے عدلیہ پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اب اگر اسے پھانسی کی سزا بھی دے دی جائے تو بخوشی منظور ہوگی۔

وطنِ عزیز میں ایسے لوگوں کی تعداد کچھ کم نہ ہوگی جو مسٹر بھٹو کو اس حسنِ سلوک کا مستحق نہیں سمجھتے تھے اور جب وہ دیکھتے تھے کہ مسٹر بھٹو جیل میں بیٹھ کر بھی ارتکابِ جرائم سے باز نہیں آتے اور وطن کو بدنام کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تو انہیں فوجی حکمرانوں کی ضرورت سے زیادہ رحم دلی پر افسوس ہوتا تھا۔ دنیا کے دوسرے ممالک میں حکومتی نشیب و فراز آتے رہتے ہیں لیکن کسی ملک میں بھی معزول حکمران کو نازبرداری کی حد تک حسنِ سلوک کا مستحق نہیں سمجھا گیا، حالانکہ وطن دشمن اور جمہوریت کشی میں وہ مسٹر بھٹو کے عشرِ عشیر بھی نہ تھے۔ خود ہمارے سابقہ مشرقی بازو میں انقلاب آیا تو "بنگلہ بندھو" کا پورا خاندان صفحۂ ہستی سے ناپید کر دیا گیا۔ اسی بنا پر اکثر لوگ محسوس کرتے تھے کہ ہمارے حکمرانوں نے رحم دلی اور انصاف پروری کا مظاہرہ کر کے ملک کے حق میں اچھا نہیں کیا، لیکن جس اسلامی نظام کی داغ بیل اس ملک میں ڈالی جا رہی ہے اس کا تقاضا تھا کہ بد سے بدترین شخص کو بھی حصولِ انصاف کا پورا پورا موقع فراہم کیا جائے اور اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ نہ صرف انصاف ہو بلکہ انصاف ہوتا نظر بھی آئے۔ اب ہماری عدالتِ عظمیٰ نے انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کی نظر میں ادنیٰ و اعلیٰ میں کوئی فرق نہیں اور ایک عام آدمی کی جان بھی اتنی ہی قیمتی ہے، جتنی ایک وزیرِ اعظم کی ہے۔

مسٹر بھٹو نے مقدمے کی کارروائی کے دوران بار بار اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ رحم نہیں بلکہ انصاف کے طالب ہیں۔ عدالتِ عظمیٰ میں بھی جب انہیں خود پیش ہونے کا موقع ملا تو انہوں نے عدالت پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے رحم کی بجائے عدل ہی کی درخواست کی تھی۔ ہم ایک گنہگار مسلمان ہیں اور ہر وقت اپنے ربِ کریم سے رحم طلب کرتے رہتے ہیں کیونکہ ہم اس کے عدل کی تاب نہیں لا سکتے، لیکن اگر مسٹر بھٹو نے رحم کی بجائے عدل طلب کیا تھا تو عدالتی فیصلے کی شکل میں وہ عدل ان کو مل گیا ہے۔ اب یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ ان کے بہی خواہ دنیا بھر کے دارالخلافوں سے رحم کی بھیک مانگتے پھریں، بلکہ جوانمردی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر کوئی سربراہِ مملکت خود اپنی طرف سے مسٹر بھٹو کے لیے رحم کی اپیل کریں تو مسٹر بھٹو اس سے مستفید ہونے سے انکار کر دیں۔ مسٹر بھٹو نے اس اسلامی مملکت کا جو حشر کیا تھا اور بے گناہ عوام پر جو مظالم ڈھائے تھے اگر وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع

ہوتے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے تو شاید اللہ ان کی زیادتیاں معاف کر دیتا لیکن وہ تو آخر دم تک عدل مانگتے رہے اور رحم مانگنے سے انکاری رہے۔ اب وہ کس منہ سے سربراہانِ مملکت کو رحم کی اپیلیں جاری کرنے کی درخواستیں کر رہے ہیں؟

مسٹر بھٹو نے اس قوم کا جو حشر کیا ہے اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کی ہوس میں گمنام شہیدوں کا جس قدر خون بہایا ہے، یہ سزائے موت ان تمام مظالم کا مداوا نہیں بن سکتی۔ ان کی موجودہ سزا تو صرف ایک آدمی کے قتل کی جزا ہے، لیکن انہوں نے جن اور بہت سے لوگوں کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لیے ختم کر دیا تھا، ان سب کی سزا ان کی جانِ ناتواں کیسے پورا کر سکتی ہے، اس لیے مکمل انصاف جس کے وہ طالب ہیں، انہیں اس دنیا میں مل ہی نہیں سکتا، یہ انصاف انہیں صرف خدا کے ہاں ہی مل سکتا ہے جو علیم و خبیر ہے اور جس کے ریکارڈ میں ان کے تمام مظالم محفوظ ہیں، اس لیے ان آخری لمحات میں مسٹر بھٹو کی حقیقی خیر خواہی یہی ہے کہ انہیں خدا سے اور مظلوم عوام سے معافی مانگنے کی تلقین کی جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے اور ان کا بوجھ ہلکا کر دے۔

فوجی حکمرانوں نے دستورِ زمانہ سے ہٹ کر اسلامی روایات کے قیام کا جو مشکل راستہ منتخب کیا تھا اور فوجی انقلاب کے نام پر مسٹر بھٹو کو ختم کرنے کے بجائے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کا جو اہتمام کیا تھا، اب اس کی آزمائش کی کٹھن گھڑی آ پہنچی ہے۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ ملک کے اندر اور بیرونِ ملک مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے لیے سخت کوششیں کی جائیں گی۔ بیرونی ملکوں سے سربراہانِ مملکت کی اپیلوں کی آمد شروع بھی ہو چکی ہے۔ دنیا کی حکمران برادری کبھی برداشت نہیں کرے گی کہ ایک سابق حکمران کے گلے میں پھانسی کا پھندا کسی خوفناک روایت کی ابتدا ثابت ہو۔ حکمران آخر حکمران ہیں، وہ اپنے آپ کو قانون و انصاف سے بالا سمجھتے ہیں۔ ایک عام آدمی کا خون یا چند لاکھ عوام کا خون آخر اس قدر اہم کیوں سمجھا جائے کہ اس کی پاداش میں کسی حکمران کو تختۂ دار پر چڑھنا پڑے؛ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ پاکستان نے اپنے لیے اسلام کا جو راستہ منتخب کیا ہے، اس کی نظر میں بندہ و آقا یکساں اہمیت رکھتے ہیں اور کسی حکمران کا خون محکوم کے خون سے زیادہ سُرخ نہیں ہوتا۔

جمہوریت اور مساوات کے بلند بانگ نعرے لگانے کے باوجود مغربی معاشرہ ابھی تک بندہ و آقا کی اس تمیز سے نجات نہیں پا سکا۔ وہاں حکمران خواہ وہ عوام کا منتخب کردہ ہی ہو، عوام سے بالا سمجھا جاتا ہے اور اس کے عیوب پر پردہ ڈالا جاتا ہے، لیکن اسلام کا تو پہلا سبق ہی یہ ہے کہ اللہ کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں اور ایک حکمران بھی اللہ کے قانون کے سامنے اسی طرح جوابدہ ہے جس طرح ایک عام آدمی۔ یہاں تو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی فاطمہؓ بھی کسی رعایت کی مستحق نہیں سمجھی جاتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس موقع پر اسلام کے نظریۂ عدل و مساوات کو خوب اجاگر کیا جائے۔ پاکستان کو مطعون کرنے کے بجائے دنیا کو اس ملک کا شکر گزار ہونا چاہیے جس نے حقیقی معنوں میں عوام کی قدر و قیمت متعین کی ہے اور حکمرانوں کو احتساب کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی عظیم روایت کو جنم دیا ہے۔ ہمارے ذرائع ابلاغ اگر خلوص کے ساتھ اسلام کے اس پہلو کو اجاگر کرتے، تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دنیا بھر میں پاکستان کا وقار بلند نہ ہوتا اور شرارت پر آمادہ جو لوگ بیرونی دنیا میں اس مقدمے کو سیاست سے وابستہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کے عزائم خاک میں نہ مل جاتے۔

دنیا بھر کے حکمرانوں اور بالخصوص وطن عزیز کے حکمرانوں کو اس فیصلے سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔ انسان میں روز بروز اب خود شناسی اور خودنگری پیدا ہو رہی ہے اور وہ یہ بات برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص حکمرانی کے نام پر اس کے حقوق پر ڈاکہ ڈالے۔ وہ اگر اپنی مرضی سے کچھ لوگوں کو حق حکمرانی عطا کرتا ہے، تو اس سے اس کا مقصد قیامِ عدل ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جس معاشرے میں وہ زندگی گزار رہا ہے، وہ حقیقی معنوں میں عدل و انصاف پر مبنی پُرامن معاشرہ ثابت ہو، جس میں ہر شخص کو اس کے جائز حقوق حاصل ہوں، لیکن اگر حکمران نشۂ اقتدار میں بدمست ہو کر عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا شروع کر دے، تو اس کا گریبان زیادہ دیر تک عوام کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ حکمران اپنے اقتدار کی حفاظت کے لیے خواہ کتنے ہی بند باندھ لے، آخر ایک نہ ایک روز یہ سب بند ٹوٹ جائیں گے اور پھر اسے اپنی ایک ایک حرکت کے لیے عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑے گا۔ عوام میں اپنے حقوق کا شعور جس تیزی سے پیدا ہو رہا ہے، اس کے پیشِ نظر کوئی بھی حکمران خواہ وہ کتنا ہی مقتدر کیوں نہ ہو اب زیادہ دیر تک عوام کو بھیڑ بکری کی سطح پر نہیں رکھ سکے گا۔ سلطانیٔ جمہور کا یہ دور جو اسلام کی وساطت سے پاکستان میں جنم لے رہا ہے، مسٹر بھٹو کے انجام کو نشانِ عبرت کے طور پر ہمیشہ سامنے رکھے گا تاکہ پھر کوئی حکمران بدمست نہ ہونے پاتے۔ کسی حکمران کے لیے پھانسی کا نیا پھندا تیار نہ کرنا پڑے۔

●●

راشن ڈپوؤں پر ناقص آٹا

پچھلے ڈیڑھ دو ماہ سے ڈپوؤں پر سپلائی ہونے والے آٹے کی کوالٹی پھر گر گئی ہے۔ اس سے قبل بھی آٹے کی کوالٹی کے بارے میں کئی مرتبہ شکایت پیدا ہو چکی ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ جب بھی ناقص کوالٹی کے متعلق عوامی احتجاج کی لہر بلند ہوتی ہے اور اخبارات و جرائد میں عوامی شکایات مسلسل شائع ہونے لگتی ہیں، تو محکمۂ خوراک کے افسران خوابِ خرگوش سے بیدار ہوتے ہیں اور مل مالکان کی پکڑ دھکڑ شروع ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں آٹے کی کوالٹی بہتر ہو جاتی ہے، لیکن کچھ ہی عرصے بعد کوالٹی پھر گر جاتی ہے اور عوام میں چیخ و پکار پھر شروع ہو جاتی ہے۔ یہ چکر جو عرصے سے چل رہا ہے، کسی طرح بھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اگر سیاسی جماعتوں کے لیڈر، فوجی حکام اور محکمۂ خوراک کے افسران خود بھی وہی آٹا استعمال کریں جو راشن ڈپوؤں پر عوام کو ملتا ہے، تو عوام کو شکایت کرنے کی نوبت ہی پیش نہ آتی، لیکن مصیبت تو یہی ہے کہ راشن ڈپوؤں کا سستا آٹا صرف غریب عوام کا مقدر بن کر رہ گیا ہے۔ اس لیے ہمہ مقتدر افسران کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ راشن میں جو آٹا مہیا کیا جا رہا ہے، وہ کھانے کے قابل بھی ہے یا نہیں۔ اسی سے ملتی جلتی شکایات چینی کے بارے میں بھی سُننے میں آ رہی ہیں۔ محکمۂ خوراک کے افسران کا یہ فرض ہے کہ وہ ڈپو کا آٹا استعمال کرتے ہوں یا مل مالکان کا مہیا کردہ سپیشل آٹا، لیکن عوام کو مہیا کئے جانے والے آٹے کی کوالٹی اس قدر ناقص نہیں ہونی چاہیئے کہ جانور بھی منہ موڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

حالیہ اخباری اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نئے مالی سال کے راشن بندی کا نظام ختم کر کے محکمۂ خوراک کی بساط لپیٹنے کا پروگرام بنا رہی ہے۔ یہ خبر اس لحاظ سے بڑی خوش آئند ہے کہ پھر راشن بندی ایریا اور غیر راشن بندی ایریا کی تفریق ختم ہو جائے گی اور سب لوگ کھلی مارکیٹ سے اپنی ضروریات خرید اکریں گے۔

●●

● بھٹو نے ایف ایس ایف کا شیطانی استعمال کیا۔

● ہائی کورٹ کا کوئی جج بھٹو کے خلاف عناد نہیں رکھتا تھا۔

اپیل مسترد، سزائے موت بحال

۶ فروری کو سپریم کورٹ کے فل بنچ نے نواب محمد احمد خان کے قتل کے سلسلے میں سابق وزیر اعظم بھٹو اور چار دیگر مجرموں کی اپیلوں کا فیصلہ سنایا۔ ایک دن پہلے ہی فیصلہ سنانے کی خبر اخبارات میں شائع ہو گئی تھی، لہٰذا کمرۂ عدالت حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں استغاثہ اور صفائی کے وکلاء، پاکستانی اور غیر ملکی صحافی، سفارتی نمائندے اور دوسرے لوگ شامل تھے۔ فاضل جج صاحبان گیارہ بجکر چھ منٹ پر کمرۂ عدالت میں آئے اور چیف جسٹس مسٹر جسٹس انوار الحق نے "آرڈر آف دی کورٹ" پڑھا جو صرف تین پیراگراف پر مشتمل تھا۔ یہ آرڈر پڑھنے کے بعد فاضل چیف جسٹس نے اس پر دستخط کیے۔ اس کے بعد دوسرے ججوں نے بھی اس پر دستخط کیے۔

فیصلے کے مطابق سپریم کورٹ نے سابق وزیر اعظم بھٹو کی اپیل مسترد کر دی ہے، سزائے موت بحال رکھی ہے اور لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کی توثیق کر دی ہے۔ تاہم سات روز کے اندر سپریم کورٹ میں اس فیصلے پر نظر ثانی کی اپیل کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

اس دوران سزائے موت پر عملدرآمد معطل رہے گا اور مسٹر بھٹو کو راولپنڈی جیل سے کسی دوسری جگہ منتقل بھی نہیں کیا جائے گا۔

سات رکنی فل بنچ کے چار ارکان مسٹر جسٹس انوار الحق، مسٹر جسٹس محمد اکرم، مسٹر جسٹس نسیم حسن شاہ اور مسٹر جسٹس کرم الٰہی چوہان نے سزائے موت بحال رکھنے کا فیصلہ دیا ہے اور تین ججوں مسٹر جسٹس دراب پٹیل، مسٹر جسٹس عبدالحلیم اور مسٹر جسٹس صفدر شاہ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بھٹو کی اپیل منظور کر لی جائے۔ فل بنچ نے کثرت رائے سے سابق ڈائریکٹر ایف ایس ایف میاں محمد عباس اور اتفاق رائے سے ایف ایس ایف کے انسپکٹروں رانا افتخار احمد، ارشد اقبال اور غلام مصطفیٰ کی سزائے موت برقرار رکھی ہے۔

وکلاء میں سے بھٹو کی طرف سے مسٹر یحییٰ بختیار، غلام علی میمن ڈی ایم اعوان، عبدالحفیظ لاکھو اور افضل صدیقی، استغاثہ کی طرف سے ایڈووکیٹ آن ریکارڈ ایم اے رحمان، میاں غلام عباس کی طرف سے قربان صادق اکرام اور باقی تین مجرموں کے وکیل ارشاد قریشی عدالت میں موجود تھے۔

جب چیف جسٹس فیصلے پر دستخط کر چکے، تو مسٹر یحییٰ بختیار نے عدالت سے کہا کہ وہ نظر ثانی کی درخواست داخل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے جیل حکام کو یہ ہدایت کی جائے کہ درخواست کے فیصلے تک مسٹر بھٹو کو پھانسی پر نہ لٹکایا جائے۔ انہوں نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ جیل حکام فیصلے کی اطلاع دینے کے بعد ان سے یہ دریافت کریں گے کہ کیا وہ رحم کی اپیل کرنا چاہتے ہیں اور جب مسٹر بھٹو انکار کریں گے، تو انہیں فوری طور پر پھانسی دے دی جائے گی۔

مسٹر یحییٰ بختیار نے عدالت سے استدعا کی کہ جیل حکام کو ہدایت کی جائے کہ نظر ثانی کی درخواست کا فیصلہ ہونے تک مسٹر بھٹو کو پھانسی نہ دی جائے۔

جب چیف جسٹس نے اس پر ایڈووکیٹ آن ریکارڈ مسٹر ایم اے رحمان سے دریافت کیا کہ اس سلسلے میں ان کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ غیر ضروری درخواست ہے، کیونکہ ابھی تک نظر ثانی کی

مسٹر جسٹس محمد اکرم

مسٹر جسٹس نسیم حسن شاہ

مسٹر جسٹس کرم الٰہی چوہان

مسٹر جسٹس صفدر شاہ

مسٹر جسٹس محمد حلیم

مسٹر جسٹس دراب پٹیل

درخواست دائر نہیں کی۔ اس کے علاوہ قانون میں صاف طور پر لکھا ہے کہ نظر ثانی کی درخواست کے بعد رحم کی اپیل کے لئے وقت ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ قانون کے تقاضے پورے ہونے تک ان کو پھانسی نہیں دی جائے گی۔ اس لئے عدالت کی طرف سے اس قسم کے حکم کا اجراء غیر ضروری ہوگا۔

چیف جسٹس نے یحییٰ بختیار سے کہا کہ وہ جس خدشے کی بناء پر اس قسم کا حکم جاری کرنے کی درخواست کر رہے ہیں۔ اس کے جواز کے طور پر وہ جیل مینویل کا حوالہ دیں۔ اس پر غلام علی میمن نے جیل مینول کا متعلقہ ضابطہ پڑھا، جسے سننے کے بعد چیف جسٹس نے کہا کہ مینول میں صاف لکھا ہے، لہٰذا حکم جاری کرنے پر کیوں اصرار کیا جا رہا ہے۔ تاہم انہوں نے یحییٰ بختیار کو مشورہ دیا کہ اگر وہ نظر ثانی کی درخواست دینا چاہتے ہیں، تو فوری طور پر داخل کر دیں۔ اس کے بعد وہ اس قسم کا حکم جاری کرنے پر غور کریں گے۔

تاہم یحییٰ بختیار کے اصرار پر چیف جسٹس نے فاضل ججوں سے مشورہ کرنے کے بعد عدالت کچھ دیر کے لئے برخاست کر دی اور کہا کہ اس وقفے میں قوانین کا مطالعہ کرنے کے بعد حکم جاری کریں گے؛ چنانچہ تھوڑی دیر بعد جب دوبارہ عدالت بیٹھی، تو چیف جسٹس انوار الحق نے یہ حکم جاری کیا کہ مسٹر بھٹو کو سات روز تک راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل سے کسی اور جگہ منتقل نہ کیا جائے۔

مسٹر یحییٰ بختیار نے عدالت سے استدعا کی کہ ان کے ساتھیوں کو مسٹر بھٹو سے ملاقات کا موقع دیا جائے اور ان میں مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ کو بھی شامل کیا جائے۔

پیرزادہ: "ہم مسٹر بھٹو سے ملاقات کرنے والے چار وکلاء کے پینل میں سے ایک نام خارج کرنے کو تیار ہیں۔ ان کی جگہ مجھے موقع دیا جائے۔"

چیف جسٹس: "آپ غلط روایت قائم نہ کریں، پہلے کی طرح اب بھی چار وکلاء کو ملاقات کی اجازت ہے۔"

فیصلے کے اہم حصے

سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں کہا ہے کہ لاہور ہائی کورٹ کے پانچ ججوں نے مقدمے کی سماعت آزادانہ اور منصفانہ طریقے سے کی ہے۔ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ مسٹر بھٹو نے ایف ایس ایف کو سیاسی انتقام کے لیے استعمال کیا جو وزیرِ اعظم کے اختیارات کا شیطانی استعمال ہے۔ مسٹر بھٹو نے شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کرنے کی بجائے ایف ایس ایف کو اپنے ایک سیاسی مخالف کو ہلاک کرنے کے لیے استعمال کیا۔ اس کے بعد وزیرِ اعظم کے اختیارات کو مناسب تحقیقات رکوانے کے لیے استعمال کیا گیا۔

محرکات سیاسی نہیں

اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ اس مقدمے کے محرکات سیاسی ہیں یا اس کے پیچھے کوئی بین الاقوامی سازش کارفرما ہے، کیونکہ یہ مقدمہ بھٹو کے اقتدار سے الگ ہونے سے تین سال قبل درج کرایا گیا تھا، جس میں واضح طور پر ملزموں کی نشاندہی کی گئی تھی۔

اپیل کے دلائل میں زیادہ زور اس بات پر دیا گیا کہ موجودہ کیس سیاسی وجوہ پر اس طرح بنی ہے کہ اپیل کنندہ کو اقتدار سے علیحدہ کرنے کے لیے بین الاقوامی سازش کی گئی اور یہ سازش ان کو سیاسی اور جسمانی طور پر ختم کرنے کے لیے تھی۔ یہ واضح ہے کہ یہ معاملات مقدمے کے ریکارڈ سے باہر کے ہیں اور عدالت کے دائرۂ تعیّن میں نہیں آتے۔

استغاثہ کی طرف سے بعض گواہ پیش نہ کرنے کے سلسلے میں بحث کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ پوری صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نظریے پر پہنچا ہوں کہ عدالت میں ان گواہوں کو دفاع کے گواہ کی حیثیت سے بلانے کی کوئی درخواست نہیں کی گئی تھی کہ انہیں عدالت کے گواہ کے طور پر طلب کیا جائے۔ خفیہ کارروائی اور متفرق درخواستوں کی سماعت کھلی عدالت کے بجائے چیمبرز میں کرنے کے مسئلے پر فیصلہ کیا گیا ہے کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۵۲ کے تحت وہ جگہ، جہاں فوجداری عدالت کام کر رہی ہے کھلی عدالت تصور کی جائے گی۔ خفیہ کارروائی کے دوسرے مرحلے پر بحث کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو کا بیان دفعہ ۳۴۲ ضابطہ فوجداری کے تحت ریکارڈ کیا گیا تھا۔ فیصلے میں کہا گیا ہے کہ اپیل کنندہ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دفاع میں کوئی شہادت پیش نہیں کی۔ بحیثیت ملزم کے ان کا بیشتر بیان کھلی عدالت میں ریکارڈ کیا گیا۔ فیصلے میں کہا گیا ہے کہ میں مطمئن ہوں کہ اگر کوئی مبینہ بے قاعدگی ہوئی ہے تو اس سے انصاف کے تقاضوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ لہٰذا یہ اعتراض مسترد کیا جاتا ہے۔ ہائی کورٹ کارروائی کا ایک حصّہ خفیہ رکھنے میں حق بجانب تھی۔

ہائی کورٹ اس نتیجے پر پہنچنے میں حق بجانب تھی کہ اپیل کنندہ ذوالفقار علی بھٹو، احمد رضا قصوری کے شدید سیاسی اختلافات کی وجہ سے اسے ختم کرنے کا مقصد رکھتا تھا۔ اس نے مسٹر قصوری کو قتل کرنے کا کام فیڈرل سیکورٹی فورس کے سپرد کیا تھا۔

ہائی کورٹ نے جو طریقہ کار اختیار کیا وہ قانون کے تحت ضروری تھا۔ یہ کسی تعصب کی وجہ سے نہ تھا۔ بدقسمتی سے اپیل کنندہ کو شروع سے یہ کہہ کر گمراہ کر دیا گیا کہ فاضل قائم مقام چیف جسٹس ان کے خلاف بغض و عناد رکھتے ہیں۔ دراصل کوئی جج ان کے خلاف عناد نہیں رکھتا۔ مقدمے کی سماعت قانون کے مطابق کی گئی اور ہائی کورٹ نے جو فیصلہ کیا وہ شہادت اور قانون کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد صحیح پایا گیا۔

آج یہاں سپریم کورٹ میں چیف جسٹس جناب جسٹس ایس انوار الحق نے درج ذیل حکم پڑھ کر سنایا۔

عدالت کا حکم

فوجداری اپیل نمبر ۱۱-۱۹۷۸ء

ذوالفقار علی بھٹو بنام مملکت

اکثریت کی رائے کے مطابق یہ اپیل مسترد کی جاتی ہے اور ہائی کورٹ کی طرف سے مجرم قرار دینے کے حکم اور سزاؤں کے فیصلہ کی توثیق کی جاتی ہے۔ ان سزاؤں کے حکم اور سزاؤں کے فیصلہ کی توثیق کی جاتی ہے ان سزاؤں میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۰۱ کا اطلاق نہیں ہوگا۔

فوجداری اپیل نمبر ۱۲-۱۹۷۸ء

میاں محمد عباس بنام صدر مملکت

اکثریت کی رائے کے مطابق یہ اپیل مسترد کی جاتی ہے اور ہائی کورٹ کی طرف سے مجرم قرار دیے جانے کے حکم اور سزاؤں کے فیصلہ کی توثیق کی جاتی ہے۔

فوجداری اپیل نمبر ۱۳-۱۹۷۸ء

غلام مصطفےٰ، ارشد اقبال اور رانا افتخار بنام مملکت

عدالت کے متفقہ فیصلہ کے مطابق یہ اپیل مسترد کی جاتی ہے اور تینوں اپیل کنندوں کو لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے مجرم قرار دیے جانے اور سزاؤں کے فیصلہ کی توثیق کی جاتی ہے۔ سوائے اس کے کہ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ نمبر ۳۰۱ کا غلام مصطفےٰ پر اطلاق نہیں ہوگا۔

مسٹر اعجاز بٹالوی

ایم انور مرحوم

مسٹر یحییٰ بختیار

مسٹر ڈی ایم اعوان

مسٹر ارشاد قریشی

ارشد اقبال، صوفی غلام مصطفیٰ، رانا افتخار احمد

ان کے جرم میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں

انہوں نے خود کو ملوّث کیوں کیا؟

اس کا جواب دینا میرا کام نہیں ہے

(مسٹر جسٹس صفدر شاہ)

سپریم کورٹ کے سات میں سے تین ججوں نے ــــ اکثریت کے فیصلے پر اپنے اختلافی نوٹ میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور میاں محمد عباس کو مجرم نہیں پایا اور ان کی بریت کے لئے کہا ہے۔ مسٹر جسٹس دراب پٹیل مسٹر جسٹس ایم حلیم اور مسٹر صفدر شاہ نے اپنے علیحدہ فیصلے لکھے ہیں۔ مسٹر جسٹس ایم حلیم نے ایک مختصر نوٹ لکھا ہے۔ تاہم دوسرے دو ججوں سے اصولی طور پر اتفاق کیا ہے۔ مسٹر جسٹس صفدر شاہ نے اپنے فیصلے میں کہا کہ میرے ذہن میں اس بارے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کہ استغاثہ مسٹر بھٹو میاں محمد عباس کے خلاف اپنا کیس ثابت کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گیا ہے؛ لہٰذا ان کی اپیلیں منظور کی جاتی ہیں، جس کے نتیجے میں ہائی کورٹ کی طرف سے انہیں مجرم قرار دینے کا فیصلہ اور سزائیں کالعدم قرار پاتی ہیں اور یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ انہیں فوری طور پر رہا کر دیا جائے بشرطیکہ وہ کسی دوسرے مقدمے میں ملوّث نہ ہوں۔

مسٹر جسٹس صفدر شاہ نے اپنے فیصلے میں مزید کہا کہ جہاں تک اپیل کنندگان صوفی غلام مصطفیٰ، ارشد اقبال اور رانا افتخار احمد کا تعلق ہے، صورتِ حال مختلف ہے۔ مقدمے کے ابتدائی مرحلوں ہی سے انہوں نے نہ صرف جرم کے ارتکاب کا اعتراف کیا ہے، بلکہ ان کی طرف سے پیروی کرنے والے فاضل وکیل نے اوّل تا آخر استغاثہ کے کیس کی تائید کی ہے۔ ریکارڈ پر موجود شہادتوں سے جن کی خود ان کے اقبالی بیانات سے تصدیق ہوتی ہے۔ مجھے کسی شبے کے بغیر اس پر اطمینان ہے کہ یہ تینوں مجرم ہیں اور نتیجتاً ہائی کورٹ کی طرف سے مجرم قرار دینے کا فیصلہ اور سزائیں مناسب ہیں۔ مسٹر جسٹس صفدر شاہ نے کہا کہ مجھے استغاثہ کے تمام تر کیس پر یقین ہے، ان حالات میں اور میرے اس نتیجے پر پہنچنے کے پیشِ نظر کہ وہ اپیل کنندگان ارشد اقبال اور رانا افتخار احمد کی طرف سے مسٹر قصوری کی کار پر فائرنگ کی کارروائی نہ صرف ظالمانہ کارروائی ہے، بلکہ خود ان کی آزادانہ کارروائی ہے۔ صوفی غلام مصطفیٰ کے کیس کو مذکورہ اپیل کنندگان کے کیس سے مختلف نہیں سمجھا جا سکتا ماسوائے اس کے کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۰۱ کے تحت انہیں مجرم قرار دینے کی تائید نہیں کی جا سکتی اور اسے کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔

مسٹر جسٹس ایم حلیم نے اپنے نوٹ میں ان اسباب اور نتائج سے کلی اتفاق کیا ہے، جن پر مسٹر جسٹس صفدر شاہ اپنے فیصلے پر پہنچے۔ مسٹر جسٹس حلیم کے مطابق چونکہ استغاثہ کا کیس بنیادی طور پر وعدہ معاف گواہ مسعود محمود کی شہادت پر مبنی ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس پر یقین کیا جائے یا نہیں؟ اس کی شہادت کے مجموعی جائزے سے میں اس نتیجے پر پہنچا

> ### مسٹر بھٹو اور میاں عباس
>
> ### کے خلاف جرم ثابت نہیں ہوتا

ہوں کہ یہ اس معیار کی نہیں کہ جس پر انحصار کیا جائے، نہ صرف یہ کہ اس میں ایسی باتیں ہیں جو اسے کمزور بناتی ہیں، بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایسے باضمیر آدمی ہیں، جن کا طرزِ عمل ان حقائق کے پس منظر میں بالکل غیر فطری ہے، جو ان کی شہادت میں بیان کئے گئے ہیں۔

مسٹر جسٹس حلیم نے مزید کہا کہ یہ بات بھی ناقابلِ فہم ہے کہ وعدہ معاف گواہ کی حیثیت میں ہونے کے سبب وہ واقعہ اسلام آباد سے باخبر نہیں ہوں گے، جب اس کے بارے میں جرح کے دوران میں پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا کہ انہیں اس کی سن گن تھی، اس کے جواب سے بطور وعدہ معاف گواہ ان کے رول کا بمشکل کوئی تاثر پیدا ہوتا ہے، ان کی شہادت غیر فطری ہے؛ لہٰذا اس میں وہ ضمانت موجود نہیں، جس سے اس پر اعتبار اور اعتماد پیدا ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ شہادت کے معتبر ہونے پر شبہے کے اظہار کے بارے میں مسٹر جسٹس صفدر شاہ کے فیصلے میں کافی کچھ کہا گیا ہے، علاوہ ازیں دیگر شہادتیں اپیل کنندہ ذوالفقار علی بھٹو کو سازشی کے طور پر براہ راست ملوث نہیں کرتیں، اس صورت میں استغاثہ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف اپنا کیس ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے، جہاں تک میاں عباس کا تعلق ہے، انہیں مذکورہ فیصلے میں بیان کردہ ایسی وجوہات کی بناء پر جرم سے بری الذمہ قرار دے دیا گیا ہے، جو حق بجانب ثابت کی جا سکتی ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ اس سوال میں دوبارہ جانا ضروری ہے۔ دوسرے تین اپیل کنندگان چوہدری غلام مصطفیٰ، ارشد اقبال اور رانا افتخار نہ صرف اپنے اقبالی بیانات پر قائم رہے، بلکہ جب ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۴۲ کے تحت ان کا بیان لیا گیا، تو انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا؛ لہٰذا جہاں تک ان کے جرم کا تعلق ہے۔ اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہو سکتا اور مفروضے پر مبنی اس سوال کا جواب دینا میرا کام نہیں کہ انہوں نے خود کو ملوث کیوں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سازش کے علاوہ کوئی اور سازش کی گئی ہو۔

مسٹر جسٹس حلیم نے بالترتیب ذوالفقار علی بھٹو اور میاں محمد عباس کی اپیلیں منظور کر لیں اور ان کی بریت کے لئے کہا اور تین دوسرے اپیل کنندگان کی اپیلیں مسترد کر دیں۔ اپنے اختلافی فیصلے کو سمیٹتے ہوئے ــــ جناب جسٹس دراب پٹیل نے کہا "میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ استغاثہ کی شک و شبہ سے بالاتر ہو کر مسٹر بھٹو اور میاں عباس کا جرم ثابت کرنے میں ناکام رہا؛ لہٰذا میں ان کی اپیلوں کی منظوری دوں گا اور ان کی رہائی کا حکم دوں گا، لیکن جو وجوہات بیان کی گئی ہیں، ان کے پیشِ نظر میں دوسرے تین اپیل کنندگان کی اپیلوں کو مسترد کر دوں گا۔

فیصلے کے بعد

زندگی رواں دواں رہی

ملک بھر سے ہمارے نمائندوں کی رپورٹیں

۶ فروری کو دوپہر ۱۱ بجکر سات منٹ پر سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس انوار الحق نے ایک تاریخی فیصلے کا اعلان کرتے ہوئے سابق وزیرِاعظم ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے ساتھیوں کی اپیلیں مسترد کر دیں۔ اس روز صبح ہی سے پیپلز پارٹی کے "بڑے" یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے رہے کہ اگر سپریم کورٹ نے بھٹو کی سزائے موت کی توثیق کر دی، تو جیسے ملک میں کوئی بھونچال آجائے گا، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ لوگوں نے یہ فیصلہ اس قدر اطمینان اور سکون سے سُنا جیسے وہ ان کی توقعات کے عین مطابق ہو۔ سارے ملک میں زندگی معمول کے مطابق رہی اور کہیں سے کسی غیر معمولی واقعے کی اطلاع نہیں ملی، بلکہ کئی شہروں میں تو لوگوں نے سپریم کورٹ کا فیصلہ سُن کر مٹھائیاں تقسیم کیں۔ خود ملکی صدر مقام راولپنڈی اور اسلام آباد میں جہاں یہ فیصلہ سنایا گیا، ایک معمولی ہلڑ بازی کے سوا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ صرف شاہراہ پہلوی، صرافہ بازار اور بنک روڈ صدر میں کچھ لوگوں نے ہنگامہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے حکومت کے خلاف نعرے لگائے اور ارد گرد کی دوکانوں اور پاس سے گزرنے والی بسوں پر پتھر پھینکے؛ تاہم پولیس کی آمد پر یہ لوگ فرار ہو گئے۔ دو افراد کو پولیس نے حراست میں لے لیا۔

صدر بازار سے کچھ لوگوں نے ایک جلوس نکالا جو ایک گھنٹے تک بھٹو کے حق میں نعرے لگاتا ہوا مختلف سڑکوں پر رواں رہا اور پھر پُرامن طور پر منتشر ہو گیا۔ اس کے علاوہ پورے شہر میں صورتِ حال معمول پر رہی

صوبہ سرحد کے صدر مقام پشاور سے آمدہ اطلاعات کے مطابق وہاں کاروبارِ زیست معمول کے مطابق جاری رہا۔ صرف گورنمنٹ کالج کے کچھ طلبہ نے کالج کے قریب ہی تھوڑی دیر کے لئے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اس دوران میں انہوں نے نعرے بازی کی اور ایک بس پر پتھراؤ کیا۔ بعد میں وہ خود ہی منتشر ہو گئے۔ اس کے علاوہ کریم پورہ میں کچھ لوگوں نے ہنگامے کا آغاز کیا ہی تھا کہ وہاں کے دوکانداروں سے ان کی جھڑپ ہو گئی۔ کریم پورہ اور مینا بازار کے دوکانداروں نے تھوڑی دیر کے لئے دوکانیں بند کر دیں؛ تاہم بعد میں شام ڈھلے تک کاروبار جاری رہا۔

پنجاب کا دارالحکومت لاہور جو پیپلز پارٹی کے کئی بڑے بڑے رہنماؤں کی آماجگاہ ہے، کاملاً پُرسکون رہا اور باوجود اس کے کہ لوگوں کو اس فیصلے کا بڑی بے تابی سے انتظار تھا، انہوں نے کسی ناخوشگوار ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا۔ جونہی راولپنڈی میں فیصلے کا اعلان ہوا، اس کے تھوڑی دیر بعد تقریباً مقامی اخبارات بشمول "مساوات" کے ضمیمے چھپ کر بازار میں آ گئے۔ لوگوں نے یہ ضمیمے ہاتھوں ہاتھ لئے اور پھر ٹولیوں کی شکل میں جمع ہو کر اس پر تبصرے کرنے لگے یہ سلسلہ شام تک جاری رہا۔

گجرات سے ہمارے نمائندے قمر عباس رانا کے مطابق گجرات، لالہ موسیٰ، کھاریاں، منڈی بہاؤالدین، جلالپور جٹاں، جہلم اور دینہ میں بھی یہ فیصلہ کسی فوری ردِّعمل کا باعث نہ بنا۔

مندرجہ بالا تمام شہروں میں پیپلز پارٹی کے حامی جھنجھلاہٹ کا شکار رہے اور کوئی فساد برپا نہ کر سکے، جب کہ عام لوگوں کو سپریم کورٹ کے فیصلے کا اس قدر یقین تھا کہ انہوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ شرطیں لائیں اور جب فیصلے کا اعلان ہوا، تو ہارنے والوں نے یہ کہہ کر شرطوں کی ادائیگی سے جان بچائی کہ یہ تو قانون فطرت ہے، "خون کا بدلہ خون"۔ دفاتر اور سکولوں میں حاضریاں معمول کے مطابق رہیں اور شاپنگ سنٹر حسبِ سابق کھلے رہے، جن کی سیل روزانہ کے مطابق رہی۔

ملتان سے ہمارے نمائندہ خصوصی طاہر حسین اطہر کی اطلاع کے مطابق شہر میں مکمل امن و امان رہا، تاہم احتیاطی تدابیر کے طور پر پولیس نے چند افراد کو زیرِ حراست لے لیا۔ چوک بازار حسین آگاہی اور صدر چھاؤنی میں بھٹو کی سزائے موت برقرار رہنے کی خوشی میں مٹھائیاں تقسیم کی گئیں اور لوگوں نے یوں سکون کا سانس لیا جیسے ان کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ پورے شہر کے کسی حِصّے سے کسی نوعیت کے ہنگامے کی خبر موصول نہیں ہوئی۔

صوبہ سندھ کے صدر مقام کراچی میں بھی زندگی کی سرگرمیاں عروج پر رہیں۔ لوگوں نے اس خبر پر اس قدر خوشی کا اظہار کیا کہ وہ مٹھائی کی دوکانوں پر ٹوٹ پڑے اور صرف چار گھنٹوں کے دوران شہر کی تمام بڑی بڑی مٹھائی کی دوکانیں خالی ہو گئیں، باوجود اس کے مٹھائی کی مانگ کم نہ ہوئی، تو دکانداروں کو مزید مٹھائی ہنگامی طور پر تیار کرنا پڑی۔

شہر کے مختلف مقامات پر لوگوں نے نمازِ شکرانہ ادا کی اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی، یہاں تک کہ لیاری کا علاقہ جسے پیپلز پارٹی کا گڑھ سمجھا جاتا ہے، بھی پُرسکون رہا، بلکہ شہر کے کسی حِصّے میں بھی کسی دنگا فساد کا مظاہرہ نہیں ہوا اور لوگوں میں اس فیصلے کے اعلان سے پہلے جو اضطراب پایا جاتا تھا، اس نے ایک سکون کی شکل اختیار کر لی۔ شہر میں ٹریفک معمول کے مطابق چلتی رہی اور شہر کے بڑے بڑے کاروباری مراکز میں حسبِ معمول رش کا عالم رہا۔

کراچی کے بعد صوبہ سندھ کے سب سے بڑے شہر حیدرآباد میں بھی امن و امان کی صورت حال معمول کے مطابق رہی اور شہر کے کسی حصے میں کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں ہوا۔

سابق وزیرِ اعظم اور محمد احمد خان کے قتل کے مجرم ذوالفقار علی بھٹو کا آبائی شہر لاڑکانہ بھی اس موقعے پر انتہائی پرسکون رہا۔ شہر کے تمام کاروباری اور تجارتی اداروں میں حسبِ معمول کام جاری رہا اور لوگ اپنی دن بھر کی مصروفیات میں مگن رہے۔

میرپور خاص سے آمدہ اطلاعات کے مطابق بھٹو کے فیصلے کا اعلان ہوتے ہی پورے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور لوگ ایک دوسرے کے گلے لگ کر مبارکباد دینے لگے۔ غالباً اسی لئے حکومت کی طرف سے احتیاطی تدابیر کا یہ عالم تھا کہ شہر میں عام حالات میں گشت کرنے والی پولیس بھی ہٹالی گئی اور اس کے باوجود کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں ہوا۔

قصور سے ہمارے نمائندے محمد شریف نے اطلاع دی ہے کہ ضلع قصور، ساہی وال، چونیاں، اوکاڑہ، پتوکی، بھائی پھیرو اور کنگن پور کی فضا اس اعلان کے بعد حسبِ معمول نارمل رہی اور کہیں کوئی مظاہرہ یا احتجاج نہیں ہوا۔

بلوچستان کے صدر مقام کوئٹہ سے ہمارے نمائندہ خصوصی مسلم قریشی نے اسی روز بذریعہ ٹیلیگرام "زندگی" کو مطلع کیا کہ مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کی اپیل کے سپریم کورٹ سے مسترد کئے جانے کی خبر کوئٹہ میں انتہائی سکون سے سُنی گئی اور اس پر کسی ردِّعمل کا اظہار نہیں کیا گیا۔ تعلیمی ادارے اور دفاتر معمول کے مطابق کام کرتے رہے، جب کہ صوبے کے دوسرے حصے سے بھی کسی ناخوشگوار واقعے کی اطلاع نہیں ملی۔

بلوچستان کے عوام کی اکثریت کا خیال ہے کہ سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو کی سزائے موت بحال رکھ کے عدل و انصاف کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے اور عدلِ اسلامی کی شاندار روایت کو برقرار رکھا ہے۔

پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کا خیال تھا کہ اگر پھانسی کا پھندہ "قائدِ عوام" کے اور قریب کر دیا گیا، تو ملک ایک دم شعلوں کی لپیٹ میں آجائے گا۔ پاکستان کے استحکام کو بے شمار خطرات لاحق ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ، لیکن یہ ان کی بھول تھی۔

عوام میں اگر کچھ بے چینی اور اضطراب کی کیفیت پائی گئی، تو وہ حکومت کے حفاظتی اقدامات اور احتیاطی تدابیر کی وجہ سے تھی۔ گورنمنٹ نے ملک کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں پولیس اور رینجرز کی خصوصی پارٹیاں بھیجی تھیں جو اس روز سارا دن سڑکوں پر گشت کرتی رہیں۔ اس کے علاوہ ایک دو روز پہلے پیپلز پارٹی کے تمام شرپسند عناصر کو نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اس ڈر سے پارٹی کے کئی کارکن اور عہدیدار روپوش ہو گئے اور کئی ایک نے متعلقہ انتظامیہ کو یقین دہانی کرا دی کہ وہ کسی مذموم کارروائی میں شرکت کا ارادہ نہیں رکھتے، جب کہ آج فیصلے کے اعلان کے بعد یہ احتیاطی تدابیر بھی بالکل غیر ضروری محسوس ہوئیں۔ لوگ خواہ مخواہ اس شک میں مبتلا ہو گئے کہ شاید وسیع پیمانے پر ہنگاموں کا پروگرام ہے جنہیں روکنے کے لئے یہ اقدامات کئے جا رہے ہیں، لیکن

دیکھنے ہم بھی گئے پر تماشا نہ ہوا

سید سبط احمد

وزیرِ اعظم سے مجرمِ اعظم تک

سپریم کورٹ نے توثیق کردی

لاہور ہائی کورٹ نے پانچ ججوں پر مشتمل فل بنچ نے ۱۸ مارچ ۱۹۷۸ء کو نواب محمد احمد خان کے مشہور مقدمہ قتل کی طویل سماعت کے بعد پاکستان کے سابق وزیرِ اعظم اور پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے چار شریکِ جرم ساتھیوں کالعدم فیڈرل سکیورٹی فورس کے میاں محمد عباس، صوفی غلام مصطفےٰ، رانا افتخار اور ارشد اقبال کو مختلف میعاد کی سزاؤں کے ساتھ ساتھ موت کی سزا بھی سنائی تھی۔ سابق وزیرِ اعظم نے اس مقدمے کی سماعت کے دوران میں ہی انتہائی معاندانہ رویہ اختیار کیا اور دیدہ دانستہ عدلیہ کی توہین کے مرتکب ہوتے رہے انہوں نے کئی بار فاضل ججوں پر جانبداری اور تعصب کے مختلف الزامات بھی لگائے۔ اس فیصلے کے اعلان کے بعد عدلیہ کے خلاف ان کے جارحانہ رویتے نے مزید شدت اختیار کرلی۔ ابتدا میں یہ تاثر دیا گیا کہ مسٹر بھٹو سزائے موت کے اس فیصلے کے خلاف عدالتِ عظمیٰ میں اپیل نہیں کریں گے۔ پھر اچانک معلوم ہوا کہ انہوں نے ۲۵ مارچ ۱۹۷۸ء کو سپریم کورٹ میں اپیل دائر کردی ہے۔

سپریم کورٹ کے پانچ ججوں چیف جسٹس مسٹر جسٹس شیخ انوار الحق، جسٹس داراب پٹیل، جسٹس قیصر خان، جسٹس محمد حلیم اور جسٹس صفدر شاہ نے اس اپیل کی سماعت یکم اپریل ۷۸ء کو شروع کی۔ فیصلہ کیا گیا کہ اس اپیل کی باقاعدہ سماعت ۲ مئی سے شروع کی جائے۔ عدالت نے استغاثہ کو حکم دیا کہ وہ مقدمے کے تمام ریکارڈ کی نقول ۱۴ اپریل تک وکلائے صفائی کو فراہم کردے۔

عدالت نے یہ بھی ہدایت کی کہ ۵ مئی تک پانچوں ملزموں کو راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل منتقل کردیا جائے تاکہ ان کے وکیل حسبِ ضرورت اپنے موکلوں سے مشورہ کرسکیں۔ مسٹر بھٹو کی طرف سے ان کے سینئر وکیل اور ان کے دور کے سابق اٹارنی جنرل مسٹر یحییٰ بختیار پیش ہوئے جبکہ ان کی معاونت کیلئے پنجاب کے سابق ایڈووکیٹ جنرل دوست محمد اعوان، غلام علی میمن، مس طلعت یعقوب اور شریف نور احمد نوری پیش ہوئے۔ استغاثہ کے وکیل مسٹر اعجاز حسین بٹالوی تھے۔ ایڈووکیٹ آن ریکارڈ مسٹر ایم اے رحمٰن نے اس مقدمے کی سماعت کے دوران ان کی مدد

قاتل

اور

مقتول

وہ چوک
جہاں
فائرنگ
ہوئی

کی۔ میاں محمد عباس کے وکیل کے طور پر مسٹر قربان صادق اکرام پیش ہوئے، جبکہ باقی تین ملزموں صوفی غلام مصطفےٰ، ارشد اقبال اور رانا افتخار کی وکالت کے فرائض مسٹر ارشاد احمد قریشی نے انجام دیے۔

سپریم کورٹ کا فل بنچ چیف جسٹس مسٹر جسٹس شیخ انوار الحق، جسٹس محمد اکرام، جسٹس داراب پٹیل، جسٹس قیصر خان، جسٹس صفدر شاہ، جسٹس محمد حلیم، جسٹس وحید الدین احمد، جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ اور جسٹس کرم الٰہی چوہان پر مشتمل تھا۔ جسٹس قیصر خان ۳۰ر جولائی ۱۹۷۸ء کو ریٹائر ہو گئے، جبکہ جسٹس وحید الدین احمد ۲۱ر نومبر ۷۸ء کے بعد اپنی تشویشناک علالت کی وجہ سے سماعت میں حصہ نہ لے سکے۔

اعتراضات

سپریم کورٹ کے ابتدائی فیصلے کے مطابق پانچوں اپیلوں کی سماعت ۶ر مئی سے شروع ہونا تھی، مگر مسٹر بھٹو کے سینئر وکیل مسٹر یحییٰ بختیار کی درخواست پر انہیں مقدمے کی تیاری کے لیے مزید دو ہفتے کا وقت دیا گیا۔ اس طرح باقاعدہ سماعت ۲۰ر مئی کو شروع ہوئی۔ سماعت کے پہلے ہی دن معلوم ہوا کہ مسٹر بھٹو نے ایک بار پھر عدلیہ کی کردار کشی شروع کر دی ہے۔ ۷ر مئی کو ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی سے چیف جسٹس کے نام اپنی درخواست میں انہوں نے چیف جسٹس پر مختلف اعتراضات کرتے ہوئے ان پر عدم اعتماد کا اظہار کیا اور ان کی طرف سے ترتیب دیے جانے والے فل بنچ پر بھی اعتراضات کیے۔

چیف جسٹس شیخ انوار الحق نے ان تمام اعتراضات کو رد کرتے ہوئے بتایا کہ میں اپیل کنندہ کے خلاف کوئی بغض اور تعصب نہیں رکھتا۔ یہ تمام اعتراضات بے بنیاد اور غلط سوچ پر مبنی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی عدلیہ نے ہمیشہ قانون اور ضمیر کے مطابق اپنا کردار ادا کیا ہے۔ اس مقدمے میں بھی کسی خوف، لالچ، تعصب اور جانبداری کے بغیر انصاف کے تقاضے بطریقِ احسن پورے کیے جائیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ کہنا حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے کے مترادف ہے کہ چھٹی ترمیم ختم کر کے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے میرے ساتھ کوئی جانبداری برتی ہے۔ میاں محمد عباس کے وکیل نے سپریم کورٹ کے تمام ججوں اور خصوصاً چیف جسٹس پر بھرپور اعتماد کا اظہار کیا۔

۲۰ر مئی کو ہی مسٹر بھٹو کے سینئر وکیل یحییٰ بختیار نے اپیل کے جواز پر دلائل پیش کرنا شروع کیے۔ انہوں نے کہا کہ میرے موکل کے خلاف جھوٹا اور من گھڑت مقدمہ بنایا گیا ہے اور استغاثہ اپنے الزامات ثابت کرنے میں بُری طرح ناکام ہو گیا ہے۔ ۲۱ر مئی کو انہوں نے استغاثہ کے گواہ اور سابق وزیر اعظم بھٹو کے چیف سیکورٹی آفیسر مسٹر سعید احمد خان کو ناقابلِ اعتماد گواہ قرار دیا۔ اسی دن ارشد اقبال، رانا افتخار احمد اور صوفی غلام مصطفےٰ کے وکیل نے عدالت سے شکایت کی کہ ملزموں کے ساتھ جیل کی کوٹھڑی میں بہتر سلوک نہیں کیا جا رہا، ان کی حالت ابتر ہے۔ اس پر فاضل عدالت نے ہدایت کی کہ جیل میں بھٹو اور دوسرے ملزموں کی شکایات دور کی جائیں۔ دونوں فریقوں کے وکیل مل کر آپس میں شکایات کے ازالے کا بندوبست کریں۔ اسی دن عدالت میں حقوق انسانی کی بین الاقوامی فیڈریشن کے فرانسیسی وکیل جاؤڈل اور قانون دانوں کے بین الاقوامی کمیشن کے مسٹر جے ملوا مل لیبز بھی سماعت سننے عدالت میں موجود تھے۔

۲۲ر مئی کو یحییٰ بختیار نے لاہور ہائی کورٹ میں سماعت کے دوران میں ان گنت قانونی بے قاعدگیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان بے قاعدگیوں کی بنا پر میرے موکل کو بری کر دیا جائے۔ چیف جسٹس شیخ انوار الحق نے کہا عدالت مقدمے کے حقائق کو مدِ نظر رکھ کر فیصلہ کرے گی اور اس سلسلے میں کوئی بیرونی اثر قبول نہیں کیا جائے گا۔

انہوں نے ۲۳ر مئی کو بھی دلائل جاری رکھے۔ انہوں نے کہا کہ اس مقدمے کی ابتدائی رپورٹ (ایف آئی آر) میں بھٹو کو براہِ راست مورد الزام نہیں ٹھہرایا گیا۔ اسی دن سپریم کورٹ نے لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس شفیع الرحمٰن ٹربیونل کا ریکارڈ طلب کر لیا اور ہدایت کی کہ اس ریکارڈ کا جائزہ فریقین کے ایک ایک وکیل کی موجودگی میں سپریم کورٹ کے جسٹس محمد حلیم اپنے چیمبر میں لیں گے۔

۲۴ر مئی کو اپنے دلائل میں وکیلِ صفائی نے بتایا کہ احمد رضا قصوری جیسے شخص کی گواہی معتبر نہیں ہو سکتی۔ اس دن عدالت نے اس مقدمے کی تحقیقات کی پولیس فائل اور ابتدائی رپورٹ عدالت میں پیش کرنے کی ہدایت کی۔ جمعرات اور جمعہ کو چونکہ سپریم کورٹ مقدموں کی سماعت نہیں کرتی، اس لیے اپیلوں کی سماعت ۲۷ر مئی کو ہوئی۔ مسٹر بھٹو کے سینئر وکیل نے دلائل دیتے ہوئے ایک بار پھر احمد رضا قصوری اور مسعود محمود کو ناقابلِ اعتبار گواہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ مسعود محمود نے حراست کے دوران میں ایک سو صفحات پر مشتمل جو خط چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو لکھا تھا۔ استغاثہ نے وکیلِ صفائی کو اس کی نقل مہیا نہیں کی۔ اگلے روز عدالت کی ہدایت پر استغاثہ نے اس خط کی نقل عدالت میں پیش کر دی۔ اسی دن عدالت نے فیصلہ کیا کہ سابق قومی اسمبلی میں احمد رضا قصوری کی آخری تقریر کی نقل بھی حاصل کی جائے گی۔

۲۹ر مئی کو عدالت نے لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے میاں افتخار تاری وغیرہ کے اغوا کے مقدمے میں مسعود محمود کے خلاف توہینِ عدالت کی دو فائلیں طلب کر لیں۔ اس الزام میں انہیں چھ ماہ قید کی سزا سنائی گئی تھی۔ یحییٰ بختیار نے اس دن عدالت کو بتایا کہ مسعود محمود

احمد رضا قصوری
کی کار
جس پر
فائرنگ
کی گئی
اور
نواب محمد احمد خاں
ہلاک
ہو گئے

وعدہ معاف گواہ بننے کے اہل نہیں تھے۔ اگلے دن وکیلِ صفائی نے مسعود محمود کی شہادت کا تجزیہ مکمل کر لیا اور ایک اور گواہ سعید احمد خان کے بیان کی خواندگی شروع کی۔ انہوں نے ایک بار پھر سعید احمد خان کی بیان کردہ کہانی کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا۔ یہ خواندگی ۳۱ مئی کو بھی جاری رہی۔ انہوں نے کہا کہ سعید احمد خان کے بیان میں جگہ جگہ تضاد پایا جاتا ہے، اس لیے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

یحییٰ بختیار ۳۱ مئی کو جب سعید احمد خان کے بیان کی خواندگی کر رہے تھے، تو عدالت نے انہیں خواندگی کے دوران میں تبصرہ اور دلائل دینے سے اجتناب برتنے کو کہا اور ہدایت کی کہ وہ دلائل، خواندگی مکمل ہونے کے بعد دیں، تو بہتر ہے، اسی دن سپیشل پبلک پراسیکیوٹر مسٹر اعجاز حسین بٹالوی نے عدالت کو بتایا کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جب مارشل لا نافذ ہوا۔ اس مقدمے کا اپیل کنندہ پرائم منسٹر ہاؤس سے سارے اہم کاغذات اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ بعد میں ان میں سے کچھ دستاویزات اس نے مقدمے کی سماعت کے دوران میں لاہور ہائی کورٹ میں بھی پیش کی ہیں۔ اسی دن چیف جسٹس نے بیگم بھٹو کو ہدایت جاری کی کہ وہ اس مقدمے سے متعلق فائلیں اپنے وکیل کے حوالے کر دیں۔ یہ حکم انہوں نے یحییٰ بختیار کی اس درخواست پر دیا جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ بیگم بھٹو کو چونکہ مارشل لا کے حکم کے مطابق نظر بند کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ اس مقدمے کے ریکارڈ کا جائزہ نہیں لے سکتے۔

۳ جون کو یحییٰ بختیار نے سعید احمد خان کے بیان کی خواندگی مکمل کر لی۔ اس دوران میں عدالت نے وکیلِ سرکار کو ہدایت کی کہ وہ سعید احمد خان کے وہ خط اور بیان کی نقلیں عدالت میں پیش کریں جو انہوں نے مارشل لا ٹیم کو دیا تھا۔ دونوں خط انہوں نے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو لکھے تھے۔ ۴ جون کو انہوں نے کالعدم فیڈرل سیکورٹی فورس کوئٹہ کے ڈپٹی ڈائریکٹر ایم آر ویلش، مسعود محمود کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر احمد نواز قریشی اور یونائیٹڈ کرسچین ہسپتال کے ڈاکٹر آصف چودھری کی شہادتوں کی خواندگی مکمل کر لی۔ وکیلِ صفائی نے کہا کہ ایم آر ویلش کے بیان میں بھی دوسرے گواہوں کی طرح بہت سی باتیں بعد میں شامل کی گئی ہیں اور اس کے اور مسعود محمود کے بیان میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اس دن انہوں نے سارا زور ایم آر ویلش کو جھوٹا ثابت کرنے پر صرف کیا۔

۵ جون کو وکیلِ صفائی نے کہا کہ میرا کیس یہ ہے کہ احمد رضا قصوری اس دن اپنے والد نواب محمد احمد خان کے ساتھ کار میں سفر نہیں کر رہے تھے جس دن یہ واقعہ ہوا۔ انہوں نے جائے حادثہ کے نقشے پر بھی بحث کی اور استغاثہ کے اس موقف کو غلط قرار دیا کہ احمد رضا قصوری کی کار پر دو مقامات سے فائرنگ کی گئی۔ چیف جسٹس شیخ انوار الحق نے یحییٰ بختیار کی شکایت پر استغاثہ کو ہدایت کی کہ وہ راولپنڈی جیل حکام سے مل کر ان شکایات کو دور کریں جن کا اظہارِ وکیلِ صفائی نے کیا ہے۔

درخواست میں کہا گیا تھا کہ عدالت کی ہدایت پر ہم نے مل بیٹھ کر مسٹر بھٹو کے لیے کچھ سہولتیں حاصل کی تھیں، مگر اب دوسرے طریقوں سے میرے مؤکل کو پریشان کیا جا رہا ہے۔ عدالت نے استغاثہ کو ہدایت کی ان شکایات کا فوراً ازالہ کیا جائے اور اگر کوئی بات جیل حکام کے اختیار میں نہ ہو تو مجھے بتائیں تاکہ اس کا تدارک کیا جا سکے۔

نواب محمد احمد خاں اپنی اہلیہ بہو، پوتی اور تین بیٹوں کے ساتھ۔ دائیں طرف احمد رضا ہیں

ماحول کو خوشگوار رکھیں

۶ جون کو چیف جسٹس نے واضح کیا کہ عدالت اپیل کی سماعت کے دوران ماحول کو ہر حالت میں خوشگوار رکھنا چاہتی ہے۔ اس موقع پر کسی قسم کی بدمزگی یا فریقین کے درمیان کشیدگی پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ انہوں نے یحییٰ بختیار اور بھٹو کے اہلِ خانہ سے کہا کہ وہ بھی پابندیوں کا خیال رکھیں اور ماحول کو خوشگوار بنانے میں عدالت سے تعاون کریں۔ انہوں نے مسٹر بھٹو کی بعض شکایات، بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو کا جیل حکام کے ساتھ رویہ اور سپرنٹنڈنٹ جیل کی وضاحت اور دوسرے معاملات کا جائزہ لینے کے لیے ایڈووکیٹ آن ریکارڈ کو ہدایت کی کہ وہ سپریم کورٹ کے رجسٹرار جو سینیئر ترین سیشن جج ہیں اور دونوں فریقوں کے وکیل، صوبائی ہوم سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات کے ساتھ مل کر ان شکایات کا ازالہ کریں۔ اگلے دن یہ معاملات نہایت خوش اسلوبی سے طے کر لیے گئے اور اپیل کنندہ کو قانون کی حدود میں ہر ممکن سہولت پہنچانے کے انتظامات کر لیے گئے۔

اس دن وکیل صفائی نے استغاثہ کے بعض گواہوں کی شہادتوں کی خواندگی مکمل کر لی۔ اس دوران انہوں نے شہادتوں میں تضاد کا بار بار ذکر کیا۔

۱۰ جون کو بھٹو کو سہولتیں بہم پہنچانے کے سلسلے میں طے پانے والا معاہدہ عدالت میں پیش کیا گیا۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ یہی سہولتیں سزا پانے والے دوسرے چار ملزموں کو بھی مہیا کی جائیں گی یحییٰ بختیار نے استغاثہ کے پانچ مزید گواہوں کے بیانوں کی خواندگی مکمل کر لی۔ اس دوران وہ ان بیانوں میں تضادات ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اسی دن چیف جسٹس شیخ انوار الحق نے بتایا کہ وہ جکارتہ میں ایشیا کے چیف جسٹسوں کی ہونے والی کانفرنس میں شرکت کرنے جا رہے ہیں۔ اس لیے سپریم کورٹ کی کارروائی دو ہفتے نہ ہو سکے گی۔ ۱۱ جون کو یحییٰ بختیار نے دوسرے وعدہ معاف گواہ غلام حسین کی شہادت کی خواندگی شروع کی۔ اگلے روز انہوں نے پھر اسی شہادت کو پڑھنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ غلام حسین نے معافی ملنے کے بعد اپنے بیان میں تبدیلی کی تھی۔ اس شہادت کی روشنی میں انہوں نے انکشاف کیا کہ مسٹر بھٹو کو مقدمہ قتل میں پھنسانے کے لیے ایک سو پچیس افراد نے سازش کی تھی۔ ۱۳ جون کو انہوں نے غلام حسین کے علاوہ دوسرے دو گواہوں انسپکٹریٹ آف آرمامنٹس جی ایچ کیو کے ڈپٹی چیف لیفٹیننٹ کرنل افدار حسین اور ایمونیشن انسپکٹر میجر سرفراز نعیم کے بیان بھی پڑھے۔ غلام حسین کا بیان پڑھتے ہوئے انہوں نے کہا یہ وہ گواہ ہے جس پر استغاثہ کی کہانی کا دارومدار ہے مگر اس کی شہادت جھوٹ کا پلندہ ہے اور اس پر کسی بھی طرح اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۴ جون کو وکیل صفائی استغاثہ کے ۳۵ گواہوں کی شہادتوں کی خواندگی مکمل کر چکے تھے۔ اسی دن دو ہفتوں کے لیے مقدمہ کی سماعت ملتوی ہو گئی۔

یکم جولائی کو دو ہفتوں کے بعد جب مقدمے کی سماعت دوبارہ شروع ہوئی، تو وکیل صفائی نے مزید پانچ گواہوں کی شہادتوں کی خواندگی مکمل کی۔ ان چالیس گواہوں کی شہادتیں پڑھتے ہوئے ان میں جگہ جگہ تضادات کی نشاندہی کی اور کہا کہ ان تضادات سے ثابت ہوتا ہے کہ استغاثہ کی ساری کہانی جھوٹی ہے۔ ۲ جولائی تک یحییٰ بختیار تمام گواہوں کے بیانات کی خواندگی مکمل کر چکے تھے۔ اسی دن انہوں نے مقدمے کے بڑے ملزم بھٹو کا بیان پڑھنا شروع کیا۔

لاہور ہائی کورٹ کے بند کمرے میں قلم بند کرائے گئے بیان کے بارے میں سپیشل پبلک پراسیکیوٹر مسٹر اعجاز حسین بٹالوی نے بتایا کہ بیان کے اس حصے میں مسٹر بھٹو نے عدالت عالیہ کو سکینڈلائز کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس دوران میں انہوں نے مملکتِ پاکستان کے خلاف بھی باتیں کی تھیں۔ ۳ جولائی کو سپریم کورٹ کے فل بنچ نے یحییٰ بختیار کو مسٹر بھٹو کا وہ بیان پڑھنے کی اجازت دے دی جسے لاہور ہائی کورٹ نے بند کمرے میں قلم بند کیا تھا۔ عدالت نے بیان کے اس حصے کو اخبارات میں شائع کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ اس بیان میں اپیل کنندہ نے کہا تھا کہ ان کے خلاف قتل کا یہ مقدمہ ایک بین الاقوامی سازش کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے امریکہ کے سابق وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کسنجر کے دورۂ پاکستان اور اس دھمکی کا بھی ذکر کیا جو بقول بھٹو انہوں نے ایٹمی ری

پراسنگ پلانٹ سے متعلق پاکستان کا مؤقف تبدیل نہ کرنے کی صورت میں دی تھی۔ بھٹو نے اس بیان میں عدالت عالیہ پر تعصب برتنے کا الزام بھی لگایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس عدالت سے انہیں انصاف کی توقع نہیں ہے۔

یحییٰ بختیار نے ۴ جولائی کو دو اپیل کنندگان میاں محمد عباس اور صوفی غلام مصطفےٰ کی شہادتوں کی خواندگی بھی مکمل کر لی۔ اس سے پہلے وہ مسٹر بھٹو کا بیان بھی پڑھ چکے تھے۔ ۵ جولائی کو میاں محمد عباس اور صوفی غلام مصطفےٰ کیساتھ ارشد اقبال اور رانا افتخار کے بیانوں کی خواندگی بھی مکمل کر لی گئی۔ ان بیانوں میں بھی انہوں نے تضاد ڈھونڈ نکالے۔ انہوں نے مسعود محمود کے بارے میں بتایا کہ اسے سیاسی معاملات میں ٹانگ اڑانے کی عادت تھی۔ وہ ان مقاصد پر توجہ نہیں دیتے تھے، جن کے لئے فیڈرل سیکورٹی فورس قائم کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے مسعود محمود کی غیر قانونی سرگرمیوں کی مثالیں بھی دیں ——— ۸ جولائی کو وکیل صفائی نے مقدمے کے حقائق پر دلائل دینے شروع کئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر لاہور ہائی کورٹ کا میرے مؤکل کے بارے میں متعصب ہونے کا فیصلہ ہو جائے، تو مقدمہ ختم ہو سکتا ہے اور ان کا مؤکل بری ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ ثابت کروں گا کہ میرے مؤکل کے خلاف سرے سے کوئی مقدمہ ہے ہی نہیں اور یہ مقدمہ ابتدا ہی سے جھوٹا اور من گھڑت ہے۔ ۹ جولائی کو یحییٰ بختیار نے تین درخواستیں عدالت میں پیش کیں، جن میں انہوں نے چودہ گواہوں کو طلب کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ ان گواہوں میں سابق حکومت کی بعض اہم شخصیتیں اور ایک فلمی اداکار بھی شامل ہے۔ اس دن ایڈووکیٹ آن ریکارڈ مسٹر ایم اے رحمٰن نے عدالت کو بتایا کہ اپریل ۱۹۷۷ء میں ہی پرائم منسٹر ہاؤس سے اہم اور ضروری فائلیں اور دستاویزات غائب کر دی گئی تھیں، جب مارشل لاء نافذ ہوا، تو دو افراد نے انتہائی پراسرار طور پر ان فائلوں کے انچارج مسٹر اعظم قریشی کو اغوا کر کے کابل پہنچا دیا تھا، جہاں انہوں نے ان افراد سے جان کا خطرہ محسوس کر کے پاکستانی سفارت خانے میں پناہ لے لی تھی اور سارے واقعات سے پاکستانی سفیر کو آگاہ کر دیا تھا۔

۱۰ جولائی کو ایک اپیل کنندہ غلام عباس نے اپنے وکیل کے ذریعے سپریم کورٹ میں ایک اقبالی بیان داخل کیا، جس پر ان کے علاوہ ان کے وکیل میاں قربان صادق اکرام اور جیل سپرنٹنڈنٹ کے بھی دستخط تھے۔ اس بیان میں میاں غلام عباس نے احمد رضا قصوری کے قتل کی سازش میں اپنے کردار کو تسلیم کیا تھا۔ انہوں نے کہا مگر میں آزاد نہیں تھا مجھے مسعود محمود نے آلۂ کار بنایا تھا۔ ایک ضعیف مریض کی حیثیت سے مجھے کسی بھی وقت موت آ سکتی ہے، اس لئے میں اپنے ضمیر کے ہاتھوں یہ اقبال جرم کرنے پر مجبور ہوا ہوں۔ عدالت نے اس بیان کو ریکارڈ میں شامل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ جسٹس شفیع الرحمان ٹربیونل رپورٹ بھی ریکارڈ میں شامل کر لی گئی۔ ۱۱ جولائی کو وکیل صفائی نے سازش کے بارے میں اپنا مؤقف پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ مسعود محمود نے اگرچہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے اس سازش کو عملی جامہ پہنایا، لیکن ان کے اپنے بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سازش ان سے پہلے سے موجود تھی اور انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس سازش میں کون کون لوگ شامل ہیں اور گولہ بارود کہاں سے لیا گیا تھا۔ اس طرح اس کی ساری کہانی جھوٹی ہے۔ ۱۲ جولائی کو بھی انہوں نے

ایک بیوہ

سازش پر دلائل دیئے کہ سازش کرنے والوں کے درمیان آزادانہ ذہنی مفاہمت ضروری ہے، جب کہ بھٹو اور مسعود محمود کے درمیان ایسی کسی مفاہمت کا سراغ نہیں ملتا۔

وکیل صفائی نے ۱۶ جولائی کو قانونِ شہادت کے بارے میں مزید حوالے پیش کئے۔ انہوں نے کہا کہ سازش کی شہادت کے بغیر مسعود محمود کی گواہی بے اثر ہے۔ ہائی کورٹ نے تمام تر انحصار وعدہ معاف گواہ کی شہادت پر کیا ہے، حالانکہ سازش کے معاملے میں اس کی شہادت قبول کرتے وقت دفعہ ۱۰ کی شرائط پوری نہیں ہوئیں۔ ۱۷ جولائی کو انہوں نے کہا کہ مسعود محمود کو وعدہ معاف گواہ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ کہ اس نے انتہائی دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔ ۱۸ جولائی کو بھی انہوں نے

دوسری .....

مسعود محمود کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ وکیل صفائی ۱۹ جولائی کو فیڈرل سیکورٹی فورس کے سابق سربراہ کے بیان میں بہت سے تضادات سامنے لائے۔ انہوں نے کہا کہ مسعود محمود کا ڈی اے بل کوئٹہ میں اس کی مسٹر بھٹو سے ملاقات کی نفی کرتا ہے۔ اقبالی بیان میں وقوع کے روز وزیر اعظم بھٹو کی طرف سے طلبی کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ یحییٰ بختیار نے ۲۳ جولائی کو مسعود محمود کی ان فروگزاشتوں کا ایک چارٹ عدالت میں پیش کیا جو وعدہ معاف گواہ کے مختلف بیانوں سے متعلق تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہائی کورٹ نے ان غلطیوں اور فروگزاشتوں کو محض تفصیل قرار دیا اور انہیں تضاد یا تردید کے طور پر ان پر توجہ نہیں دی۔ ۲۴ جولائی کو وکیل صفائی نے مسٹر بھٹو کے سابق چیف سیکورٹی آفیسر سعید احمد خان کی شہادت کے مختلف پہلوؤں پر دلائل دیئے۔ انہوں نے کہا کہ سعید آزاد گواہ نہیں ہے، بلکہ وہ شریک الزام ہے۔ سعید احمد خان کے بیان کے بارے میں ان کے دلائل اگلے روز ختم ہوئے، تو انہوں نے ایک اور گواہ ایم۔ آر۔ ویلش کی شہادت کے بارے میں دلائل شروع کئے۔ انہوں نے کہا کہ ایم۔ آر۔ ویلش نے اپنی شہادت کے آغاز میں ہی جھوٹ بولا ہے، وہ مسلمان نہیں، کیتھولک عیسائی ہے، اس نے محض دوسری شادی کرنے کے لئے اسلام قبول کیا تھا کہ عیسائی مذہب میں دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے اس کی شہادت قابلِ قبول نہیں۔ ۲۶ جولائی کو مسٹر بھٹو کے سینئر وکیل نے کہا کہ وعدہ معاف گواہ غلام حسین جس کا دعویٰ ہے کہ اس نے واردات کے ارتکاب کی نگرانی کی تھی اور اُسے ترتیب دیا تھا۔ وقوعہ کے روز لاہور میں موجود نہیں تھا، بلکہ کراچی میں تھا۔ ۲۹ جولائی کو وکیل صفائی نے عدالت کو بتایا کہ اسلحے کے بارے میں استغاثہ کی پیش کردہ دستاویزات سے اس کے مؤقف کی تردید ہوتی ہے۔

۲۹ جولائی کو ہی لندن سے مسٹر بھٹو کے ساتھیوں غلام مصطفےٰ کھر اور جام صادق علی نے بھی حلفی بیان سپریم کورٹ بھیجے تھے۔ ۳۰ جولائی کو مسٹر یحییٰ بختیار نے بتایا کہ اقبالی بیان کے مطابق غلام حسین ارادۂ قتل کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ گواہوں، وعدہ معاف گواہوں اور اقبالِ جرم کرنے والوں کے بیانات میں تضادات پائے جاتے ہیں، جن سے استغاثہ کی کہانی ثابت نہیں ہوتی۔ ۳۰ جولائی کو سپریم کورٹ کے فل بنچ کے ایک رکن جسٹس قیصر خان ریٹائر ہو گئے۔ بھٹو کے سینئر وکیل یحییٰ بختیار نے چیف جسٹس سے استدعا کی کہ وہ جسٹس قیصر خان کو اس وقت تک کے لئے ایڈہاک جج مقرر کر دیں، جب تک میرے موکل کی اپیل کی سماعت مکمل نہیں ہو جاتی، مگر چیف جسٹس نے ان کی یہ استدعا قبول نہیں کی، انہوں نے بتایا کہ موصوف آئین کے مطابق ریٹائر ہو رہے ہیں۔ ان کی عمر ۶۵ برس ہو گئی ہے۔ اس لئے میں آپ کی درخواست قبول نہیں کر سکتا۔ اس دن یحییٰ بختیار نے عدالت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا اور یقین دلایا کہ عدالت کو ان کی طرف سے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ ۳۱ جولائی کو انہوں نے اپنے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ استغاثہ نے جائے واردات کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اس سے وعدہ معاف گواہ غلام حسین کی شہادت کی مکمل نفی ہوتی ہے۔ نقشے سے ظاہر ہے کہ گولیاں چار مختلف مقامات سے چلائی گئیں، جب کہ وعدہ معاف گواہ اس کے برعکس صورتحال بیان کر رہا ہے۔

طبی سہولتیں

یکم اگست کو وکیلِ صفائی نے قتل میں استعمال ہونے والی گولیوں کے خول تبدیل کرنے کے بارے میں چار مختلف تھیوریاں پیش کیں۔ اسی دن انہوں نے عدالت کی توجہ اپنے مؤکل کی صحت کی طرف مبذول کرائی اور کہا کہ بھٹو کی صحت کافی خراب ہوگئی ہے۔ اس لئے انہیں ڈاکٹر اقبال سے جو کوٹ لکھپت جیل میں بھی ان کا علاج کرتے رہے ہیں، علاج کرانے کی اجازت دی جائے۔ اس موقع پر ایڈووکیٹ آن ریکارڈ مسٹر ایم اے رحمٰن نے بتایا کہ کوٹ لکھپت جیل میں انہیں سیاسی قیدی کی حیثیت سے رکھا گیا تھا، لیکن اب وہ اخلاقی قیدی نہیں، بلکہ سزا یافتہ قیدی ہیں۔ چیف جسٹس نے حکم دیا کہ بھٹو کو لاہور جیسی طبی سہولتیں دی جائیں جو انہیں کوٹ لکھپت جیل میں میسر تھیں۔ ۲؍اگست کو عدالت نے مسٹر بھٹو کے ذاتی معالج کو جیل میں ان کا معائنہ کرنے کی اجازت دے دی، لیکن یہ بھی کہا کہ معائنے کے وقت سنٹرل ہسپتال کے ایک ماہر اور جیل کے ڈاکٹر بھی موجود ہوں گے۔ اس موقع پر ایڈووکیٹ آن ریکارڈ مسٹر ایم اے رحمٰن نے بتایا کہ مسٹر بھٹو کا تین مرتبہ طبی معائنہ کرانے کی کوشش کی گئی مگر انہوں نے ہر بار انکار کردیا۔ یحیٰی بختیار کی ایک اور درخواست پر حکم دیا کہ ان کے ساتھی وکیل عبدالحفیظ لاکھو اپنے ساتھی وکیلوں کے ساتھ جیل میں مسٹر بھٹو کے مشورے کے لئے جاسکتے ہیں، مگر ایک وقت میں صرف دو وکیل ملاقات کرسکیں گے۔

۵؍اگست کو عدالت نے ڈاکٹروں کے ایک بورڈ کو ہدایت کی کہ وہ جیل میں مسٹر بھٹو کے مختلف طبی معائنے کرے۔ اسی بورڈ نے گزشتہ روز بھی طبی معائنہ کیا تھا، جس کی رپورٹ عدالت کو پیش کردی گئی تھی۔ اسی دن ایک فرانسیسی وکیل مسٹر بینڈنٹر رابرٹ اپنی اہلیہ کے ساتھ سپریم کورٹ کی کارروائی سننے آئے، جنہیں مسٹر بھٹو کے بیٹے مرتضٰے بھٹو نے بھیجا تھا۔ ۱۰؍اگست کو عدالت نے انتظامیہ کو ہدایت کی کہ وہ صفائی کے وکیلوں کو کسی بھی قسم کی پریشانی میں مبتلا نہ کرے۔

۷؍اگست کو بھٹو کے دوسرے وکیل غلام علی میمن نے دلائل دیتے

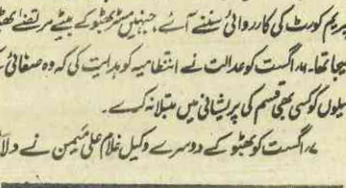

وعدہ معاف گواہ مسعود محمود ہائیکورٹ میں پیش ہونے کیلئے آرہے ہیں۔

ہوئے عدالت کو بتایا کہ ہائی کورٹ نے سماعت کے دوران میں ملزم قرار دینے والی بعض شہادتوں پر بحث کرنے کی اجازت نہیں دی تھی؛ حالانکہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۴۲ کے تحت ایسا ضروری تھا۔ ۹؍اگست کو مسٹر ایم اے رحمٰن نے عدالت کو بتایا کہ ۷؍اگست کو ڈسٹرکٹ ہسپتال کا ایک ڈاکٹر، لیبارٹری اور ای سی جی کا سامان لے کر جیل گیا تھا، مگر مسٹر بھٹو نے معائنہ کرانے سے انکار کردیا۔ عدالت کی ہدایت پر گزشتہ روز ڈاکٹروں کے ایک بورڈ نے مسٹر بھٹو کا معائنہ کیا تھا۔ ان کی صحت میں کوئی غیر معمولی بات نہیں پائی گئی، ان کی حالت بہتر ہے اس پر چیف جسٹس شیخ انوار الحق نے کہا کہ عدالت کا تعلق اپیل کنندہ کو مناسب طبی سہولتیں فراہم کرنا ہے۔ عدالت جیل سے باہر ان کے طبی معائنے کے احکامات جاری نہیں کرسکتی۔ ۱۴؍اگست کو یحیٰی بختیار نے دلائل دیتے ہوئے الزام لگایا کہ میرے مقدمے میں سماعت کرتے ہوئے غیر جانبداری سے کام نہیں لیا گیا۔

۱۵؍اگست کو بھٹو کے سینئر وکیل نے بتایا کہ میں متعصبانہ رویّہ پر تفصیل سے دلائل دینے کے لئے باقی نکات پر دلائل مختصر کردوں گا۔ اس دن انہوں نے قانونی تعصب کی بجائے ذاتی تعصب پر بحث کی جس کے مرتکب ان کے بقول لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین ہوئے تھے۔ ۱۶؍اگست کو انہوں نے اعتراض کیا کہ حکومت نے قرطاس ابیض شائع کرکے میرے مؤکل کے بارے میں تعصب سے کام لیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ۲۰ یا ۲۱؍اگست تک اپنے دلائل مکمل کرلیں گے۔

۱۹؍اگست کو وکیلِ صفائی نے کہا کہ وہ اس مقدمے کی دوبارہ سماعت نہیں چاہتے، بلکہ اپنے مؤکل کو مکمل طور پر بری کرانا چاہتے ہیں۔ ۲۰؍اگست کو انہوں نے عدالت سے درخواست کی کہ وہ میرے مؤکل کو سپریم کورٹ میں پیش ہونے کی اجازت دے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے سابق انسپکٹر جنرل پولیس راؤ عبدالرشید، سابق وزیرِ خارجہ عزیز احمد اور ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان کو صفائی کے گواہوں کے طور پر عدالت میں پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ اس دن صفائی کی طرف سے طویل دلائل مکمل ہوگئے۔ یحیٰی بختیار نے مجموعی طور پر باون دن اور غلام علی میمن نے پانچ دن میں اپنے دلائل مکمل کئے۔

ارتکاب جرم پر مجبور تھے

مسٹر بھٹو کے وکیلوں کے دلائل ختم ہوئے، تو باقی چار اپیل کنندگان کے وکیلوں کو دلائل پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ ۲۱؍اگست کو صوفی غلام مصطفٰے، ارشد اقبال اور رانا افتخار کے مشترکہ وکیل مسٹر ارشاد احمد قریشی نے اپنے دلائل مکمل کرلئے۔ انہوں نے کہا کہ اس قتل کے سلسلے میں میرے مؤکلوں نے بعض حقائق تسلیم کرلیے ہیں، لیکن ان کے فعل میں چونکہ مجرمانہ کردار نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ انہوں نے بتایا کہ میرے مؤکلوں نے مجسٹریٹ کے سامنے اقبالِ جرم کرلیا تھا اور وہ اس پر ابھی تک قائم ہیں۔ انہوں نے اپنے اعلیٰ افسروں کے احکامات کی پابندی میں یہ جرم کیا ہے، انہیں ڈرا دھمکا کر اور جان سے مار دینے کی دھمکیاں دے کر اس جرم پر آمادہ کیا گیا تھا۔ اس لئے ان کی سزا کم کی جائے۔ ۲۲؍اگست کو کالعدم فیڈرل سکیورٹی فورس کے ڈائریکٹر آپریشن میاں محمد عباس کے وکیل میاں قربان صادق اکرام نے اپنے مؤکل کے حق میں دلائل دیئے۔ انہوں نے بھی یہی مؤقف اختیار کیا کہ ان کے مؤکل کو ڈرا دھمکا کر احمد رضا قصوری کے قتل پر مجبور کیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے اعلےٰ افسر کے احکامات کی پابندی کی، مگر ارشد اقبال اور رانا افتخار کی طرح وہ براہ راست خود اس جرم میں شریک نہیں تھے اور نہ جائے واردات پر موجود تھے۔ اس لئے ان کی سزا میں تخفیف کی جائے۔ وہ ویسے بھی عارضۂ قلب کے مریض ہیں اور ان کی عمر تقریباً ۶۵ برس کے قریب ہے۔

بیگم بھٹو راؤ رشید کی دوسری بیوی کے ہمراہ

بھٹو جرم کا محرک تھا

تین ہفتوں کی تعطیلات کے بعد سپریم کورٹ کی سماعت ۱۶؍ستمبر سے پھر شروع ہوئی، تو سپیشل پبلک پراسیکیوٹر مسٹر اعجاز حسین بٹالوی نے اپنے دلائل شروع کئے۔ انہوں نے ان نکات کی نشاندہی کی، جن پر تفصیلی اور قانونی دلائل پیش کرنا تھے۔ انہوں نے بتایا کہ نواب محمد احمد خان کے قتل کی ابتدائی رپورٹ میں سابق وزیرِ اعظم بھٹو کا نام موجود تھا کہ یہ حملہ ان کے ایما پر ہوا۔ اس رپورٹ کو سربمہر کردیا گیا تھا، جس کی فوجداری مقدمات میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ قتل کے لئے چلائی گئی گولیوں کے خالی خول ۱۱؍نومبر کو جائے واردات سے دستیاب ہوگئے تھے، جب کہ انہیں ۲۳؍نومبر کو سربمہر کیا گیا۔ اس دوران میں وہ مختلف ہاتھوں میں رہے، اس لئے اس بات پر انحصار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اصلی تھے یا نقلی۔ مسٹر بٹالوی نے کہا کہ یہ مقدمہ تاریخ مرتب کررہا ہے۔ اس مقدمے میں ایک ایسا شخص زندگی کے حقائق کا سامنا کررہا ہے جو خود کو تمام روایات، رسوم، قوانین بشمول آئین سے بھی بالاتر سمجھتا تھا۔ اس مقدمے سے نہ صرف پاکستان میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے، بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کے لئے ایک نیا باب کھلا ہے۔ بھٹو قانون کی بالادستی کو تسلیم کرنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اس مقدمے کی تحقیقات انتہائی دیانتدارانہ ہوئی ہے اور یہ کہنا غلط ہے کہ گواہوں پر دباؤ ڈالا گیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا، تو پھر اسلحے کے

اس فورس کا اصل مقصد مخالف سیاست دانوں کو حکومت کی حمایت پہ مجبور کرنا تھا۔ اس کے خفیہ مشن ہوتے تھے۔ ۳۰ ستمبر کو وکیل سرکار مسٹر اعجاز حسین بٹالوی نے بتایا کہ غلام حسین ۶۲۔۷ ایم ایم کی پانچ سو گولیاں لے کر لاہور گیا تھا اور وقوعہ کے وقت لاہور ہی میں تھا۔ مقتول کے سر سے برآمد ہونے والی گولی بھی ۶۲۔۷ ایم ایم کی تھی، جسے تاخیر کے ساتھ اسلحہ کے ماہر کو بھیجا گیا تھا۔ غلام حسین اور رانا افتخار کی منزل کے روزنامچوں میں اندراج سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دونوں خفیہ مشن پہ گئے تھے۔ غلام حسین نے میاں غلام عباس کی ہدایت پر کمانڈو کیمپ میں تربیت لی تھی۔

یحییٰ بختیار اپنے ساتھی وکیل اور سابق وزیر عزیز احمد کے ساتھ سپریم کورٹ کینٹین میں

تحقیقات میں بددیانتی

یکم اکتوبر کو اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے سرکاری وکیل اعجاز حسین بٹالوی نے بتایا کہ بھٹو دور میں نواب محمد احمد خان کے قتل کی تحقیقات میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور اگر مسٹر بھٹو کو ابتدائی رپورٹ سے اپنا نام خارج کرانا ہوتا تو وہ اصل مجرموں کو گرفتار کراتے، مگر چونکہ وہ خود مجرم تھے، اس لیے انہوں نے تحقیقات انتہائی بددیانتی سے کرائیں اور کسی نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے ہی مقدمہ کو داخل دفتر کرا دیا۔ انہوں نے ۲ اکتوبر کو عدالت کو بتایا کہ اس مقدمے کی بعض اہم دستاویزات پرائم منسٹر ہاؤس اور چیف سیکورٹی آفیسر سعید احمد خان کے دفتر سے غائب کرادی گئی تھیں۔ احمد رضا قصوری نے سابق قومی اسمبلی میں ایک تحریک التوا پر تقریر کرتے واضح الفاظ میں مسٹر بھٹو کو اپنے باپ کا قاتل ٹھہرایا تھا۔ ۳ اکتوبر کو انہوں نے پھر کہا کہ بعض اہم دستاویزات پرائم منسٹر ہاؤس سے غائب کرادی گئیں، جن میں سے چار اہم دستاویزات اصل صورت میں وکیل صفائی نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو لاہور ہائی کورٹ میں پیش بھی کی تھیں۔

۴ اکتوبر کو بٹالوی صاحب نے بتایا کہ مسٹر بھٹو کے چیف سیکورٹی آفیسر سعید احمد خان جو کچھ کرتے تھے، انہیں مسٹر بھٹو کی حمایت حاصل ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنے آقا کے اشارے پر تفتیش میں جو رخنہ اندازی کی وہ بھی جرم کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ اپیل کنندہ کی کوشش تھی کہ اصل بات سامنے نہ آئے۔ ۷ اکتوبر کو مسٹر بٹالوی نے موقع واردات کے نقشے کو غلط ثابت کیا۔ انہوں نے کہا کہ کار پر اگر فائرنگ نقشے کے مطابق "گول چکر" کی دوسری طرف سے ہوتی تو فائرنگ کرنے والے ایک دوسرے کو ہلاک کر دیتے۔ اس لیے صفائی کا یہ موقف درست نہیں کہ کار پہ گولیاں دو مختلف مقامات سے چلائی گئیں۔ انہوں نے کہا کہ گولیوں کے خول تبدیل کرنے کے ٹھوس امکانات موجود ہیں۔ ۹ اکتوبر کو انہوں نے مقدمے کے قانونی پہلوؤں پر دلائل دینا شروع کئے۔ انہوں نے کہا کہ وعدہ معاف گواہ کے بیان کو یقین کی حد تک قبول کیا جا سکتا ہے۔ ۱۰ اکتوبر کو انہوں نے بتایا کہ استغاثہ کے پاس ایسی شہادتیں کثرت سے موجود ہیں جو قانون شہادت کی رو سے سازش ثابت کرتی ہیں۔ عام طور پہ نتائج اخذ کرنے کے بعد سازش کا ثبوت ہاتھ آتا ہے۔ اس مقدمہ میں ثبوت کے لیے احمد رضا قصوری کی شہادت یقین کی مناسب بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اعجاز حسین بٹالوی نے ۱۱ اکتوبر کو بتایا کہ سازش کو بلاواسطہ یا بالواسطہ یا دونوں طریقوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

۱۴ اکتوبر کو مسٹر بٹالوی نے قانونی دلائل جاری رکھتے ہوئے صفائی کے اس موقف کو مسترد کر دیا کہ وعدہ معاف گواہ مسعود محمود کی آزاد حیثیت تھی اور وہ اپنے طور پر حملہ کرا سکتا تھا۔ اسی دن ممتاز مقامی وکیل حبیب الوہاب الخیری کی طرف سے پیپلز پارٹی کے ایک اخبار "تعمیر" راولپنڈی کے ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر کے خلاف توہین عدالت کی ایک درخواست پیش کی گئی، جس میں انہوں نے کہا تھا کہ عدالت نے قرطاس ابیض کے جواب میں مسٹر بھٹو کی لکھی ہوئی دستاویز کو کسی بھی شکل میں شائع نہ کرنے کی ہدایت کی تھی، مگر اس اخبار نے بی بی سی کے حوالے سے اس جواب کے مندرجات شائع کئے ہیں، جس میں عدالت کی توہین ہوتی ہے۔ اس درخواست پر عدالت نے فریقین کو نوٹس جاری کر دیے۔ ۱۵ اکتوبر کو سپیشل پبلک پراسیکیوٹر نے بتایا کہ لاہور ہائی کورٹ میں مسٹر بھٹو نے صفائی کے سلسلے میں کسی سوال کا جواب دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس طرح انہوں نے ترپن سوالوں میں سے ایک بھی سوال کا جواب نہیں دیا۔ اگلے روز انہوں نے صفائی کے اس الزام کو مسترد کر دیا کہ لاہور ہائی کورٹ میں سماعت کے دوران استغاثہ نے صفائی کی درخواست پر کتنی اہم دستاویزات فراہم نہیں کیں، جس وجہ سے صفائی استغاثہ کے گواہوں پر جرح نہ کر سکی۔ مسٹر اعجاز حسین بٹالوی نے ۱۷ اکتوبر کو بھی دستاویزات کی فراہمی سے متعلق صفائی کے الزامات کے جواب دیے۔ انہوں نے اگلے روز وکیل صفائی یحییٰ بختیار کی طرف سے بند کمرے میں سماعت کے سلسلے میں اٹھائے گئے الزامات کے جوابات مکمل کئے۔ انہوں نے بتایا کہ ہائی کورٹ کے فاضل جج صاحبان کو عدلیہ کا احترام اور عدالتی طریقہ کار محفوظ رکھنے کے لیے سماعت بند کمرے میں کرنا پڑی۔ انہوں نے کہا کہ بند کمرے میں کارروائی کا فیصلہ قانون اور مفاد عامہ کے مطابق تھا اور ملزم کی طرف سے جو اعتراضات کئے گئے ہیں، ان میں کوئی وزن نہیں ہے۔ ملزم سنگین الزامات لگا کر عدلیہ کی غیر جانبدارانہ حیثیت کو متاثر کرنا چاہتا تھا۔

۲۱ اکتوبر کو مسٹر بٹالوی نے بتایا کہ سماعت کے دوران مسٹر بھٹو کو حاضری سے مستثنیٰ قرار دینے کی کارروائی قانون کے مطابق تھی۔ اس سے کسی جانبداری کا تاثر نہیں لیا جا سکتا۔ ۲۲ اکتوبر کو وکیل سرکار نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ بھٹو، مسعود محمود اور ان کے ساتھیوں نے احمد رضا قصوری کو ایف ایس ایف کے جوانوں سے قتل کرانے کی سازش کی تھی، اس کے ممکنہ نتائج کی صورت میں نواب محمد احمد خان قتل ہو گئے جو رضا قصوری صاحب کے ساتھ کار میں بیٹھے تھے۔ اپیل کنندہ کا یہ موقف کہ اگر احمد رضا قصوری کے قتل کی سازش کی گئی تھی تو ان کے والد کا قتل اس ارادے میں شامل نہیں تھا، کیونکہ نواب مرحوم کے قتل کی تفصیلات طے نہیں ہوئی تھیں۔ غلط ہے، کیونکہ یہ قتل احمد رضا قصوری کے قتل کی سازش کا ممکنہ نتیجہ ہے۔ ۲۳ اکتوبر کو انہوں نے بتایا کہ قانون کی نظر میں اصل مجرم اپیل کنندہ ہے۔ ایجنٹ اور صلاح کار دونوں ہی اس غیر قانونی فعل کے اثرات کے ذمہ دار ہیں۔ ۲۴ اکتوبر کو انہوں نے کہا کہ قانون

امریکہ کے سابق اٹارنی جنرل رمزے کلارک سپریم کورٹ کی کینٹین میں سابق وزیر عزیز احمد سے تبادلۂ خیال کر رہے ہیں۔

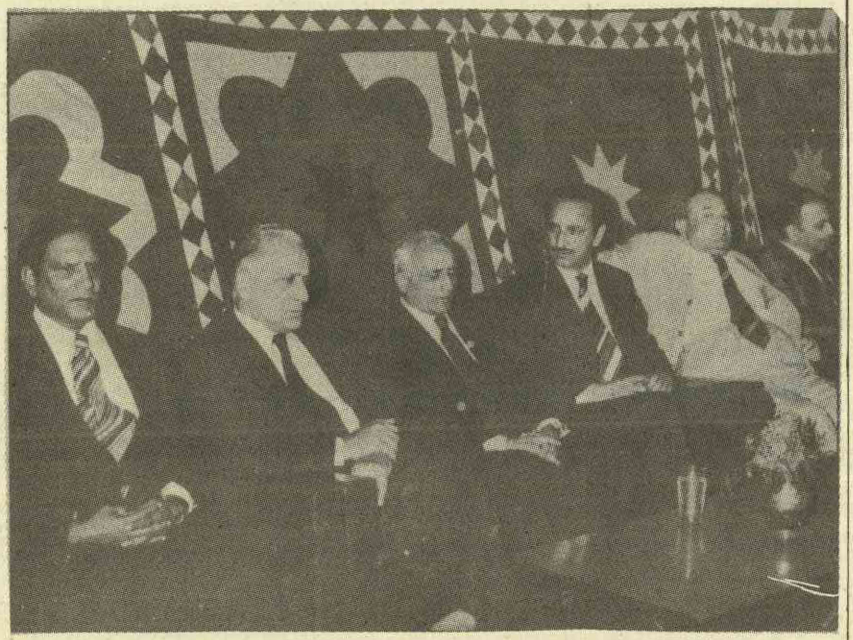

سپریم کورٹ کے جج صاحبان، درمیان میں چیف جسٹس مسٹر جسٹس شیخ انوار الحق بیٹھے ہیں۔

ماہر کی رپورٹ منفی نہ ہوتی۔ استغاثہ کے پاس کافی شہادتیں موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک ملزم ذوالفقار علی بھٹو جرم کا محرک تھا، یہ وہی شخص تھا جو احمد رضا قصوری کی تنقید سے پریشان اور مشتعل تھا، اس کے لئے احمد رضا قصوری کا وجود ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔

احمد رضا قصوری کا وجود ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔ اپیل کنندہ کے عزائم یہ تھے کہ احمد رضا قصوری کو بالکل خاموش کر دیا جائے۔ انہوں نے وکیل صفائی کے اس الزام کو مسترد کر دیا کہ اس قتل کے پیچھے مسعود محمود کا اپنا قصور تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایسا تھا، تو اپیل کنندہ کی حکومت نے اس قتل کے بارے میں کوئی قدم کیوں نہ اٹھایا۔ اس دور میں اس مقدمے کی "مسل" یہ کہہ کر داخل دفتر کیوں کر دی گئی کہ "مجرموں کا سراغ نہیں لگا۔" مسٹر بٹالوی نے دلائل دیتے ہوئے اس قتل کے پس منظر میں سیاسی عوامل کی نشاندہی کی۔

مسٹر اعجاز بٹالوی نے کہا کہ جرم کرنے والے مُنظّم، مُسلّح اور بارسوخ تھے اور انہیں اپیل کنندہ کی حکومت کی طرف سے مکمل تحفظ کا وعدہ کیا گیا تھا اور انہیں یہ تحفظ دیا گیا تھا۔ مسعود محمود اور سعید احمد خان بدکردار اور بُری شہرت کے مالک تھے۔ اپیل کنندہ نے انہیں ملازم رکھا، حالانکہ اسے ان کے چال چلن کے بارے میں سب کچھ معلوم تھا، لیکن ان کا تقرر اس لیے کیا گیا تھا کہ ان سے کام لینا مقصود تھا۔ مسعود محمود نے مکمل سازش کا کردار ادا کیا۔ مسٹر بٹالوی نے کہا کہ جسٹس شفیع الرحمٰن نے تحقیقات کے لیے بعض ہدایات دیں، لیکن انہیں بھی نظر انداز کر دیا گیا۔ جس طرح انہوں نے توقع ظاہر کی تھی، اسی طرح ہوا اور مقدمہ کو داخل دفتر کر دیا گیا۔ ۱۷ ستمبر کو مسٹر بٹالوی نے کہا کہ لاہور ہائی کورٹ نے ان پانچوں ملزموں کو درست سزائیں دی ہیں۔ اس لیے یہ اپیلیں مسترد کر دی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ مسٹر بھٹو نے جانبداری کا الزام لگا کر اس ملک کی عدلیہ کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ججوں پر جانبداری کے الزام سے ان کا یہ مقصد تھا کہ عوام کا عدلیہ پر سے اعتماد اُٹھ جاتے اور جب انہیں عدالت سے سزا ملے تو وہ یہ کہہ سکیں کہ عدالت نے جانبداری برتی ہے۔ مسٹر بھٹو نے سماعت کے دوران عدالتوں کا مذاق اڑایا اور ججوں پر گمراہ کن اور بے بنیاد الزام لگاتے ـــ چیف جسٹس کے بارے میں کہا گیا کہ انہوں نے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو اختیار دے دیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اپیل کنندہ کے وکیل مسٹر یحییٰ بختیار نے اپنے موکل کو مشورہ دیا کہ عدالت سے اسے انصاف ملنے کی توقع نہیں ہے۔ اس لیے کارروائی کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ وکیل کے مشورے پر ملزم اپنے ذہن میں ججوں کے خلاف زہر لے کر عدالت جاتا رہا۔ اس صورت میں متعصب کون ہوا۔ ملزم، جج یا ملزم کا وکیل۔ جس دن سے ملزم کے دماغ میں یہ بات ڈالی گئی۔ اسی دن سے عدالت کی کارروائی کا رُخ بدل گیا اور عدالت کی باتوں کو غلط مفہوم پہنائے جانے لگے۔ انہوں نے کہا کہ دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال موجود نہیں کہ ملزم کو اپنی پسند کے جج منتخب کرنے کا حق دیا گیا ہو، مگر اس مقدمے میں اپیل کنندہ نے ایسی ہی خواہشات کا اظہار کیا ہے۔

۱۸ ستمبر کو مسٹر اعجاز حسین بٹالوی نے کہا کہ صفائی کی طرف سے عدلیہ پر جانبداری کا الزام اس لیے لگایا گیا تھا تاکہ ملک کے اندر اور باہر لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کیا جائے کہ اگر سزا سنائی جائے تو وہ لوگوں میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ وہ پہلے کہتے تھے کہ عدالت جانبداری سے کام لے رہی ہے۔ اس مقصد کے لیے اپیل کنندہ نے پہلے لاہور ہائی کورٹ کے پانچ ارکان میں سے چیف جسٹس کو چنا تھا۔ اسی طرح اس نے سپریم کورٹ میں سے بھی چیف جسٹس کا انتخاب کیا تھا اور ان پر تعصب برتنے اور جانبداری کا الزام لگا کر عوام کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کی۔ اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے مسٹر بٹالوی نے ۱۹ ستمبر کو بتایا کہ بھٹو اور مسعود محمود کے درمیان احمد رضا قصوری کے قتل کی سازش جون ۱۹۷۴ء میں تیار کی گئی تھی اور بھٹو کے حکم پر ہی میاں غلام عباس کو اس قتل پر مامور کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسعود محمود کی ڈائریکٹر جنرل کے طور پر تقرری معمول کے مطابق نہیں ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ میاں غلام عباس نے غلام حسین کو قتل کے منصوبے کے لیے طلب کیا تھا۔ مسعود محمود نے عدالت کو وہی سب کچھ بتایا ہے جو بھٹو نے انہیں بتایا تھا۔ اس دن مسٹر بٹالوی نے بہت سے قانونی پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ۲۰ ستمبر کو انہوں نے صفائی کا یہ موقف غلط ثابت کیا کہ کالعدم فیڈرل سکیورٹی فورس کا کوئی کمانڈو کیمپ نہیں تھا، جس کا انچارج غلام حسین تھا۔ انہوں نے بتایا کہ بھٹو نے احمد رضا قصوری پر اسلام آباد میں قاتلانہ حملے کی پولیس فائل طلب کر کے مقدمہ داخل دفتر کرا دیا تھا۔ لاہور اور اسلام آباد میں فائرنگ میں ایک ہی قسم کا اسلحہ استعمال کیا گیا تھا۔ انہوں نے سازش میں وعدہ معاف گواہ غلام حسین کی شمولیت اور اس کے کردار پر تفصیل سے بحث کی۔ اس قتل کی ابتدائی رپورٹ میں چونکہ مسٹر بھٹو کا نام شامل تھا، اس لیے ۱۱ نومبر ۱۹۷۴ء کو قتل کی واردات سے ملنے والی گولیوں کے خالی خول ۱۲ دن بعد ۲۳ نومبر ۱۹۷۴ء کو سربمہر کئے گئے۔

۲۳ ستمبر کو انہوں نے کہا کہ استغاثہ کی رپورٹوں سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ۲۹ جولائی ۱۹۷۴ء کو مسٹر بھٹو اور مسعود محمود نے کوئٹہ میں مکمل سازشیوں کی حیثیت میں ملاقات کی تھی اور کالعدم فیڈرل سکیورٹی فورس کوئٹہ کے ڈپٹی ڈائریکٹر ایم آر ویلش کو بھی اس سازش میں شریک کر لیا گیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ایف ایس ایف کے روزنامچوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وعدہ معاف گواہ غلام حسین کو خاص مشن پر لاہور بھیجا گیا تھا۔ دوسری بار وہ لاہور گیا تو اس کے ساتھ رانا افتخار اور اسلحہ بھی تھا۔ انہوں نے صفائی کا یہ موقف غلط ثابت کیا کہ غلام حسین عید پر گیا تھا، اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے گاؤں بلکہ تحصیل فتح جنگ جاتا جہاں اس کے رشتہ دار ہیں۔ حکومت سے عید پر جانے کے لیے ٹی اے اور ڈی اے وصول نہ کرتا۔ چیف جسٹس نے اس دن ایک بار پھر واضح کیا کہ عدالت کسی بھی ملکی اور غیر ملکی پراپیگنڈے سے متاثر نہیں ہوگی اور فریقین کے وکیل جو دلائل پیش کر رہے ہیں، فیصلہ ان کی روشنی میں کیا جائے گا۔ مقامی وکیل حبیب الوہاب الخیری کی توہینِ عدالت کی ایک درخواست پر انہوں نے یہ وضاحت کی تھی۔ یہ درخواست مسٹر خیری نے پیپلز پارٹی کے ترجمان اخبار "مساوات" لاہور کی اُس شہ سرخی کی اشاعت کے خلاف داخل کی تھی: "سازش کے بارے میں استغاثے کا موقف درست ثابت نہیں ہوتا۔" سپریم کورٹ ("مساوات" لاہور ۲۰ ستمبر)

۲۴ ستمبر کو بھی انہوں نے دلائل جاری رکھے۔ انہوں نے مختلف دستاویزات سے ثابت کیا کہ غلام حسین، نواب محمد احمد خان کے قتل کے موقع پر لاہور میں تھا نہ کہ صفائی کے مطابق کراچی گیا ہوا تھا، کیونکہ روزنامچے میں کراچی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ۲۵ ستمبر کو سپیشل پبلک پراسیکیوٹر نے بتایا کہ عدالت میں پیش کی جانے والی شہادتوں سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سابق وزیر اعظم بھٹو نے کالعدم فیڈرل سکیورٹی فورس اپنے سیاسی مخالفین سے نمٹنے کے لیے قائم کی تھی۔

کے مطابق فائرنگ کرنے والا اور فائرنگ کرانے والا سازش میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر احمد رضا قصوری قتل ہو جائے تو مجرموں کو ۳۰۲ اور اپیل کنندہ کو ۳۰۲/۹ کے تحت سزائیں دی جاتیں۔ ۲۵ اکتوبر کو انہوں نے اس امر کی وضاحت کی کہ کوئی شریکِ جرم وعدہ معاف گواہ بن جائے تو قانون کی رو سے اس کی گواہی شہادت کا اہم ترین حصہ بن جاتی ہے۔

وکیل سرکار نے ۲۸ اکتوبر کو کہا کہ وعدہ معاف گواہوں کی شہادتوں میں اتنا ہی وزن ہے، جس طرح دوسرے گواہوں کی شہادتیں ہیں۔ اس لیے اس مقدمے میں دونوں وعدہ معاف گواہوں کی حیثیت قانون کی نظروں میں ایک جیسی ہے۔ اگلے روز انہوں نے گواہوں کی شہادتوں، فردگزاشتوں اور تصورات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور صفائی کے اعتراضات رد کرتے ہوئے تین مختلف چارٹ عدالت میں پیش کیے جو وعدہ معاف گواہ مسعود محمود اور غلام حسین کی شہادتوں سے متعلق تھے۔ ۳۰ اکتوبر کو انہوں نے میاں غلام عباس کے نئے اقبالی بیان پر دلائل مکمل کیے۔ صفائی کی طرف سے دی گئی گواہوں کی فہرست، جنہیں وکیل صفائی نے عدالت میں پیش کرنے کا مطالبہ کیا تھا، کے بارے میں بتایا کہ کسی شخص کو استغاثہ کے گواہ کے طور پر پیش کرنے یا نہ کرنے کا اختیار وکیل سرکار کو ہے اور مقدمہ میں جو شہادتیں پیش کی گئی ہیں عدالت کو انہی کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ہوگا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ وکیل صفائی کی خام خیالی ہے کہ ہر ایک کو جرح کے لیے پیش کرنا چاہیے۔ یہ استغاثہ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ فہرست میں درج گواہ کو پیش کرے یا نہ کرے۔

صفائی نے رامے کو "جیت" لیا

اس لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ گواہوں کو پیش نہ کر کے جانبداری برتی گئی ہے غلط ہے۔ انہوں نے کہا کہ سابق انسپکٹر جنرل آف پولیس راؤ عبدالرشید کا نام استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں نہیں تھا اور سابق وزیر اعلیٰ پنجاب محمد حنیف رامے کو اس لیے پیش نہیں کیا گیا کہ صفائی نے انہیں "جیت" لیا تھا۔ ہائی کورٹ میں ۴۱ گواہوں کو پیش کیے جانے کے بعد مسٹر بھٹو نے سماعت کا بائیکاٹ کیا تھا۔ وکیل صفائی اس وقت عدالت کو درخواست دے سکتے تھے کہ استغاثہ نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور انہیں بطور عدالتی گواہ دفعہ ۵۴۰ کے تحت طلب کیا جائے، جب کہ صفائی نے ایسی کوئی درخواست پیش نہیں کی۔ اب اپیل کے مرحلے میں اس شکایت کا کوئی جواز نہیں۔ اس لیے اب یہ کہنا غلط ہے کہ عدالت عالیہ نے کسی قسم کی جانبداری برتی ہے۔

یکم نومبر کو بھی مسٹر بٹالوی نے اپنے دلائل جاری رکھے اور صفائی کے اس موقف کے خلاف بحث کی کہ عدالتِ عالیہ نے ان کے ساتھ جانبداری برتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کے برعکس اپیل کنندہ مسٹر بھٹو خود عدالت کے خلاف تعصب کا شکار تھے اور ان کے ذہن میں یہ تعصب مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ان کے سینئر وکیل مسٹر یحییٰ بختیار نے ڈالا تھا۔ اپیل کنندہ نے لاہور ہائی کورٹ میں اپنا دفاع کرنے کی بجائے عدلیہ کے خلاف شر انگیز پروپیگنڈہ مہم چلائی۔ یہ ایک اچھوتا مقدمہ ہے، جس میں ایک سابق سربراہ مملکت اور سربراہِ انتظامیہ پر عام قوانین کے تحت عام عدالتوں میں مقدمہ چلایا گیا ہے۔ مسٹر بٹالوی نے بتایا کہ اپیل کنندہ نے اپنے دورِ اقتدار میں عدلیہ پر سے عوام کے اعتماد کو ختم کرنے اور اس ادارہ کو تباہ کرنے کی جان بوجھ کر کوششیں کی تھیں۔ خصوصی ٹربیونل قائم کیے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عدالتی طریقہ کار پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ جمہوری عمل کو صرف شکل کی صورت میں جاری رکھا گیا اور اس کی روح پر عمل نہیں کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ سابق صدر ایوب خان مرحوم کے مارشل لا میں جسٹس ایم آر کیانی کھلم کھلا مارشل لا کے خلاف تقریریں کرتے رہے، ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی، مگر جب مسٹر بھٹو کی نام نہاد جمہوری حکومت قائم ہوئی، تو عدالتی کارروائی کو کمزور کر دیا گیا اور جمہوریت کے ادارے کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی، پھر لوگوں کی آخری امید عدلیہ رہ گئی تھی۔ اب ایک سپاہی نے ملک کا انتظام سنبھالا ہے۔ سپریم کورٹ گزشتہ کئی ماہ سے اپیل کنندہ کی اپیل کی سماعت کر رہی ہے۔ فوجی عدالتیں عدلیہ کے ماتحت ہیں۔ ملزم کو جو قانونی حق حاصل ہے، اس نے اس کا سہارا لے کر عدلیہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ عدلیہ پر اس کے الزامات بلا جواز تھے، جیسے جیسے سماعت آگے بڑھی اور اپیل کنندہ کے خلاف شہادتیں پیش ہوئیں، مسٹر بھٹو نے اپنا دفاع کرنے کی بجائے عدلیہ کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا ہے۔ دراصل اسے اس کے سینئر وکیل نے غلط مشورہ دیا تھا۔ یہ سب کسی حادثے کے طور پر نہیں ہوا، بلکہ ایک منصوبے کے تحت ایسا کیا گیا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران اندرون اور بیرون ملک عدلیہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ تیسری دنیا کے بیشتر ملکوں میں انقلاب آئے ہیں۔ حکومتوں کے تختے الٹے گئے، مگر کہیں بھی سابق صدر یا وزیر اعظم کے خلاف عام قوانین کے تحت عام عدالت میں مقدمہ نہیں چلایا گیا۔

یحییٰ بختیار اور دوست محمد اعوان سابق قومی اسمبلی کے سپیکر صاحبزادہ فاروق علی کے ساتھ۔

عدالتِ عالیہ نے صبر و تحمل سے سماعت کی

۵ نومبر کو وکیل سرکار نے بتایا کہ ہائی کورٹ میں مقدمہ کی سماعت کے دوران ملزم بھٹو اور ان کے وکیل کے ہائی کورٹ کے خلاف قابلِ اعتراض طرزِ عمل کے باوجود انہیں بہت سی سہولتیں دی گئیں۔ ملزم کو جب بھی کوئی دشواری پیش آئی، ہائی کورٹ نے اس پر غور کیا اور اسے دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ سماعت کے پانچویں روز ہی بڑے ملزم کے وکیل ڈی ایم اعوان نے کہا تھا: "تمام پابندیاں صفائی کے لیے ہیں۔" اس پر سپریم کورٹ کے ججوں نے کہا کہ یہ واقعی بہت سخت الفاظ تھے، مسٹر اعوان کو کسی حالت میں بھی ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ صدر مملکت جنرل ضیاء الحق حج اکبر کے لیے ملک سے باہر چلے گئے تھے اور چیف جسٹس شیخ انوار الحق نے ان کی عدم موجودگی میں قائم مقام صدر کے فرائض انجام دینا تھے، اس لیے اپیل کی سماعت ۱۴ نومبر تک ملتوی کر دی۔ چیف جسٹس نے اس دن بتایا کہ صدر پاکستان نے ایڈہاک ججوں ڈاکٹر نسیم حسن شاہ اور وحید الدین احمد کے موجودہ عہدے کی میعاد اس اپیل کی سماعت کے اختتام تک بڑھا دی ہے۔ دس یوم کے التوا کے بعد ۱۶ نومبر کو اپیلوں کی سماعت پھر شروع ہوئی۔ اس دن استغاثہ نے اپنے دلائل مکمل کیے۔ سپیشل پبلک پراسیکیوٹر مسٹر اعجاز حسین بٹالوی نے بحث کرتے ہوئے عدالت سے استدعا کی کہ اس مقدمہ میں ہائی کورٹ لاہور نے ملزموں کو جو سزائیں دی ہیں انہیں برقرار رکھا جائے اور یہ اپیلیں خارج کر دی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ مقدمہ کی زبانی دستاویزی اور واقعاتی شہادتیں صرف بھٹو کے جرم کی نشاندہی کرتی ہیں اور سماعت کرنے والی عدالت نے ملزموں کو قانون کے مطابق ٹھیک سزائیں دی ہیں۔ ہائی کورٹ میں اس مقدمہ کی سماعت کو غیر ممکن اور مشکل بنانے کی پوری پوری کوشش کی گئی، مگر اس کے باوجود عدالت عالیہ نے صبر و تحمل سے اس کیس کی سماعت کی اور ملزم کے ساتھ رعایت برتی۔ اس کیس کا اصل ملزم بھٹو ہی ہے۔

---

۱۸ نومبر سے مسٹر بھٹو کے سینئر وکیل مسٹر یحییٰ بختیار نے وکیل سرکار کے دلائل کے جواب میں دلائل پیش کرنے شروع کیے۔ انہوں نے کہا کہ استغاثہ ماہر اسلحہ کی منفی رپورٹ کی روشنی میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ محمد احمد خان کے قتل میں استعمال ہونے والی گولیوں کے خول تبدیل کیے گئے تھے۔ مگر استغاثہ ایسا کرنے میں ناکام رہا ہے۔

اسی طرح وکیل سرکار یہ بھی ثابت نہیں کر سکے کہ وعدہ معاف گواہ انسپکٹر غلام حسین ۳۱ اکتوبر سے ۱۲ نومبر ۱۹۷۴ء تک لاہور میں تھا۔

اس کا ٹی اسے بل ظاہر کرتا ہے کہ یہ عرصہ اس نے کراچی میں گزارا۔ وہ لاہور میں نہیں تھا، اس لیے اس کی طرف سے صوفی غلام مصطفےٰ کو دو سٹین گنیں جاری کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح استغاثہ کا کیس خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اس دن یحییٰ بختیار نے بار بار یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ مقدمہ جھوٹا اور من گھڑت ہے۔

۱۹ نومبر کو وکیل صفائی نے کہا کہ واقعات اور شہادتوں کی رو سے استغاثہ کا یہ مؤقف درست نہیں کہ نواب محمد احمد خاں کی کار پر دو افراد نے گولیاں برسائیں۔ بلکہ اس کار پر فائرنگ چار یا پانچ افراد نے کی تھی۔ ۲۰ نومبر کو مسٹر بھٹو کے سینئر وکیل نے ایک بار پھر یہ ثابت کرنا چاہا کہ لاہور اور اسلام آباد میں مسٹر قصوری کی کار پر چلائی جانے والی گولیاں ایک ہی قسم کی نہیں تھیں۔ انہوں نے کہا کہ جس ماہر اسلحہ کا ذکر اس مقدمہ میں آیا ہے وہ بھی مشکوک ہے اور اس کی رپورٹ کو قابل قبول قرار دینے کے لیے دفعہ ۵۱۰ کی ضروریات کو پورا نہیں کیا گیا۔ ۲۱ نومبر کو سپریم کورٹ کے فل بنچ کے ایک معزز رکن جسٹس وحید الدین احمد کی علالت کی وجہ سے اپیلوں کی سماعت نہ ہو سکی۔ ڈاکٹروں نے فاضل جج کو چند یوم مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا۔ اس لیے سپریم کورٹ کی کارروائی چند یوم کے لیے ملتوی کر دی گئی۔

سماعت منصفانہ ہو رہی ہے

ان ہی دنوں مسٹر بھٹو کے سینئر وکیل مسٹر یحییٰ بختیار نے ممتاز امریکی اخبار "نیویارک ٹائمز" کے نامہ نگار ولیم بارڈرز کو بتایا کہ وہ اور ان کے مؤکل بھٹو عام طور پر سپریم کورٹ کے ججوں کے طرز عمل سے مطمئن ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس مقدمے کی سماعت منصفانہ ہو رہی ہے۔ ۴ دسمبر کو ایک بار پھر سپریم کورٹ کی سماعت نہ ہو سکی۔ کیونکہ جسٹس وحید الدین احمد تشویشناک طور پر علیل تھے۔ ۳ دسمبر کو انہوں نے چیف جسٹس کو اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ میں چار یا چھ ہفتے تک عدالت میں نہیں آسکتا، اگر آپ میرا انتظار کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ مقدمہ کی کارروائی جاری رکھئے۔ ۵ دسمبر کو سپریم کورٹ نے سابق وزیر اعظم کی وہ درخواست منظور کر لی، جس میں انہوں نے سماعت کے آخری مرحلے میں خود عدالت میں پیش ہونے کی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔ انہوں نے اس درخواست میں کہا تھا کہ میں اس مقدمہ کے بعض نکات کی خود وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے مجھے عدالت میں پیش ہونے کی اجازت دی جائے۔ اگر یہ درخواست قبول نہیں کی جاتی تو میرے ایڈووکیٹ آن ریکارڈ کا وکالت نامہ منسوخ سمجھا جائے۔ اس طرح ان کے دوسرے وکیلوں کے وکالت نامے بھی خود بخود ختم ہو جائینگے۔ اسی دن نئے بنچ کی تشکیل کا معاملہ بھی طے ہو گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ اپیل کی سماعت سات ججوں پر مشتمل موجودہ بنچ ہی کرے گا۔ مسٹر بھٹو کی درخواست منظور کرتے ہوئے چیف جسٹس نے لکھا کہ اپیل کنندہ کو یہ رعایت دی جاتی ہے، لیکن وہ اس رعایت کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کریں گے۔ بھٹو کے وکیل نے عدالت کو یقین دلایا کہ ان کے مؤکل غیر متعلقہ باتوں سے اجتناب برتیں گے۔ اس دن اپیل کی سماعت ایک بار پھر سات یوم کے لیے ملتوی ہو گئی۔

نصرت بھٹو اور یحییٰ بختیار کے درمیان اختلافات

۱۲ دسمبر کو جب سماعت شروع ہوئی تو بیگم نصرت بھٹو اور بھٹو کے سینئر وکیل یحییٰ بختیار کے درمیان بعض اختلافات سامنے آئے مسٹر بختیار نے عدالت کو بتایا کہ بیگم بھٹو نے مجھے دو درخواستیں دی ہیں کہ میں دلائل دینے سے پہلے یہ درخواستیں عدالت میں پیش کروں جب کہ میں ان کو عدالت میں پیش کرنے کے حق میں نہیں ہوں، مگر بیگم صاحبہ کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے، اس لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ باقی نہیں رہ جاتا کہ میں اس مقدمہ سے دستبردار ہو جاؤں۔ یحییٰ بختیار نے بجھے ہوئے لہجے میں، لیکن کھلے دل سے اعتراف کیا کہ عدالت نے ان کے دلائل کو بڑے تحمل اور صبر سے سنا۔ ان اختلافات کو حل کرنے اور مسٹر بھٹو کی رائے معلوم کرنے کے لیے چیف جسٹس نے یحییٰ بختیار کو اپنے مؤکل سے ملنے کی خصوصی اجازت دی اور عدالت کی کارروائی اس وقت تک کے لیے ملتوی کر دی، جب تک وہ مسٹر بھٹو سے ملاقات کر کے واپس نہیں آگئے۔ دوبارہ سماعت شروع ہونے پر یحییٰ بختیار نے وکیل سرکار کے دلائل پر تبصرہ شروع کیا۔ انہوں نے عدالت سے استدعا کی کہ مجھے چند گواہ پیش کرنے کی اجازت دی جائے، جن میں سابق وزیر خارجہ عزیز احمد، ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان اور سابق انسپکٹر جنرل آف پولیس راؤ عبدالرشید شامل ہیں۔ انہوں نے ہائی کورٹ میں سماعت کے دوران میں بے ضابطگیوں کی نشاندہی بھی کی۔ انہوں نے بتایا کہ سماعت کالعدم قرار دینے کے لیے تو ایک ہی بے ضابطگی کافی ہے۔ اس دن یہ فیصلہ کیا گیا کہ اپیل کو جلد نمٹانے کے لیے جمعرات کو بھی سماعت جاری رکھی جائے۔

۱۴ دسمبر کو بھی یحییٰ بختیار نے اپنے دلائل جاری رکھے۔ انہوں نے کہا کہ وکیل سرکار نے جو دلائل دیے ہیں ان میں کوئی وزن نہیں۔ ۱۶ دسمبر کو انہوں نے ایک بار پھر عدالت کو بتایا کہ ہائی کورٹ میں مقدمے کی سماعت کے دوران قانون کی بیس خلاف ورزیاں کی گئی ہیں، جن سے سماعت متاثر ہوتی ہے۔ اسی دن چیف جسٹس نے بعض فیصلوں کا اعلان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ فائرنگ کے عملی مظاہرے کا پروگرام بنایا جا رہا ہے جو ۱۷ دسمبر کی سہ پہر کو ہوگا۔ اسی طرح ۱۸ دسمبر کو مسٹر بھٹو کو عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ اس دن باقی چاروں ملزم بھی عدالت میں لائے جائیں گے۔ ۱۷ دسمبر کو مسٹر بختیار نے اپنے دو نکات کے علاوہ باقی تمام دلائل مکمل کر لیے۔ اسی دن سہ پہر فائرنگ کا عملی مظاہرہ کیا گیا۔ جسے فل بنچ نے دیکھا۔ ۱۸ دسمبر کو یحییٰ بختیار نے اپنے نکات پر دلائل مکمل کر لیے جس کے بعد اپیل کنندہ مسٹر بھٹو کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ ان کی عدالت میں حاضری اور اپنے دفاع میں کچھ کہنے سے اس قسم کے مقدموں کی سماعت کے سلسلے میں ایک نئی روایت قائم ہوئی ہے۔

سپریم کورٹ پر مکمل اعتماد

مسٹر بھٹو نے عدالت میں اپنی مظلومیت کا ذکر کیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے آج نو ماہ بعد سورج دیکھا ہے۔ میرے ساتھ اتنی زیادتیاں کی گئی ہیں کہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو کب کا ریزہ ریزہ ہو گیا ہوتا۔ انہوں نے سپریم کورٹ پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا، حالانکہ انہوں نے اپنی اپیل کی سماعت شروع ہونے سے پہلے یعنی ۷ مئی ۱۹۷۸ء کو ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی سے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے نام جو خط بھیجا تھا اس میں ان پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کئی بے بنیاد قسم کے الزامات بھی لگائے تھے۔ مگر اس دن انہوں نے عدالت پر بھرپور اعتماد کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں عدالت سے رحم نہیں انصاف چاہتا ہوں۔ استغاثہ میرے خلاف اپنا الزام ثابت نہیں کر سکا ــــ لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ تضادات سے بھرا پڑا ہے اور جانبداری پر مبنی ہے۔ مسٹر بھٹو نے اپنا مؤقف پیش کرنے کے لیے بڑا جذباتی انداز اختیار کیا اور جیل میں خود پر ہونے والے "مظالم" کی خوب خوب منظر کشی کی۔ انہوں نے لاہور ہائی کورٹ

مقتول نواب محمد احمد خاں کی میت پر احمد رضا قصوری' ان کی والدہ اور خاندان کے دوسرے افراد سوگوار بیٹھے ہیں۔

کے ججوں پر جانب داری کے الزامات عائد کئے۔ ۱۹ دسمبر کو انہوں نے عدالت میں ایک بار پھر کہا کہ سپریم کورٹ نے میری جس طرح پذیرائی کی ہے اس کے باعث مجھے پھانسی بھی دے دی جائے، تو میں بخوشی قبول کر لوں گا۔ انہوں نے بتایا کہ میں احمد رضا قصوری کے قتل کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ انہوں نے ہائی کورٹ کے اس ریمارک پر شدید ردِ عمل کا اظہار کیا جس میں انہیں نام کا مسلمان کہا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ ایک کلمہ گو کو کہا جائے کہ وہ ثابت کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ مجھے نام کا مسلمان کہہ کر عوام کی بے عزتی کی گئی ہے، جنہوں نے مجھے ووٹ دیئے تھے۔ میں خود کو نام کا مسلمان کہلوانے کی بجائے پھانسی لگنا پسند کرتا ہوں۔ انہوں نے اسلام کے لیے اپنی "خدمات" گنوائیں۔

صوفی غلام مصطفےٰ

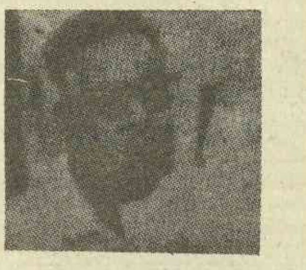

میاں محمد عباس

ارشد اقبال

رانا افتخار

میں مطمئن ہوں

مسٹر بھٹو نے ۲۰ دسمبر کو اپنی معروضات پیش کرتے ہوئے مسعود محمود کو جھوٹا قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ قانون کے مطابق وعدہ معاف گواہ نہیں بن سکتا۔ استغاثہ سازش کے سلسلے میں میرے اور مسعود محمود کے درمیان سمجھوتہ ثابت نہیں کر سکا ـــــ اس کے قتل میں میرا ہاتھ نہیں ہے۔ انہوں نے اس دن بھی عدالت پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ دو سال سے پھانسی کی کوٹھڑی میں ہیں اور دنیا بھر میں ان کے خلاف پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ میں بے گناہ ہوں۔ آپ بے گناہ کو مارنا چاہتے ہیں تو کم از کم اسے سن تو لیں۔ اب میں نے اپنا مؤقف بیان کر دیا ہے۔ فیصلہ خدا اور آپ (عدالت) پر چھوڑتا ہوں۔ میں مطمئن ہوں کہ میں نے آپ کو مطمئن کر دیا ہے۔ ۲۱ دسمبر کو بھی مسٹر بھٹو نے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ استغاثہ یہ کیس ثابت نہیں کر سکا۔ ہائی کورٹ نے میرے سلسلے میں جانبداری برتی ہے۔ یہ مقدمہ بدنیتی پر مبنی ہے اور ہائی کورٹ نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے بعض مثالیں بھی دیں۔

ہم نے محمد احمد خان کو قتل کیا

اسی دن باقی چاروں ملزموں میاں غلام عباس، راشد اقبال رانا افتخار اور صوفی غلام مصطفےٰ نے بھی اپنی معروضات پیش کیں۔ انہوں نے فرداً فرداً اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تاہم ان کا مجموعی تاثر یہ تھا کہ ہم نے بھٹو کے حکم کی تعمیل کرنے والے افسروں کے کہنے پر نواب محمد احمد خان کو قتل کیا تھا۔ میاں غلام عباس نے بتایا کہ مجھے مسعود محمود نے کہا تھا کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ کرو، ورنہ اپنی لاشیں سڑک پر تڑپتی ہوئی پاؤ گے۔ کالعدم فیڈرل سیکورٹی فورس کے سابق انسپکٹر صوفی غلام مصطفےٰ نے عدالت کو بتایا کہ بھٹو خود کو مظلوم کہہ کر ڈرامہ کھیل رہا ہے۔ اس نے قرآن شریف ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں اس سے پہلے بھی اعتراف کر چکا ہوں۔ ایف ایس ایف کی ملازمت میں آنے کے بعد ہم نے جو پہلا حلف اٹھایا تھا وہ حکومت اور بھٹو کے وفادار رہنے کا تھا۔ بعد میں یہ حلف نامہ بدل دیا گیا تھا۔ اس نے کالعدم ایف ایس ایف کے جرائم پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے، وزیرِ اعظم کو ان کا علم نہ ہو۔ بھٹو نے کہا کہ وہ رحم نہیں انصاف چاہتا ہے۔ ہم انصاف اور رحم دونوں کے طلب گار ہیں۔ ہم نے یہ جرم بہ امرِ مجبوری کئے جس کی ہم عدالت سے قوم سے اور ہر فرد سے معافی مانگتے ہیں۔ ایک اور ملزم سب انسپکٹر رانا افتخار نے بھی اپنے جرائم کا اقرار کرتے ہوئے کہا۔ یہ قتل بھٹو کے حکم سے ہوا ہے مجھے مسعود محمود کے قریب رہنے کا موقع ملا ہے۔ وہ جو حکم دیتا تھا وزیرِ اعظم کا نام لے کر اس پر عمل کراتا تھا۔ چوتھے ملزم ارشد اقبال نے بھی اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ یہ قتل بھٹو اور مسعود محمود کے حکم پر ہوا ہے۔

۲۳ دسمبر ان اپیلوں کی سماعت کا آخری دن تھا۔ اس دن چیف جسٹس شیخ انوار الحق نے بتایا کہ ان اپیلوں کی سماعت کے سلسلے میں ـــــ گواہوں کو مزید جرح کے لئے طلب نہیں کیا جائے گا۔ اپیلوں کی سماعت مکمل ہونے پر اپنا مختصر فیصلہ سناتے ہوئے چیف جسٹس نے کہا کہ پولیس ضمیموں میں درج تین گواہوں کے بیانات جو لاہور ہائی کورٹ میں سماعت شروع ہونے سے پہلے صفائی کو مہیا نہیں کئے گئے تھے، کے بارے میں عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ان تینوں گواہوں کو سپریم کورٹ میں بلانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ان تین گواہوں کو عدالت میں پیش کرنے کا مطالبہ مسٹر بھٹو کے سینئر وکیل مسٹر یحییٰ بختیار نے کیا تھا۔ چیف جسٹس نے بتایا کہ عدالت کے سامنے بھاری مواد موجود ہے۔ فیصلہ لکھنے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس لئے فیصلہ محفوظ کر لیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپیل کنندہ مسٹر بھٹو کو ہمیشہ مناسب سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عدالت کا شکریہ

مسٹر بھٹو کے سینئر وکیل مسٹر یحییٰ بختیار نے صبر و تحمل سے دلائل سننے اور اپیل کی بہت منصفانہ سماعت کرنے پر عدالت کا شکریہ ادا کیا اور یقین ظاہر کیا کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ عدالت کا فیصلہ عدلیہ کے لئے مثالی اور تاریخی ہوگا اور ملک و قوم کے لئے اچھے تاثرات چھوڑے گا۔ سپیشل پبلک پراسیکیوٹر مسٹر اعجاز حسین بٹالوی نے بھی اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے عدالت کا شکریہ ادا کیا۔

●●

آپکے مطالعے کے لیے بہترین کتابیں

① آزادی کے چراغ — مشکور حسین یاد — ۸/۰۰
② چھ نکات کی تصویر — الطاف حسن قریشی — ۲/۰۰
③ ہمہ یاراں دوزخ — صدیق سالک — ۲۵/۰۰
④ ڈکٹیٹر کون؟ — ایس ایم ظفر — ۱۲/۰۰
⑤ اولادِ آدم — محمد منور — ۸/۵۰
⑥ جوہرِ اندیشہ — مشکور حسین یاد — ۱۲/۰۰
⑦ ستارے چھپاتے ہیں — مشکور حسین یاد — ۱۲/۰۰
⑧ پاسبانِ حرم فیصل — محمد صدیق قریشی — ۱۲/۰۰
⑨ سلطان ٹیپو — سجاد ہاشمی — ۵/۰۰
⑩ بڑھاپا اور اس کا سدِ باب — حکیم محمد اقبال ایم اے — ۴/۰۰
⑪ سمرقند و بخارا کی خونیں سرگزشت — اعظم ہاشمی — ۲/۲۵
⑫ آنریری خسر — سید ضمیر جعفری — ۳/۰۰
⑬ بارِ سفر — باقی صدیقی کا مجموعۂ کلام — ۵/۰۰
⑭ انتخاب کلام اکبر — ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار — ۸/۰۰
⑮ سونار بنگلہ — ڈاکٹر محمود الرحمٰن — ۷/۰۰
⑯ یادِ شاہد — شاہد احمد دہلوی کی شخصیت — ۲۰/۰۰
⑰ آدابِ الحج — حکیم مشتاق احمد اصلاحی — ۷/۵۰

منی آرڈر کے ذریعے پیشگی قیمت بھیج کر یا بذریعہ وی پی طلب کیجیے۔

مکتبہ اردو ڈائجسٹ سمن آباد
لاہور ۲۵ (پاکستان)

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ
سورۃ انبیا : آیت : ۱۰۷
اور ہم نے آپ کو سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا
آج سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلّم کا یوم ولادت ہے جو نہ صرف
مسلمانوں بلکہ تمام کائنات کے لیے رشد و ہدایت کا پیام بن کر عالم
وجود میں تشریف لائے۔
اس مقدس تقریب پر حضور اکرمؐ اور قرآن حکیم
کے فرمودات کی روشنی میں
پیکو اور اس کے تمام کارکن، وطن عزیز کی ترقی و فروغ
اور خوشحالی کے لیے اپنے فرائض کو زیادہ خوش اسلوبی
سے سرانجام دینے کا عہد کرتے ہیں۔
FLEC
A FLEC COMPANY
پاکستان انجنیئرنگ کمپنی لمیٹڈ
پیکو
STATE ENTERPRISE

sasa lahore

رؤف طاہر

کارٹر استحکام کے جزیرے میں "بھٹکتا رہا"

جناب آیت اللہ خمینی کی وطن واپسی کے بعد ایران ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔ علامہ خمینی نے ایران پہنچنے کے دو روز بعد متوازی حکومت کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے وزیرِ اعظم شاہ پور بختیار سے مطالبہ کیا کہ وہ مستعفی ہو جائیں، ورنہ ان کے خلاف جہاد شروع کر دیا جائے گا۔ انہوں نے پریس کانفرنس میں فوج کو بھی خبردار کیا کہ وہ ان کے منصوبوں کی راہ میں حائل نہ ہو، ورنہ عوام بھی ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس موقع پر جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ ان کے حامیوں کے پاس ہتھیار ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہتھیاروں کا حصول کوئی مسئلہ نہیں، جب وقت آئے گا، ہمیں ہتھیار بھی مل جائیں گے۔

اس سے دو روز بعد جناب خمینی نے ڈاکٹر مہدی بازرگان کو اپنی عبوری حکومت کا وزیرِ اعظم نامزد کر دیا۔ علامہ خمینی کے بقول ڈاکٹر بازرگان پکے مسلمان اور قوم پرست ہیں اور اس نازک مرحلے پر ان پر جو ذمے داری عائد کی گئی ہے، وہ اس کے مکمل طور پر اہل ہیں۔ مہدی بازرگان ماضی میں ڈاکٹر مصدق کے معتمد ساتھی، شاہ ایران کے زبردست مخالف اور ایران میں انسانی حقوق کے لئے بھرپور جد و جہد کرتے رہے ہیں۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق ــــ جناب آیت اللہ خمینی کے حکم پر تبریز، ارمغان اور آذربائیجان کے صوبوں کا نظم و نسق مقامی علماء اور ان کے مسلح جوانوں نے سنبھال لیا ہے اور شاہ پرست فوجی افسران کو علاقے سے نکال دیا ہے۔ اس سے ایک روز قبل جناب خمینی کی اسلامی انقلابی حکومت کے حامیوں نے قم اور مشہد کا کنٹرول بھی سنبھال لیا تھا۔ اصفہان کے دار الحکومت میں اسلامی انقلابی فوج کے چھ ہزار جوانوں نے پولیس اور فوج کے فرائض سنبھال لئے ہیں۔ ایران کے مغربی سرحدی صوبوں سے بھی کچھ اسی نوعیت کی اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔

ایک طرف جناب آیت اللہ خمینی کی یہ پیش رفت ہے اور دوسری طرف شاہ ایران کے نامزد وزیرِ اعظم ڈاکٹر بختیار بدستور اس امر پر مصر ہیں کہ وہ مستعفی نہیں ہوں گے۔ "خواہ پارلیمنٹ کے تمام ارکان مستعفی ہو جائیں، میں خمینی کی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر حکومت نہیں چھوڑوں گا"۔ ڈاکٹر بختیار نے ایران کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ وہ لوگ جو ایران میں خانہ جنگی کرانے اور ہتھیار سنبھالنے کی باتیں کر رہے ہیں، میں ان کی گرفتاری کے احکام جاری کر دوں گا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی، تو انہیں پھانسی دینے سے بھی گریز نہیں کیا جائے گا۔ آیت اللہ خمینی کے حامیوں کا ذکر کرتے ہوئے وزیرِ اعظم نے کہا کہ وہ مظاہرے کرنے کا شوق بڑی خوشی سے پورا کریں، فوج ان پر گولی نہیں چلائے گی، اگر وہ اسلحہ لے کر بازاروں میں نکلیں گے، تو پھر فوج ضرور گولی چلائے گی اور اس صورتِ حال کی ذمے داری حکومت پر نہیں، آیت اللہ خمینی پر عائد ہو گی۔

بی بی سی کے مطابق گذشتہ روز جناب خمینی اور ڈاکٹر بختیار کے حامیوں نے تہران میں الگ الگ جلوس نکالے۔ بختیار حکومت کی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ۹ فینٹم لڑاکا طیارے اور ان کے علاوہ بہت سے فوجی ہیلی کاپٹر بھی سارا دن تہران پر نیچی پروازوں میں مصروف رہے۔ بی بی سی کے نمائندے کے مطابق ایران میں بیک وقت دو حکومتیں کام کر رہی ہیں، جس سے صورت حال سخت پیچیدہ ہوتی جا رہی ہے۔

آیت اللہ خمینی وطن واپسی کے بعد ایک پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں۔

یہ بحران مستقبل قریب میں کیا رُخ اختیار کرتا ہے، اس کے بارے میں فی الحال وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب خمینی کو اس وقت بے پناہ عوامی تائید و حمایت حاصل ہے اور کسی بھی ملک میں اصل قوت، عوام ہی کی قوت ہوتی ہے، لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ایران جیسے ملک میں جہاں کوئی منظم سیاسی جماعتیں موجود نہ ہوں، جمہوری روایات کا فقدان ہو اور سول ایڈمنسٹریشن مکمل طور پر بے دست و پا ہو کر رہ جائے، تو ان حالات میں ملک کی مؤثر اور منظم ترین قوت مسلح افواج ہی ہوتی ہیں اور ایرانی افواج کے بارے میں یہ حقیقت ہنوز ناقابلِ تردید ہے کہ وہ آج بھی شاہ کی وفادار ہیں۔ افواج کی اسی وفاداری کی بنا پر جناب بختیار کو یہ کہنے کی ہمت ہو رہی ہے کہ اگر آیت اللہ خمینی نے دوبارہ ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا، تو وہ انہیں سخت جواب دیں گے

حقیقت یہ ہے کہ وطن واپسی کے بعد جناب خمینی ایک فیصلہ کن آزمائش میں پڑ گئے ہیں۔ انہوں نے جلاوطنی کے عالم میں بڑی بیداری اور فہم و بصیرت کے ساتھ اس تحریک کی قیادت کی اور اب جبکہ وہ خود وطن واپس آ گئے ہیں یا دوسرے الفاظ میں خود میدان میں کود پڑے ہیں، اب ان کی عملی فراست کا امتحان شروع ہو گیا ہے۔ گذشتہ سال، ڈیڑھ سال سے بڑی ہمت اور استقلال کے ساتھ تحریک چلانے والے عوام، جناب خمینی کی آمد کے بعد اس یقین سے سرشار ہیں کہ اب جلد ہی وہ اپنی اصل منزل کو پا لیں گے۔ بختیار حکومت کی یہ کوشش اور خواہش ہو گی کہ معاملات کچھ طول پکڑیں، تا کہ عوام نے جناب خمینی کی وطن واپسی سے فوری نتائج کی جو توقعات وابستہ کی تھیں، انہیں دھچکا لگے اور یوں جناب خمینی کی شخصیت کا اثر اور دلکشی متاثر ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب آیت اللہ خمینی ان فیصلہ کن مراحل میں کیا اقدامات کرتے ہیں۔

سی آئی اے اور ایران

امریکی جریدہ "ٹائمز" کے مطابق شاہ نے ایران میں صورتِ حال کے بگاڑ اور اپنی ملک بدری کا ذمہ دار سی آئی اے کو قرار دیا ہے۔ شاہ نے کہا کہ سی آئی اے ایران میں کام کرتی رہی ہے اور وہاں صورتِ حال بگڑنے کی ذمہ داری براہِ راست صدر کارٹر پر عائد ہوتی ہے۔

شاہِ ایران کی "جلاوطنی" کے بعد ہم نے "زندگی" کے ۱۹ جنوری کے شمارے میں) ایران کے موجودہ بحران میں امریکہ کے ردِ عمل کا

اجمالاً ذکر کیا تھا۔ آج ہم ذرا تفصیل کے ساتھ اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں

اس وقت امریکی حلقوں میں ایران کی صورتِ حال سے متعلق مختلف سوال زیرِ بحث ہیں۔ کیا یہ ایران کے بارے میں کارٹر انتظامیہ کی پالیسی کا نقص تھا کہ امریکہ اپنے اہم حلیف کو زوال سے نہ بچا سکا یا شاہ محمد رضا شاہ پہلوی کے خلاف عوامی نفرت کی لہر اتنی گہری اور تند و تیز تھی کہ امریکہ اس کے آگے بند نہ باندھ سکتا تھا۔ یا حقیقت ان دونوں کے بین بین ہے؟

کارٹر انتظامیہ کے پالیسی سازوں کو اصرار ہے کہ ان کے سامنے آخری دم تک شاہ کی حمایت جاری رکھنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ ایران میں امریکہ کے بہت سے معاشی اور فوجی مفادات کے باوجود ان کے بقول، واشنگٹن نہ اس پوزیشن میں تھا کہ شاہ کو اپنے احکامات DICTATE کرا سکے اور نہ اس کے لیے شاہ کے مخالفین کو دبانا ممکن تھا۔

ان کا موقف یہ ہے کہ ویت نام کے تلخ تجربے کے بعد جہاں بیرونِ ملک مداخلت کے متعلق امریکی انتظامیہ کے اختیارات بہت محدود ہو چکے ہیں، وہاں دیگر ممالک میں سی آئی اے کا رول بھی بہت ہی محدود کر دیا گیا ہے۔

کارٹر کے حامیوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ اس خوش فہمی کا شکار رہے کہ شاہ جس طرح ماضی میں مختلف بحرانوں میں سرخرو ہو کر نکلتا رہا، وہ اپنی صلاحیتوں کی بدولت موجودہ بحران پر بھی قابو پا لے گا۔ ایک اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ ہیرالڈ سانڈرز نے گزشتہ ہفتے ایک ہاؤس سب کمیٹی کو بتایا: "شاید ہی کسی کے وہم و گمان میں ہو کہ ایران میں حالات اس انتہا کو پہنچ جائیں گے۔"

دوسری طرف کارٹر انتظامیہ کے ناقدین (ان میں ایران کے متعلق سی آئی اے کا سابق سپیشلسٹ بھی شامل ہے)، کا موقف یہ ہے کہ ایران میں موجودہ صورتِ حال کا سبب یہ ہے کہ سی آئی اے اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ ایران میں شاہ کی مخالفت قوتوں کی گہرائی اور وسعت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکا۔ کارٹر اور اس کے ماہرین ایران کے اس بحران کے دوران میں عجب متضاد رویوں کا مظاہرہ کرتے رہے۔ ان ناقدین کا کہنا ہے کہ امریکہ نے شاہ کو ملک چھوڑ جانے کا مشورہ اتنی تاخیر سے دیا، جب حالات کی تند و تیز اور سرکش لہروں کے سامنے بند باندھنا ناممکن ہو چکا تھا اور معتدل بختیار حکومت کی کامیابی کے امکانات معدوم تر ہو گئے تھے۔

یہ حقیقت کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ امریکہ شروع ہی سے شاہ کے خلاف نفرت کے طوفان کا صحیح اندازہ نہ کر سکا۔ باوجودیکہ بعض نچلے درجے کے امریکی افسران یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ ایران میں شاہ کو اب پہلی سی بھرپور تائید و حمایت حاصل نہیں رہی، اس کے باوجود امریکی صدر کارٹر ایران کو "استحکام کا جزیرہ" قرار دیتے رہے۔ اگست میں جب ایران میں شاہ کے خلاف نفرت کا لاوا بہہ نکلا تھا، سی آئی اے نے وائٹ ہاؤس کو اپنے اہم ترین خفیہ پیغام کے ذریعے مطلع کیا: "ایران قطعاً کسی انقلابی صورتِ حال یا انقلاب سے قبل کی صورتِ حال سے دوچار نہیں۔" ستمبر میں یورپ اور مشرقِ وسطیٰ سے متعلق ہاؤس سب کمیٹی کے چیئرمین لی ہیملٹن نے کہا: "تہران میں امریکی سفیر ولیم سلیوان کے خیال میں ایران میں گڑبڑ کوئی تشویش ناک بات نہیں اور اس سے شاہ کے مستقبل کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔"

امریکی ڈپلومیٹس نے ایران کے متوسط طبقے، دانشوروں، طلبا اور مذہبی راہنماؤں سے رابطے کی قطعاً ضرورت محسوس نہ کی۔ ایران میں امریکی سفارت خانے کے عملے میں نومبر کے اختتام تک ایرانی مذہبی معاملات کے متعلق کوئی ایک سپیشلسٹ بھی موجود نہ تھا اور امریکہ کا شاہ کے سرکردہ سیاسی مخالفین آیت اللہ خمینی اور نیشنل فرنٹ کے لیڈر کریم سنجابی سے کوئی رابطہ نہ تھا۔

جون ۱۹۷۷ء میں ولیم سلیوان ایران میں امریکی سفیر بن کر آئے۔ شاہ کے ساتھ بہت قریبی تعلقات رکھنے والے، جنوب مشرقی ایشیا کے معاملات کے اس ماہر کی ایران کے متعلق معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ مسٹر ولیم سلیوان نے کئی ڈپلومیٹس کے روبرو یہ اعتراف کیا: "میں ان لوگوں کو نہیں سمجھ سکا۔ یہ ایشیا کے دیگر لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ناقابلِ تسخیر ہیں۔"

شاہ ایران کو درپیش ان فیصلہ کن مراحل میں امریکہ شاید اس لئے بھی کوئی بھرپور اور مؤثر کردار ادا نہ کر سکا کہ خارجہ امور سے متعلق کارٹر کے چوٹی کے مشیر امریکی خارجہ پالیسی کے بعض دوسرے اہم معاملات میں پھنسے ہوئے تھے۔ خود کارٹر اور وانس کیمپ ڈیوڈ میں الجھے ہوئے تھے اور برزنسکی چین کے ساتھ مصروف تھا، چنانچہ کارٹر کے یہ دونوں اہم ترین مشیر، وانس اور برزنسکی، نومبر کے اوائل تک ایران کے بحران پر قطعاً توجہ نہ دے سکے۔

پھر کارٹر انتظامیہ نے خرابیٔ بسیار کے بعد ایران کے بحران کے متعلق جو اقدامات کیے، وہ بھی بڑے غیر مربوط تھے۔ امریکہ کے طیارہ بردار بحری بیڑے کو حکم دیا گیا کہ (روسیوں کو انتباہ کے طور پر) وہ فلپائن سے بحیرۂ جنوبی چین کی جانب بڑھے، لیکن پھر اس خوف سے کہ کہیں یہ اقدام ایرانی عوام کے جذبات کو مزید بھڑکانے کا باعث نہ ہو، اسے بحرِ ہند میں داخل ہونے کا حکم نہ دیا گیا۔

برزنسکی نے نیٹو کے ڈپٹی کمانڈر جنرل رابرٹ ہائیسر کو تہران بھیجا کہ وہ ایران کے فوجی حکام کو متوقع انقلاب کے خطرے سے آگاہ کر سکیں، لیکن کارٹر انتظامیہ کی نااہلی ملاحظہ ہو کہ وہ تہران میں امریکی سفیر مسٹر سلیوان کو رابرٹ ہائیسر کی آمد سے مطلع نہ کر سکی۔

ایران کے بارے میں امریکہ کا رول اس لئے بھی زیادہ مؤثر نہ ہوا کہ کارٹر کے یہ دونوں مشیر، وانس اور برزنسکی اس بحران سے متعلق متضاد رائے رکھتے تھے۔ برزنسکی کو اس بحران میں روس کی مہم جوئی نظر آتی تھی، جبکہ وانس کے خیال میں یہ بحران بنیادی طور پر ایران میں پائے جانے والے اندرونی اضطراب کا نتیجہ تھا۔

بہرحال یہ حقیقت ناقابلِ تردید ہے کہ امریکہ نے شاہ پر اندھا اعتماد کیا اور امریکیوں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ امریکہ نے ایران کے مستقبل کو نظر انداز کر دیا، ایران کا مستقبل جو شاہ سے نہیں، خمینی سے وابستہ ہے۔

●●

نمائندہ زندگی

مکتوبِ تہران

بہت سے لوگوں کی یہ رائے ہے کہ شاہ پور کے ذریعے امریکہ نے اپنے مفادات کی نگرانی کے لیے شاہ کی ذات کو بھی داؤ پر لگا دیا (اگرچہ یہ حالات کا تقاضا تھا)، مگر ترپ کا یہ پتہ بھی بے کار گیا۔ شاہ پور بختیار نے سوشلسٹ ری پبلک کی جو اصطلاح استعمال کی، اسے بھی لوگوں نے پسند نہیں کیا۔ کچھ لوگ اسے اب بھی ڈاکٹر کریم سنجابی کی جبہ ملی کی ملی بھگت قرار دے رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ڈاکٹر سنجابی آیت اللہ خمینی کے ڈر کی وجہ سے براہِ راست حکومت میں آنے سے ہچکچا رہا تھا؛ لہٰذا ڈاکٹر شاہ پور کو آگے کیا اور پھر لوگوں کے وسیع احتجاج پر فوراً اسے اپنی پارٹی سے خارج کر دیا۔ اس ایک واقع سے شاہ کا ملک چھوڑنا بہرحال حقیقت کا روپ اختیار کر گیا اور اس کے چند وفادار بھی اس کا ساتھ چھوڑ دینے پر مجبور ہو گئے۔

اس وقت پورے ملک پر آیت اللہ خمینی کا نام حکومت کر رہا ہے۔ کوئی ٹرک ڈرائیور خمینی کی تصویر لگائے بغیر سڑک پر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا، کوئی دکان دار خمینی کی تصویر کے بغیر دکان نہیں کھول سکتا، یہاں تک کہ بہت سے سرکاری دفتروں میں شاہ کی تصویریں اتار کر خمینی کی تصویریں لگا دی گئی ہیں۔

جدید ایران میں یہ انقلاب بہت ہی عجیب محسوس ہو رہا ہے اور خمینی کے لیے لوگوں کے جذبات کی اگر صحیح تصویر کھینچوں، تو آپ شاید یہ سمجھیں، مبالغے سے کام لے رہا ہوں۔ بہت سے لوگ اور تقریباً تمام اخبارات آیت اللہ خمینی کو امام کا درجہ دے چکے ہیں اور بعض تو دبے لفظوں میں اور بعض ببانگِ دہل امام مہدی کی تمام خصوصیات اس شخصیت میں تلاش کر رہے ہیں۔

میرے خیال میں اب یہاں نیا معرکہ جبہ ملی اور علماء کے درمیان ہو گا جس میں ظاہر ہے عوام اور فوج ایک دفعہ پھر مختلف سمتوں کا رُخ کریں گے۔ مذہب سے باغی مغرب پرست جو شاہ کے دور کی پیداوار ہیں اور مذہب سے باغی اشتراکیت پسند امید ہے اکٹھے ہو جائیں گے، لیکن اگر خمینی نے اپنی بصیرت سے صحیح کام لیا، تو اس کی جادو اثر شخصیت کے لیے ان لوگوں کو محکوم کرنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا اور اگر پاکستان کی طرح علما کے اندر خمینی سے حسد اور بغض پیدا ہو گیا، تو ایران کا حشر بھی پاکستان جیسا ہو گا۔ مولانا مودودی کے بیان کا یہاں کافی چرچا ہوا کہ پاکستان کے ایک سُنّی عالم نے ایران کی ملت کی حمایت کی ہے، اس وجہ سے پاکستانیوں کو جو یہاں رہ رہے ہیں، کافی فائدہ پہنچا ہے۔

مشہد سے ہمارے نمائندے کی اطلاع کے مطابق وہاں کے ہسپتالوں میں عالمگیر اسلامی اتحاد کے نقیب جلال الدین افغانی اور علامہ اقبال کی تصاویر بکثرت نظر آتی ہیں۔

●●

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۝
بیشک اللہ کے نزدیک اسلام ہی پسندیدہ دین ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝
اللہ بڑا مغفرت اور رحم کرنے والا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

اور ہم نے آپ کو سارے جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا

آنحضورؐ نے عالم انسانیت کو ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات دیا جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنے لئے اپنے اہل و عیال اپنے خاندان اپنے ملک و قوم کے لئے اور دنیا کے لئے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کر سکتے ہیں جس میں انسانی مساوات بھی معاشرتی انصاف بھی محبت و اخوت بھی اور ترقی و خوشحالی بھی۔

ہم ایک ایسے معاشرے میں رہ رہے تھے جس میں سودی نظام جیسی لعنت اور اسلامی اصولوں کی نفی ہو رہی تھی۔ مگر آج اس مبارک دن جس دن سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، افضل الانبیاء سید البشر احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی، یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم اسلامی طرزِ معیشت کے اصولوں کو اپناتے ہوئے ایک ایسے معاشی نظام کو اپنا سکتے ہیں جس میں سود کی کوئی گنجائش نہ ہو اور زکوٰۃ سے عوامی فلاح اور معاشی خوشحالی کی وہی منزل پا سکتے ہیں جس کا مظاہرہ خلافتِ راشدہ کے ادوار میں ہوا جب اسلامی طرزِ معیشت پر عمل درآمد کے سبب معاشرے میں اس قدر خوشحالی ہو گئی تھی کہ زکوٰۃ دینے والے بہت تھے۔ مگر زکوٰۃ لینے والا ڈھونڈے نہ ملتا تھا۔

آج ہم حکومت پاکستان کو مبارکباد دیتے ہیں اس نے ملک میں اسلامی نفاذ کیلئے اتنا مبارک اور مقدس دن چنا۔

اسلامی نظام ہی ہماری منزل اور یہی ہماری فلاح

اس مبارک موقع پر آئی سی ایف حکومت کی اسلامی نظام نافذ کرنے کی کوشش میں اور قوم کی خوشیوں میں برابر کی شریک ہے۔

ICF

انڈسٹریل اینڈ کمرشل فنانس لمیٹڈ

محفوظ سرمایہ کاری اور معقول منافع کا ضامن

ADKRAFT

جنوب مشرقی ایشیا میں تشویش کی لہر

نام پنہہ پر ویت نام کے قبضے سے جہاں کمبوڈیا جنگ کی صورتحال سے دوچار ہے، وہاں اس علاقے کے دوسرے ممالک کے لئے بھی کئی الجھنیں اور سوالات باعث تشویش ہیں۔

۱۔ ویت نام کے وزیرِ اعظم فام وان ڈونگ نے ایسین کے رکن ممالک کو یہ یقین دلایا تھا کہ وہ اس علاقے کے استحکام اور علاقائی امن و امان کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انہوں نے یہ بات محض دھوکہ دینے کے لئے کہی تھی یا وہ آئندہ بھی اسی طرح علاقائی امن و تہہ بالا کرتے رہیں گے۔

۲۔ کیا ویت نام اپنا یہ فرض سمجھتا ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا میں جو ممالک روس کے حامی نہیں، وہ ان پر چڑھائی کرے۔

۳۔ اگر ویت نام ایک کمیونسٹ ملک کمبوڈیا پر قبضہ کرنے کی کوشش کر سکتا ہے، تو تھائی لینڈ اور ملائشیا جیسے غیر کمیونسٹ ممالک کو کیسے معاف کرے گا؟

کیا ان حالات میں ایسین کے رکن ممالک یہ سوچنے پر مجبور نہ ہوں گے کہ ان کو اپنے اجتماعی دفاع کے انتظامات کرنے چاہئیں اور شاید وہ فوجی معاہدہ کرنے پر بھی غور کریں۔

یہ تو ان ممالک کی صورتِ حال ہے جو ویت نام کے قریبی ہمسائے ہیں اور جن کے دارالحکومتوں میں حالیہ واقعات نے سنسنی کی لہر دوڑا دی ہے۔ علاوہ ازیں دور دراز کے ملک بھی ان حالات کی سنگینی کا احساس رکھتے ہیں۔

سویڈن نے یہ تنبیہہ کر دی ہے کہ اگر ویت نام نے نام پنہہ کا قبضہ نہ چھوڑا تو سیکنڈے نیویا کے ممالک اس کی امداد بند کر دیں گے۔ ادھر آسٹریلیا نے زرعی شعبے میں ویت نام کے ساتھ تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ جاپان کے سرکاری حلقے بھی ایسے ہی جذبات رکھتے ہیں۔ اس علاقے کے ممالک میں سب سے زیادہ تشویش تھائی لینڈ کو ہے، کیونکہ اس کی سرحدیں کمبوڈیا کے ساتھ ملتی ہیں اور ویت نام کا آئندہ شکار وہی بن سکتا ہے۔ اسی وجہ سے امریکہ نے تھائی لینڈ کی فوجی امداد میں ۶ ملین ڈالر کے اضافے کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ اب اس طرح امریکہ کی طرف سے اسے دی گئی مجموعی فوجی امداد ۳۰ ملین ڈالر ہو جائیگی۔

حالات کا جائزہ لے رہے ہیں

ایسین کے ایک رکن ملک ملائشیا کے وزیرِ اعظم داتو حسین بن عون نے صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ہم فی الحال حالات کا جائزہ لے رہے ہیں اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کیا رُخ اختیار کرتے ہیں"۔ جب کہ ملائشیا کے نائب وزیرِ اعظم کا کہنا ہے "ان کا ملک کمبوڈیا پر حملے پر خوش نہیں۔ اس طرح علاقے میں استحکام کو دھچکا لگا ہے۔"

ویت نام کے اس اقدام کے اثرات تھائی لینڈ، ملائشیا اور سنگاپور پر پڑیں گے۔ اس صورتِ حال میں ہمیں اپنا لائحہ عمل بنانا پڑیگا۔ ملائشیا کے وزیرِ خارجہ تنکو عبدالرحمان نے بھی کمبوڈیا پر حملے کی سخت مذمت کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ ویت نام کو نام پنہہ سے اپنی فوجیں واپس بلا لینی چاہئیں۔

جاپان کا ردِّ عمل

جاپان بھی ان حالات سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا، لیکن اس کا رویہ یہ ہے کہ ایسین کو فوجی بلاک نہ بنایا جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ امریکہ، چین اور روس کے ساتھ اس کے تعلقات خوشگوار رہیں۔ جنوب مشرقی ایشیا کے ایک سفارت کار کا کہنا ہے کہ دیکھنا یہ ہے کہ جاپان ویت نام کے بارے میں کیا حکمتِ عملی اختیار کرتا ہے۔ عام طور پر اس کا طرزِ عمل مصالحت کا ہی رہا ہے۔ وہ ایشین کے ممالک کے استحکام میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا اور اگر کل کمونسٹ کسی اور ملک پر قابض ہو جائیں، تو جاپان ایک سال تک انتظار کرے گا، پھر وہاں اپنا تجارتی مشن کھول دے گا۔ ہم نے برسوں یہ سوچا ہے کہ جاپان علاقے کے دوسرے ممالک کی سالمیت کو اپنی سالمیت کے برابر سمجھتا ہے، لیکن ہمارا یہ خیال غلط نکلا۔ جاپان کو صرف اپنی بقا سے دلچسپی ہے۔

ایسین کے رکن ممالک میں سے انڈونیشیا اس بات پر مصر ہے کہ اسے سیاسی یا فوجی اتحاد نہ بنایا جائے۔ وہ اس تنظیم کے دوسرے ممالک سے زیادہ فوج رکھتے ہوئے بھی اجتماعی دفاعی ذمہ داریاں قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ ایک مبصر کے مطابق انڈونیشیا صرف اپنی آزادی اور خود مختاری کے لئے ہتھیار اٹھاتا ہے۔ وہ اپنی سرحدوں سے باہر کسی ملک کی حمایت میں لڑنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔

فلپائن بھی ان حالات پر خوش نہیں، لیکن اسے بعض دوسرے ممالک جتنی تشویش بھی نہیں ہے۔ اس ملک کے فوجی حلقوں کا خیال یہ ہے کہ اگر ویت نام تھائی لینڈ پر حملہ نہیں کرتا، تو ایسین کو فوجی تنظیم بنانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ان کے مطابق یہ ادارہ سماجی اور اقتصادی حالت کو سدھارنے پر توجہ مرکوز رکھے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

بہر نوع جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کے لئے ویت نام نے ایک چیلنج پیدا کر دیا ہے۔ ان کو ایسی حکمتِ عملی وضع کرنا پڑے گی کہ کمونسٹ توسیع پسندانہ قومیں ایک ایک کر کے علاقے کے سب ملکوں پر قبضہ کرنے کا حوصلہ نہ پائیں۔

جھڑپیں

ایک طرف تو ویت نام اور کمبوڈیا کے ہمسایہ ممالک حالات کا جائزہ لے رہے ہیں، تو دوسری طرف جھڑپیں ابھی تک جاری ہیں۔ ۲ فروری کو نام پنہہ سے چھ میل کے فاصلے پر جھڑپوں کی خبر ملی ہے۔ پول پوٹ کے حامی سپاہی تخماؤ کے علاقے پر قبضہ کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ اسی علاقے میں جھڑپوں کے نتیجے میں پانچ سوویت نامی ہلاک ہوئے، چھ ٹینک اور ایک ملٹری ٹرک تباہ کر دیا گیا۔ ہائی وے نمبر ۴، ۵ اور ۶ پر بھی لڑائی جاری ہے۔

کریک کے جنگلات میں بھی چھاپہ مار جنگ ہو رہی ہے۔ ویتنام کے سرحدی علاقے کے قریب ہائی وے نمبر ۱ پر جھڑپیں جاری ہیں۔ ۴ فروری کو ہانگ کانگ سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق پول پوٹ کی حامی فوجیں منظم طور پر جنگ لڑ رہی ہیں۔ اس سلسلے میں یکم اور ۲ فروری کو جمہوریہ کمبوڈیا کے دستوں کی ایک دو روزہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ مختلف محاذوں کے ۱۸۳ نمائندوں نے اس میں شرکت کی۔ اس میں ویتنامی جارحیت پسندوں کے خلاف جنگ جاری رکھنے کا عہد کیا گیا۔

دریں اثنا یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ وزیرِ اعظم پول پوٹ اور صدر کھیو سمفن زندہ ہیں اور جنگلات میں گوریلا جنگ کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ ۴ فروری ہی کی اطلاعات میں بتایا گیا ہے کہ ویل رہن کے علاقے میں پول پوٹ کی حامی فوجوں نے شاہراہ کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ ادھر سندولکری، کمپونگ چانگ، کوہ کونگ اور تھائی لینڈ کی سرحدوں کے قریب جھڑپیں ہو رہی ہیں۔

جمہوریہ کمبوڈیا کے حامی فوجی محاذ جنگ پر تیزی سے کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں اور ویت نام کے لئے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ بغیر کسی چیلنج کے کمبوڈیا پر اپنا غاصبانہ قبضہ مستحکم کر لے۔

اطلاعِ عام

ایک عدد سائیکل اردو ڈائجسٹ پرنٹرز سرکلر روڈ لاہور سے ملی ہے جن صاحب کی ہو نشانی بتا کر لے جائیں۔

رابطہ کے لئے ـــــــــــ خالد اعجاز

دفتر ہفت روزہ زندگی سمن آباد لاہور، فون نمبر ۴۱۳۷۶۰

رفیق ڈوگر

● تحریک استقلال —— اقتدار کے لئے جتن

● مسلم کانفرنس کے تین نکات

مسلم لیگ اتحاد کی بھول بھلیوں میں

پاکستان مسلم لیگ (پگارہ گروپ) نے ۷۲ گھنٹے کی جو یک طرفہ مصالحتی مدت مقرر کی تھی، وہ ختم ہو چکی ہے۔ ابھی تک نہ ہی مصالحتی بات کا آغاز ہوا ہے اور نہ ہی انہوں نے اتحاد سے علیحدگی کا اعلان کیا ہے۔ آٹھ فروری کو کراچی میں زونل صدروں کے اجلاس کے بعد کوئی فیصلہ متوقع ہے۔ صدر مملکت سے جناب پیر پگارہ کی ملاقات کے بعد بعض سیاسی حلقوں نے امید ظاہر کی تھی کہ دونوں گروپ کسی مصالحتی فارمولے پر متفق ہو جائیں گے، لیکن اخباری خبروں کے بعد پگارہ گروپ نے قانون دان سیکرٹری جنرل جناب ایس ایم ظفر نے جو فارمولہ اخبارات کو جاری کیا اور اس کے ساتھ جو وضاحت آمیز دھمکیاں دیں، انہیں دیکھ کر نیت پر شبہ نہ بھی کہیں تو بھی مصالحت میں شبہ ظاہر کیا جانے لگا تھا۔ انہوں نے انکشاف فرمایا کہ ان کے صدر جناب پیر پگارہ نے ۱۹۷۵ء میں مسلم لیگ کے کونسلروں کی تیار کردہ فہرست پر اتفاق کر کے انہیں ثالث مقرر کیا ہے۔ (۲) کونسلروں کی یہ فہرست تنازعے سے بالاتر ہے (۳) مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کونسلروں کے فیصلے کی پابند ہوگی۔ (۴) بات چیت کا مقصد دوسرے گروپ کو اس فیصلے کا پابند کرنا ہے۔ (۵) فیصلے کے لئے ۷۲ گھنٹے پورے خلوص سے مقرر کئے گئے ہیں۔ (۶) ۱۲ ربیع الاول تک مسلم لیگ متحد ہو جائے گی اور قوم کو محاذ آرائی اور انتہا پسندی سے بچانے کے لئے اہم کردار ادا کرے گی (۷) مسلم لیگ نے (ان کے گروپ نے) کسی بھی سطح پر دو مسلم لیگوں کو تسلیم کرنے کی تجویز مسترد کر دی ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ مسلم لیگ صرف ایک ہے اور جو لوگ مسلم لیگ سے الگ ہو گئے ہیں، وہ مسلم لیگ کی نمائندگی نہیں کرتے۔ (۸) حکومت یا اتحاد جو بھی بلاواسطہ یا بالواسطہ طریقے پر دو مسلم لیگوں کو تسلیم کرے گا، اس کی کارروائی کو ہم پاکستان مسلم لیگ اور ملک کے مفاد کے منافی سمجھیں گے۔ (۹) انہوں نے وفاقی کابینہ میں وزیروں کی تعداد بڑھا کر ان کے گروپ کو وزارت میں نمائندگی دینے کی تجویز کے بارے میں خبر کو غلط قرار دیا اور فرمایا کہ کابینہ میں وزیر بھیجنے کا تصور میرے گروپ کی سوچ کے منافی ہے، بلکہ وہ وزیروں کو واپس بلانے پر غور کر رہی ہے، کیونکہ اس پر خاصا اخلاقی دباؤ ہے۔

جناب ایس ایم ظفر کی اس وضاحت کی روشنی میں مصالحت کی کوئی صورت بھی ممکن نہیں رہی تھی۔ ۱۹۷۵ء کے کونسلروں کی جس فہرست کا انہوں نے ذکر کیا ہے، وہ کونسل اور کنونشن مسلم لیگ کے اتحاد کے وقت باہمی سمجھوتے کے نتیجے میں تیار کی گئی تھی۔ بعد میں زاہد سرفراز گروپ جب شامل ہوا تو اس قرارداد کے تحت اس کے گروپ کے چالیس کونسلر نامزد کرنے کا بھی وعدہ کیا گیا تھا۔ اس مصالحتی فارمولے میں وہ چالیس کونسلر شامل نہیں کئے گئے۔ اگرچہ چٹھہ گروپ نے اس کی شمولیت پر اصرار نہیں کیا اور بجا طور پر دعویٰ کیا ہے کہ ان کے علاوہ بھی انہیں زیادہ کونسلروں کی حمایت حاصل ہے۔ ایس ایم ظفر نے یہ کہہ کر کہ "کونسلروں کی یہ فہرست تنازعے سے بالاتر ہے۔ خود ہی اس کے متنازعہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ ایک طرف وہ ۱۲ ربیع الاول کو مسلم لیگ کے اتحاد کی خوش خبری سنا رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلم لیگ کسی بھی سطح پر دو نہیں صرف ایک ہے یعنی وہی مسلم لیگ ہے، جس کے وہ خود سیکرٹری جنرل اور پیر پگارہ صدر ہیں اور اس مسلم لیگ کا ایک آدھ کے سوا کوئی فرد بھی شامل نہیں جو ایوب خان کے زمانے سے جس کے وہ خود وزیر ہوتے تھے۔ آمریت کے خلاف لڑتی رہی ہے۔ نہ صرف یہ کہ بلکہ وہ حکومت اور اتحاد کو بھی دھمکی دے رہے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی نے اس گروپ کو مسلم لیگ تسلیم کیا، تو وہ اسے ملک اور قوم کے مفاد کے منافی سمجھیں گے۔ پھر وہ یہ بھی انکشاف کرتے ہیں کہ ان کی عاملہ نے فیصلہ کیا ہے کہ جو لوگ مسلم لیگ سے الگ ہو گئے ہیں، وہ مسلم لیگ کی نمائندگی نہیں کرتے۔ عاملہ کے فیصلے سے اگر نمائندگی اور غیر نمائندگی کا مسئلہ حل ہو سکے، تو پھر ان کے گروپ اور اس کے سرکردہ رہنماؤں کے بارے میں مخالف گروپ کی عاملہ کے ایسے فیصلے میں زیادہ وزن ہوگا کہ ان کے اکثر سرگرم ساتھی بھٹو کے ساتھ رہے ہیں یا بھٹو کے جانے کے بعد سیاسی اور ذاتی مفاد کی خاطر مسلم لیگ میں آئے ہیں کسی اصول کے مطابق نہیں۔ وزیروں کو واپس بلانے کے سلسلے میں مبینہ اخلاقی دباؤ کا ذکر کر کے انہوں نے مصالحت کا دروازہ مزید بند کر دیا تھا، جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ پرنالہ وہیں رہے گا اور پھر کونسے وزیر، جب وہ مسلم لیگی ہی نہیں تو انہیں فیصلہ کرنے کا کیا اختیار ہے۔ اسی روز راولپنڈی میں مخالف گروپ کے صدر چودھری محمد حسین چٹھہ نے چوہدری ظہور الٰہی اور خواجہ صفدر سے دو گھنٹے بات چیت کی۔ اس موقعے پر چوہدری ظہور الٰہی نے اتحاد کی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم آگے بڑھنے کو تیار ہیں، مگر مسلم لیگ کو کسی کی جاگیر ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اسی روز کراچی میں مسلم لیگ کے تیسرے گروپ کے صدر خان قیوم نے صدارتی نظام کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا کہ قیام پاکستان کے مخالف نظام مصطفےٰ کی باتیں کر رہے ہیں۔ ان کے گروپ کے سینئر نائب صدر نے ان مسلم لیگی رہنماؤں پر سخت تنقید کی جن کی وجہ سے مسلم لیگ کی صفوں میں پھوٹ پڑی ہے اور کہا کہ وہ جمہوری قدروں کو قتل کر رہے ہیں۔ ان کے مطابق خان قیوم نے ملک کے عظیم تر مفاد میں ادغام کا فیصلہ کیا تھا، لیکن جب پگارہ اور چٹھہ گروپ عوام کی امنگوں پر پورے نہ اترے، تو وہ بھی الگ ہو گئے۔ پیر پگارہ گروپ کے فارمولے کے جواب میں چوہدری محمد حسین چٹھہ نے لاہور میں مختلف اجلاسوں سے خطاب کرتے ہوئے ایک اور فارمولا پیش کیا کہ دونوں گروپوں کے صدر مستعفی ہو جائیں۔ کونسلروں کی متفقہ فہرست کے تحت خواجہ قمر الدین کی صدارت میں کونسلروں کا اجلاس ہو، جو مسلم لیگ کے نئے صدر کا انتخاب کرے۔

اپنے مستعفی ہونے کی پیش کش کرتے ہوئے انہوں نے خان قیوم کو بھی اس میں شامل کرنے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ ہم تینوں میں سے کسی کو بھی مسلم لیگ کی صدارت کے لئے امیدوار نہیں ہونا چاہیئے۔ انہوں نے پیر پگارا کے ۷۲ گھنٹوں کے جواب میں ایسے اجلاس اور انتخاب کے لئے ۴۸ گھنٹے کی مدت مقرر کی اور کہا کہ اخبارات، قومی اتحاد اور حکومت کو مسلم لیگ کو فٹ بال نہیں بنانا چاہیئے۔ چوہدری محمد حسین چٹھہ نے کہا کہ جو کونسلر کراچی گئے تھے۔ ان میں ۱۹۷۵ء کی فہرست میں سے صرف تین درجن شامل تھے۔ باقی لاہور آئے تھے اور انہوں نے پیر پگارہ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پاس کر کے انہیں صدارت سے علیحدہ کر دیا تھا اور ۲۹ نومبر کا کراچی کا اجلاس غیر قانونی تھا۔ اس کے باوجود میں نے یہی فارمولا پیش کیا تھا اور اس پر اب بھی قائم ہوں۔ انہوں نے مزید کہا کہ مسلم لیگ کا صدر ایسے شخص کو منتخب کیا جائے جو پاکستان کو انگریز کا تحفہ قرار نہ دیتا ہو، جس نے پاکستان کو توڑنے والی جماعت کا ساتھ نہ دیا ہو اور نظریۂ پاکستان پر یقین رکھتا ہو۔ ایک طرف انہوں نے اس بات کی شکایت کی کہ پاکستان قومی اتحاد نے مسلم لیگ کے اتحاد کے لئے عملی طور پر کچھ نہیں کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "صرف مصالحت یا صلح سے بات نہیں بنتی، اس کا یہ بھی طریقہ نہیں کہ باہر والے بلالیں۔ اتحاد اسی طریقے سے ہو سکتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔" چٹھہ گروپ کے سیکرٹری جنرل ملک محمد قاسم نے لاہور میں ایک اخباری انٹرویو میں کہا کہ مسلم لیگ میں پیر پگارہ سے میری ذاتی لڑائی نہیں، اصولوں کا معاملہ ہے۔ ذاتی لڑائی کا ذکر کرنے والے خان قیوم کا ماضی اور پیر پگارا کے بیانات دیکھ لیں۔ اس خیال کے پیچھے خفیہ ہاتھ ہے جو سیاستدانوں کو ذلیل کرنا چاہتا

ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں کو ذلیل کرنے سے ملک قوم اور حکومت کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ سیاسی جماعتوں کو تباہ کرنے سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔" پیر پگارا گروپ کے رہنما، صدر رانا خداداد نے چوہدری محمد حسین چٹھہ کے فارمولے کا اخباری جواب جاری کیا اور فرمایا کہ ان کی تجویز عوام سے مذاق ہے اور کہا کہ انہیں اپنے بارے میں یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہے کہ وہ مسلم لیگ کی قیادت کے اہل ہیں یا نہیں، لیکن پیر پگارا کے بارے میں انہیں یہ کیسے الہام ہوا کہ مسلم لیگی پیر پگارا کو نہیں چاہتے۔

اس گروپ کے سیکرٹری جنرل جناب ایس ایم ظفر نے ان سے بھی آگے بڑھ کر چٹھہ صاحب کو جواب دیا کہ چوہدری محمد حسین چٹھہ ان کے فارمولے کو سمجھتے ہی نہیں اور نہ گاندھی کی طرح دلائل کی سیاست کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ کراچی کے اجلاس میں اتحاد سے علیحدگی کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا اور کہا کہ اگر حکومت مصالحت میں مخلص تھی، تو اس نے ۲۹ نومبر کو پیر پگاڑہ کے اجلاس میں چاروں وزراء کو کیوں شامل ہونے کو نہ کہا۔ اسی بیان بازی کے دوران میں چار فروری کو رانا خداداد جماعت اسلامی کے ہیڈکوارٹر منصورہ گئے اور جماعت کے رہنماؤں کو بعض وضاحتیں پیش کیں۔ پاکستان قومی اتحاد کے سابق سیکرٹری جنرل اور وفاقی وزیر پروفیسر غفور نے پانچ فروری کو کراچی میں پیر پگاڑہ سے ملاقات کی۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پاکستان قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود نے صدر مملکت جنرل ضیاء الحق سے جو اہم ملاقات کی تھی اور جس میں صوبائی حکومتوں کے قیام اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے معاملات زیر بحث آئے تھے، وہ مسلم لیگ کے باہمی اختلافات کی وجہ سے مزید مؤخر ہو سکتی ہے۔

مسلم کانفرنس

آل جموں اینڈ کشمیر مسلم کانفرنس نے حکومت سے اختلافات ختم نہ ہونے یا ختم کرنے میں ناکامی کے بہانے قومی اتحاد سے علیحدگی کی دھمکی دے رکھی ہے۔ مسلم کانفرنس کا دائرہ سیاست آزاد کشمیر تک محدود ہے، لیکن اس کے باوجود اسے قومی اتحاد میں شامل کیا گیا تھا۔ قومی اتحاد نے مزید احساس شرکت پیدا کرنے کے لیے اس کے نمائندہ سردار سکندر حیات کو اپنا سیکرٹری جنرل بھی بنایا جس سے مسلم لیگ میں انتشار کی ابتدا ہوئی۔ اس کے علاوہ سردار سکندر حیات پاکستانی سیاست اور سیاسی جماعتوں میں اپنا بھرپور رول بھی ادا نہ کر سکے جو اتحاد کے سیکرٹری جنرل کا رول رہا ہے۔ مسلم لیگ کے تنازعہ اور اتحاد کے حکومت سے عدم اطمینان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے بھی علیحدگی کی دھمکی دے ڈالی۔ بعض نے اسے بہتی گنگا میں ہاتھ پاؤں دھونے کے مترادف قرار دیا، لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ مسلم کانفرنس سے علیحدگی مؤخر کرنے کی درخواست کی اور صدر مملکت سے اس مسئلے پر ایک ملاقات بھی کی۔

مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے مفتی ضیاء مذاکرات تک انتظار کے حق میں فیصلہ دینے کے ساتھ ساتھ علیحدگی کا فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار سردار سکندر حیات کو دے دیا ہے۔ گویا پاکستان قومی اتحاد کا سیکرٹری جنرل اتحاد سے علیحدگی کا اعلان کرے گا۔ عاملہ کے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا ہے کہ مسلم کانفرنس اور حکومت کے درمیان کشیدگی کا کوئی معقول جواز نہیں اور نہ یہ کشیدگی ملک اور قوم کے لیے مفید ہے۔

مسلم کانفرنس اور حکومت کے درمیان میں تصفیہ طلب معاملات کا فوری حل ضروری ہے، تاکہ تعمیری قوتیں پھر سے تعمیر کے لئے کام کر سکیں۔ قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اتحاد سے علیحدگی میں التواء مفتی محمود کی اپیل کی وجہ سے کیا گیا ہے اور امید ظاہر کی گئی کہ مسلم کانفرنس کے اختلافات کے بارے میں مفتی ضیاء مذاکرات جلد ہوں گے اور کامیاب ہوں گے۔ اس کے بعد پانچ فروری کو جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے صدر اور پاکستان قومی اتحاد کے سیکرٹری جنرل سردار سکندر حیات نے لیفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی سے طویل ملاقات سے پہلے کوئی ایسا اقدام نہ کرنے کا عزم ظاہر کیا جو بقول ان کے قومی اتحاد کے ساتھیوں کے لئے مشکلات کا باعث ہو سکے۔

مسلم کانفرنس کے بارے میں انہوں نے کہا کہ وہ اپنے پانچ نکاتی مصالحتی فارمولا پر اب بھی قائم ہیں اور اس ملاقات میں سردار سکندر نے یہی فارمولا پیش کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب ہمارا اصرار ان پانچ نکات میں سے صرف تین نکات پر ہے۔

۱۔ صدر آزاد کشمیر کی تبدیلی۔
۲۔ کشمیر میں انتخابات کا اعلان۔
۳۔ نااہلی کے ٹریبونل صرف ہائی کورٹ (آزاد کشمیر) کے ججوں پر مشتمل قائم کرنا۔

تحریک استقلال

پاکستان قومی اتحاد کے باہر کی سیاسی جماعتوں میں پاکستان پیپلز پارٹی، نواب محمد احمد خاں کے بڑے قاتل ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت کی سیاست چلانے کی کوشش کر رہی ہے، جبکہ تحریک استقلال کے سربراہ جناب ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خاں صاحب ان تمام حربوں کو آزما رہے ہیں، جن کے ذریعے ان کے اندازے کے مطابق ذوالفقار علی بھٹو اقتدار میں آیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ بہر صورت اقتدار میں آنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کے پرانے ساتھی اور پاکستان پیپلز پارٹی کے قدیم سیکرٹری جنرل جناب جے رحیم کو بھی اپنی پارٹی میں شامل کر لیا ہے، جنہوں نے شمولیت کے اعلان کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں دوسروں کی تشریح قبول نہیں کریں گے، یعنی روز اول ہی سے وہ حنیف رامے، اصغر خاں، نورانی میاں اور پیر پگارا کی لے میں بات کرنے لگے ہیں۔ انہوں نے کراچی میں بلوچستان کے سابق وزیر اعلیٰ جناب عطاء اللہ مینگل سے بھی ملاقات کی ہے۔

لیکن مینگل کے قریبی حلقوں نے اس امکان کی تردید کی ہے کہ مینگل تحریک میں شامل ہو سکتے ہیں، بلکہ اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ وہ نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی میں شامل ہو جائیں۔ حال ہی میں انہوں نے کراچی میں سردار شیر باز خاں مزاری سے "دوستانہ" ملاقات کی ہے۔ اور پندرہ فروری کو کوئٹہ میں کالعدم نیشنل عوامی پارٹی کے پرانے ساتھیوں کا ایک اہم اجلاس طلب کیا ہے۔ جس میں این ڈی پی میں شمولیت کے ہر پہلو پر غور کیا جائے گا۔

عطاء اللہ مینگل کے انداز گفتگو میں ابھی تک کافی تلخی ہے اور ماضی کے واقعات و تجربات کا ان کے ذہن اور جسم پر کافی اثر ہے۔ اس لئے ان کی تلخ باتیں بھی گوارا ہوتی ہیں۔ کراچی میں انہوں نے کچھ تلخ باتیں بھی کیں۔

جناب ایئر مارشل اصغر خاں نے اپنی پارٹی کو ہر کسی کے لئے قابل قبول بنانے کے لئے اس کے منشور میں وہ باتیں شامل کر دی ہیں، جن کا جناب بزنجو مطالبہ کرتے تھے کہ وفاق کے پاس صرف دفاع، امور خارجہ، خزانہ، مواصلات اور تجارت ہونا چاہئے اور باقی سب محکمے صوبوں کے ہاتھ دے دیے جائیں۔

جناب اصغر خاں نے جس منشور کا اعلان کیا ہے۔ اس میں یہ وعدہ کر دیا گیا ہے لیکن ان کی اس جلد بازی کے باوجود بلوچ رہنما ان کی طرف آنے پر آمادہ دکھائی نہیں دیتے۔ اکبر بگٹی کے بعد بلوچستان سے تحریک کے کونسلر میر اشفاق احمد خاں بلوچ نے بھی تحریک سے استعفیٰ دے دیا ہے اور کہا ہے کہ کراچی اور نواب شاہ میں پارٹی کے حالیہ انتخابات جمہوریت کے منافی تھے۔

اور اسلامی مشاورتی کونسل کو وہ — اسلام کی نمائندہ سمجھتے ہیں کہ جن اسلامی دفعات کا اعلان کیا جا رہا ہے وہ اس کی رہنمائی میں کیا جا رہا ہے جس میں سب علماء شامل ہیں۔ کسی نئے اتحاد کے بارے ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ تحریک استقلال، جمعیت العلمائے پاکستان اور پیر پگاڑہ گروپ کے اتحاد کے ضمن میں پیر پگاڑہ نے فرمایا ہے کہ جمعیت اور مسلم لیگ ایک ہیں۔ ماضی میں کچھ گھپلا ہو گیا تھا۔ اب ہم نے رولر چلا کر اسے دور کر دیا ہے۔ گھپلا سے ان کا اشارہ شاید پاکستان قومی اتحاد کے اس انتخاب کے بارے میں تھا جس کی وجہ سے نورانی میاں نے علیحدگی اختیار کی تھی۔ اس وقت نورانی میاں نے اتحاد کے صدر کے لئے پیر پگاڑہ کا نام پیش کیا تھا، لیکن پیر صاحب نے نہ صرف نورانی میاں کو ڈانٹ کر اپنا نام واپس لے لیا تھا، بلکہ صدارت کے لئے مفتی محمود کا نام پیش کر دیا تھا۔ جمعیت کی علیحدگی کی اصل وجہ یہی ڈانٹ تھی۔ تحریک استقلال کے جنرل سیکرٹری مشیر پیش امام نے پیر پگاڑہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ "پیر صاحب ملکی سیاست میں مسخرے کا کردار ادا کر رہے ہیں" وہ سیاست پر اس طرح سوار ہیں، جیسے یہ بھی ریس کا گھوڑا ہو، پیر صاحب کے ذاتی اور سیاسی مزاج کو سامنے رکھا جائے، تو یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ تحریک کو اس بات پر معاف نہیں کریں گے۔ کراچی میں انہوں نے تحریک کے ساتھ اتحاد کے بارے میں فرمایا ہے کہ "تحریک سے کون اتحاد کر رہا ہے"؟ دوسری طرف تحریک کے سربراہ بھی اعلان کرتے رہتے ہیں کہ وہ کسی جماعت سے اتحاد نہیں کریں گے۔

اعلانِ لاتعلقی

ایم اکبر رانا کا ادارہ "زندگی" سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ ادارہ ان کے کسی لین دین کا ذمہ دار نہیں۔

مسلم قریشی

• گیس سپلائی کا منصوبہ اُدھورا پڑا ہے

• کرائے کے مکانوں کی سخت قلّت ہے

• صفائی کی حالت ناگفتہ بہ۔ سڑکیں خستہ حال

کوئٹہ، بلوچستان کا دارالحکومت ہے، موسم گرما میں اسے غیر ملکی سیاحوں کے علاوہ ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے لوگوں کی میزبانی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ گرمیوں میں جو لوگ موسم کا لطف اٹھانے یا اپنی کسی نجی یا کاروباری ضرورت کے تحت کوئٹہ وارد ہوتے ہیں، ان کی تعداد کوئٹہ کے مستقل باسیوں کی تعداد کے نصف کے قریب ہوتی ہے، گرمیوں میں آبادی بڑھ جانے کے باعث یہ شہر مسائل کا شکار رہتا ہے، پانی کی کمی، صحت و صفائی کی سہولتوں کا فقدان، مچھر مکھیوں کی کثرت، اشیائے صرف کی کمی اور نتیجہ میں مہنگائی ایک عام معمول ہے۔ یہاں دولت مند آتے ہیں جو ہوٹلوں اور مکانوں کے کرایے بڑھا جاتے ہیں۔ ایسے سیلانی بھی آتے ہیں جو فٹ پاتھوں کو آباد کرتے ہیں اور سڑکوں کی رونق بڑھاتے ہیں، جب گرمیوں کی جگہ سردی لینے لگتی ہے، تو شہر کی آبادی میں بھی کمی ہونے لگتی ہے، موسمی "پرندوں" کی واپسی کے بعد سخت سردیوں میں یہاں کے مستقل باشندے ہی سردی جھیلنے کے لئے رہ جاتے ہیں۔ سردیوں میں پانی کی قلت نہیں رہتی اور مچھر مکھیاں بھی غائب ہو جاتی ہیں، مگر دوسرے مسائل سر اٹھانا شروع کر دیتے ہیں۔ سردی کا مقابلہ گرم کپڑوں اور آگ ہی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ کپڑوں کا مسئلہ عام آدمی امریکی اور جاپانی "تحفوں" کے ذریعے حل کر لیتا ہے، مگر کوئلے کی ایک بوری حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ وہ کوئلہ جو بلوچستان ہی میں نکلتا ہے اور جس کی بعض کانوں کا سلسلہ کوئٹہ سے چند میل دور شروع ہوتا ہے شہریوں کی دسترس سے باہر رہتا ہے، مگر یہی کوئلہ اہل ثروت اور کوئلے کے دلالوں کی دولت میں اضافہ کرتا رہتا ہے، پانچ چھ سال پیشتر کوئٹے کو گیس سپلائی کرنے کا جو منصوبہ بنایا گیا تھا، وہ بھی منتظمین کا منہ چڑا رہا ہے، شہر کی آدھی سے زیادہ آبادی تو ویسے ہی گیس سے محروم ہے، مگر جو لوگ اس نعمت سے بہرہ ور ہیں، وہ بھی اس کی ترسیل اور تقسیم کے نظام سے شاکی رہتے ہیں۔ ادھر سردی بڑھی اور گیس گھٹنے لگی۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ لوگ گھروں میں ٹھٹھر رہے ہیں اور گیس غائب۔ عموماً بجلی بھی گیس کی تقلید کرتی ہے۔ جب مصیبت آتی ہے، تو اکیلی نہیں آتی۔ برفباری یا بارشوں کی وجہ سے سردی ہی نہیں بڑھتی سڑکیں بھی متاثر ہوتی ہیں اور ان پر گاڑیوں کی آمد و رفت بند ہو جاتی ہے، چنانچہ مائع گیس جو حیدر آباد سے آتی ہے اور جلانے کی لکڑی جو عموماً پنجاب اور سندھ سے لائی جاتی ہے، ان دونوں کی آمد رک جاتی ہے۔ مٹی کے تیل کے ساتھ بھی کبھی کبھی یہی حادثہ رونما ہو جاتا ہے، چنانچہ ایندھن کی قیمتیں اتنی ہی چڑھتی جاتی ہیں جتنا کہ درجہ حرارت گرتا چلا جاتا ہے۔

کوئٹہ انگریزوں کا آباد کیا ہوا شہر ہے۔ کہتے ہیں جب تک وہ رہے، شہر کی خوبصورتی اور صفائی کا پورا پورا خیال رکھا جاتا رہا اور کوئٹہ ایک مثالی شہر رہا، مگر انہوں نے اس کا حسن لوٹ لیا۔ ملک کی آزادی کے بعد ۱۹۷۰ء میں اسے صوبائی دارالحکومت کا درجہ ملا۔ ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت۔ ہر آنے والے حاکم نے کوئٹہ کے حسن و جمال کو چار چاند لگانے کے اعلان کئے۔ کسی نے کہا اسے چھوٹا پیرس بنا دوں گا۔ کسی کا کہنا تھا اسے لندن سے بڑھ کر سنواروں گا، مگر ہوا اس کے برعکس۔ کوئٹہ جو کچھ تھا، اسے وہ بھی رہنے نہ دیا گیا، اس کا حلیہ بگاڑ دیا گیا ہے۔

صفائی کی حالت ناگفتہ بہ، سڑکیں خستہ و شکستہ جو بارشوں میں جھیل اور ندی نالوں کا منظر پیش کریں، ٹریفک کا مسئلہ لاینحل، تعلیم روبہ زوال، سمگلنگ اور چور بازاری روبہ ترقی، مہنگائی جونک کی طرح شہریوں کے لئے بلائے جان، سرکاری دفاتر رشوت و سفارش کے مکروہ کاروبار کے اڈے، افسر شاہی عروج پر، اور غریب و مفلوک الحال عوام کی حالت زار جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔ دربدر خاک بہ سر۔

روٹی کپڑا اور مکان، اگرچہ ہے تو گھسی پٹی سی اصطلاح مگر ایک حقیقت کی ترجمان اور غماز بھی ہے۔ اس کی کاٹ سے وہی لوگ واقف ہیں، جو خود ان تین میں سے کسی ایک مسئلے سے دوچار ہوں۔ ان تینوں میں سے بھی "مکان" سرفہرست ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پیٹ تو روکھی سوکھی کھا کر بھی بھرا جا سکتا ہے۔ ایک آدھ وقت بغیر کھائے بھی گزارا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کپڑے کا مسئلہ، امریکہ بہادر نے کسی حد تک حل کر دیا ہے، مگر مکان؟ اس کے بغیر سر کہاں چھپایا جائے؟ کھلے میدان میں؟ وہاں کون ٹکنے دے گا؟ سڑک پر؟ میونسپلٹی والے تو سامان بھی اٹھا کر لے جائیں گے، رہ گیا خیمہ تو خیمہ بھی، بے گھر ہونے کا مستقل علاج نہیں۔ برف، بارش، گرمی، سردی اور ٹھنڈی ہواؤں کا مقابلہ وہ نہیں کر سکتا اور خیمہ لگانے کے لئے بھی تو زمین چاہیئے۔

کوئٹہ کے شہریوں کا بھی جو مسئلہ سرفہرست ہے، وہ رہائش ہی کا مسئلہ ہے۔ شہر میں کرائے کے مکانوں کی سخت قلّت ہے۔ مکان کہیں مل بھی جائے، تو کرائے آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ چار کمروں کے معمولی مکان کا کرایہ ڈیڑھ ہزار روپیہ کون ادا کر سکتا ہے۔ کوئی اپنی آمدنی سے اتنا کچھ ماہوار بچا سکتا ہو، تو وہ مکان ہی کیوں نہ بنا لے؟ مکانوں کی اس قلّت اور کرایوں کی زیادتی نے ان کو بھی مصیبت میں ڈال رکھا ہے جو مدتوں سے کرائے کے مکانوں میں ہیں اور ان کو بھی جو نیا مکان کرائے پر لینے کے خواہش مند ہیں۔ پھر کرایہ دار بھی مصیبت میں ہیں اور مالک مکان بھی۔ کرائے بڑھانے، مکان خالی کرانے کے تقاضے، مقدمہ بازیاں، لڑائی جھگڑے، دنگا فساد، نفرت و بیزاری میں اضافہ اور مسئلہ جوں کا توں۔

آج سے دس سال پیشتر کوئٹہ "قلّت مکان" کا شکار نہیں تھا۔ صوبائی دارالحکومت بننے کے بعد آبادی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ صوبائی سیکرٹریٹ قائم ہوا، کئی نئے سرکاری محکمے اور دفاتر کھلے، نیم سرکاری اور غیر سرکاری ادارے قائم ہوئے۔ تعلیمی اداروں میں اضافہ ہوا۔ پولی ٹکنیک انسٹی ٹیوٹ، میڈیکل کالج اور یونیورسٹی قائم ہوئی۔ پی آئی اے، ٹی وی، ریڈیو اور دوسرے متعدد اداروں نے اپنا عملہ بڑھا دیا، مگر آبادی میں اضافہ جس تناسب سے ہوا، رہائشی مکانات اس تناسب سے نہ بن سکے۔ کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے نے اپنے ملازمین کی ضرورت کے مطابق کالونیاں تعمیر نہیں کیں۔ کالجوں اور یونیورسٹی نے بھی طلبہ کی تعداد کے پیش نظر ہاسٹل تعمیر نہیں کئے۔ بعض محکموں اور اداروں نے تو دفاتر تک تعمیر نہیں کئے اور رہائشی مکانوں میں دفاتر قائم کئے۔ اس طرح یہ جہاں رہائشی مکانوں کی قلّت کے باعث بنے وہاں بڑے بڑے اور منہ مانگے کرائے دے کر انہوں نے شہریوں کی

مصیبت میں اضافہ کر دیا۔ پی آئی اے، مختلف بنکوں اور اسی طرح کے نیم خود مختار اداروں نے اپنے ملازمین کے لئے شہر میں بھاری کرائے پر مکان لئے اور کرائے کے نرخوں میں اضافہ کر کے نیا ریکارڈ قائم کیا۔ شہر کے وسط میں رہائشی علاقوں میں نہ صرف پرانے گیراج اور چھوٹی فیکٹریاں بدستور قائم رہیں، بلکہ ان میں اضافہ ہوتا رہا۔ سمگل شدہ سامان بیچنے کے لئے مارکیٹوں کی تعمیر کی ڈور شروع ہوئی، تو رہائشی مکان بھی اس کی زد میں آ گئے اور کئی مکانوں کو تین چار گنا زیادہ قیمت میں خرید کر مارکیٹوں میں بدل دیا گیا۔ سمگلنگ کا کاروبار کرنے والوں کے پاس پیسے کی ریل پیل ہے۔ انہوں نے اپنے رہنے کے لئے شہر میں مہنگے داموں مکان خریدنے شروع کر دیئے۔ ایک طرف یہ صورتِ حال رہی اور دوسری طرف بابرکت عوامی دور میں جو "روٹی کپڑا مکان" کے نعرے کے زور پر آیا تھا، ایک بھی نجی کالونی تعمیر نہیں ہوئی، بلکہ ایک مکان بھی کسی نے اس غرض سے نہیں بنایا کہ وہ اسے کرائے پر دے، کیونکہ اس دور میں یہ افواہ عام گشت کر رہی تھی کہ جس شخص کے پاس ایک سے زیادہ مکان ہوں گے، وہ قومی ملکیت میں لے لئے جائیں گے یا انہیں کرایہ داروں کی ملکیت قرار دیا جائے گا۔ مکانوں کی قلت اور ان کے کرایوں میں اضافے کے سارے اسباب تو جمع ہوتے رہے، مگر ان کا کوئی علاج نہیں کیا گیا۔

کوئٹہ میں اب تک کوئی ایسی جامع ہاؤسنگ سکیم نہیں بنائی گئی جو مسئلے کو حل کر دے۔ ایوبی دور سے ایسے منصوبوں اور سکیموں کا چرچا تو بہت ہوا مگر عملی طور پر کچھ بھی نہیں ہوا۔ ۱۹۷۵ء میں سیٹلائٹ ٹاؤن اور لو کاسٹ ہاؤسنگ کا منصوبہ بنا۔ کوئٹہ امپروومنٹ ٹرسٹ وجود میں لایا گیا۔ ٹرسٹ نے کوئٹہ کے نواح میں دو ہزار کے قریب چھوٹے بڑے پلاٹ تیار کئے۔ سڑکیں بچھائیں، بجلی اور پانی کا انتظام کیا اور نئی بستی کی تمام ضروریات مثلاً مارکیٹیں، اسکول، مساجد اور سینما وغیرہ کی گنجائش رکھی۔ اس بستی کے قریب ہی پھلوں اور سبزیوں کی مارکیٹیں اور بسوں اور ٹرکوں کے اڈے بھی شہر سے باہر منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ کوئٹہ امپروومنٹ ٹرسٹ کی جگہ اب کوئٹہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے لے لی ہے۔ یہ اتھارٹی سیٹلائٹ ٹاؤن سکیم کے ایک کونے میں ایک شاندار دفتر میں ٹھاٹھ باٹھ سے رہتی ہے۔ اب اس نے پلاٹوں کے کاروبار کو وسعت دے دی ہے چنانچہ اتھارٹی شہر کے شمال مغرب میں ایک اور سکیم کو عملی شکل دے رہی ہے۔ ایئر پورٹ روڈ پر کچھ اور پلاٹ تیار کر کے شہریوں کو دوگنی قیمت پر فروخت کرے گی، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان سکیموں سے رہائش کا مسئلہ حل ہو گیا ہے؟ جواب اس سوال کا نفی میں ہے وجہ یہ ہے کہ پلاٹ تو وہ لوگ لینا چاہتے ہیں جن کے پاس مکان نہیں اور جن کے پاس مکان نہیں ان کے پاس نیا مکان بنانے کے لئے پیسہ بھی نہیں۔ یہ پلاٹ اکثر ایسے لوگوں نے خریدے ہیں جو محدود آمدنی والے تنخواہ دار طبقے پر مشتمل ہیں۔ وہ اپنی تنخواہ سے اتنی رقم نہیں بچا سکتے کہ مکان تعمیر کرا سکیں۔ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سے قرض لیں تو بیس سال کی مدت میں سود در سود کی وجہ سے اس کی رقم تین گنا ہو جاتی ہے۔ اس طرح مکان میں منتقل ہونے سے پہلے نام نہاد مالک مکان کا بال بال قرض اور سود میں جکڑا جائے گا اور اس قرض کو آنے والی نسل بمشکل اتار سکے گی۔ پھر ایک مسلمان کا ضمیر "سودی قرضے" پر ہمیشہ اس کو ملامت کرتا رہے گا۔ آخر سود سے پاکستانی شہریوں کو کب چھٹکارا ملے گا؟ بے مکان لوگوں کو صرف پلاٹ نہیں مکان چاہیئے۔ اس لئے ایسا منصوبہ بنانا چاہیئے کہ جن لوگوں کو پلاٹ دیئے گئے ہیں، وہ وہاں مکان تعمیر کر سکیں۔ اس کی قابلِ عمل صورتیں کئی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہر پلاٹ پر ایک ایک کمرہ، باورچی خانہ اور غسل خانہ حکومت تعمیر کر دے اور قیمت آسان قسطوں میں وصول کرے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ بلا سود قرض دے اور تیسری صورت یہ کہ کچھ قرض دے اور کچھ تعمیراتی سامان مناسب نرخوں پر مہیا کرے۔ اس کام کا آغاز یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ہر سال دو تین سو مکان تعمیر کرنے کا انتظام ہو تاکہ ہر سال کچھ لوگ شہر سے نکل کر نئی بستی میں منتقل ہو سکیں۔ شہر پر بھی آبادکاری کا دباؤ کم ہو اور نئی بستیاں بھی بتدریج آباد ہوتی چلی جائیں۔ ہاؤسنگ کے وفاقی وزیر نے حال ہی میں ملازمین کے لئے "سستے مکانوں" کی تعمیر کی خوشخبری سنائی ہے، مگر اس "خوشخبری" سے اہلِ کوئٹہ کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے، حالانکہ اس وقت لاہور، اسلام آباد اور کراچی میں سے ہر ایک شہر کی نسبت کوئٹہ میں مکانوں کی قلت زیادہ ہے اور مکانوں کے کرائے بھی نسبتاً بہت زیادہ ہیں۔ اگر موجودہ حکومت بھی محض اخباری اعلانات اور کاغذی منصوبوں سے لوگوں کے دل نہیں بہلانا چاہتی اور کچھ کر کے دکھانا چاہتی ہے، تو وہ ہاؤسنگ کے میدان کا انتخاب کرے اور اس کے آغاز کے لئے کوئٹہ موزوں ترین شہر ہے۔

●●

رضا اللہ طالب

پولیس کے ملازمین کی سبکدوشی

اس ناانصافی کا ازالہ کیا جائے

بھٹو دور میں سیاسی بھرتیوں کا واویلا مچا کر بے روزگاری کی ایک نئی لہر نے کئی گھرانوں کو مستقل پریشانیوں کے گرداب میں پھنسا دیا ہے۔ سیاسی بنیادوں پر بھرتی اپنی جگہ پر قابلِ مذمت سہی، مگر روزگار کے مسائل کو نظر انداز کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟ پھر یا تو سبھی افراد کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا، تو کسی کو بھی شکوے شکایت کا موقع نہ ملتا، مگر ہوا یہ کہ جوڈیشل سروس، ریونیو، سیکرٹریٹ سروس، وزارتِ خارجہ، محکمۂ تعلیم میں تو ایڈہاک بنیادوں پر بھرتی کئے جانے والے افراد کو مستقل کر کے ان کی ملازمت برقرار رکھی گئی، لیکن محکمۂ پولیس کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا گیا اور اس میں بھی اے ایس آئی کے عہدے پر بھرتی ہونے والے افراد کو قانونی تحفظ فراہم کیا گیا، لیکن سب انسپکٹر، انسپکٹر اور ڈی ایس پی کے عہدے پر بھرتی کئے جانے والے افراد کو انتہائی بے رحمی سے سبکدوش کر دیا گیا۔ ظلم کی داستان کی تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

ستمبر ۱۹۷۶ء میں ڈی ایس پی کے عہدے کے لیے ایڈہاک بھرتی کی گئی۔ ابھی یہ لوگ سہالہ کالج میں زیرِ تربیت تھے کہ مارشل لاء لگ گیا اور بعد ازاں مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۲۱ جاری ہوا، جس میں کہا گیا تھا کہ ایک خصوصی بورڈ سیاسی بھرتیوں کا جائزہ لے گا اور موزوں اور اہل افراد کی ملازمت برقرار رکھ کر باقی لوگوں کو فارغ کر دیا جائے گا۔

۲۵ اگست ۱۹۷۷ء کو بریگیڈیئر فیاض غنی، آئی جی مسرور حسن، ڈی آئی جی افتخار احمد اور ایک ماہرِ نفسیات پر مشتمل بورڈ نے سہالہ جا کر ڈی ایس پی حضرات کا انٹرویو کیا اور ہر طرح سے جائزہ لے کر چار افراد کو ملازمت کا اہل قرار دے دیا۔ ستمبر ۱۹۷۷ء کے اخبارات میں بھی یہ خبر چھپی کہ ان کی ملازمت جاری رہے گی۔ اس اثناء میں سہالہ میں باقاعدہ امتحانات ہوئے، جن میں ان افراد نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔

۱۲ ستمبر ۱۹۷۷ء کو اطلاع ملی کہ تمام افراد پبلک سروس کمیشن کے سامنے ۱۴ ستمبر کو پیش ہوں، مقررہ تاریخ کو انٹرویو تو نہ ہو سکا، ۲۷ ستمبر کو دوبارہ اطلاع دی گئی کہ ۲۹ ستمبر کو انٹرویو (ٹیسٹ) لیا جائے گا۔ مقررہ تاریخ کو کمیشن نے اپنے قواعد کے مطابق مکمل کارروائی کی اور تیرہ افراد کی مستقلی کی سفارش کر دی۔ غیر یقینی کے جو بادل چھائے ہوئے تھے، وہ چھٹتے نظر آ رہے تھے، مگر عین خوشیوں کے جھرمٹ میں ۲۸ نومبر ۱۹۷۷ء کو ایم ایل او ۲۱ کے تحت ان افراد کو برطرفی کے پروانے تھما دیئے گئے اور یوں کئی افراد کی قسمتوں پر تاریکیاں مسلط کر دی گئیں۔ کیا حکومت اپنے اس فیصلے پر نظرِ ثانی کر کے انصاف کے تقاضے پورے کرے گی؟

●●

HTH

ایکسرے

مستند ریڈیالوجسٹ کی رپورٹ۔ تجربہ کار عملہ

مستورات کے لیے خاتون عملہ (صبح کے وقت)

(فی الحال سینہ اور ہڈی کے ایکسرے کا انتظام ہے)

ایکسرے فیس ۱۵ روپے

معذور اور ٹی بی دق کے مریضوں سے ۱۰ روپے

اوقات:- صبح ۸ تا ۹ بجے، شام ۴ تا ۵ بجے } تعطیلِ جمعہ

بول، براز، خون اور بلغم ٹیسٹ کیلئے کلینیکل لیبارٹری

هومیوپیتھک ٹرسٹ ہسپتال

محمد نگر - بی بی پاکدامن لاہور، فون: ۶۷۸۱۳

رفاہی ادارہ بیس سال سے زائد خدمت میں سرگرم عمل

سب سے نرالی شان

سید ابوالاعلیٰ مودودی

انسانی تاریخ کے منظر میں اس حیرت انگیز انسان کی بلند و بالا شخصیت اتنی ابھری ہوئی نظر آتی ہے کہ ابتداء سے لے کر اب تک کے بڑے سے بڑے تاریخی انسان، جن کو دنیا اکابر میں شمار کرتی ہے، جب اس کے مقابلے میں لائے جاتے ہیں، تو اُس کے آگے بونے نظر آتے ہیں۔ دنیا کے اکابر میں سے کوئی بھی ایسا نہیں، جس کے کمال کی چمک دمک انسانی زندگی کے ایک دو شعبوں سے آگے بڑھ سکی ہو۔ کوئی نظریات کا بادشاہ ہے، مگر عملی قوت نہیں رکھتا۔ کوئی عمل کا پُتلا ہے، مگر فکر میں کمزور ہے۔ کسی کے کمالات سیاسی تدبر تک محدود ہیں۔ کوئی محض فوجی ذہانت کا مظہر ہے، کسی کی نظر اجتماعی زندگی کے ایک پہلو پر اتنی زیادہ گہری جمی ہے کہ دوسرے پہلو اوجھل ہو گئے۔ کسی نے اخلاق اور روحانیت کو لیا، تو معیشت و سیاست کو بھلا دیا۔ کسی نے معیشت و سیاست کو لیا، تو اخلاق و روحانیت کو نظر انداز کر دیا۔ غرض تاریخ میں ہر طرف یک رُخے ہیرو ہی نظر آتے ہیں، مگر تنہا یہی ایک شخصیت ایسی ہے جس میں تمام کمالات جمع ہیں۔ وہ خود ہی فلسفی اور حکیم بھی ہے اور خود ہی اپنے فلسفے کو عملی زندگی میں نافذ کرنے والا بھی۔ وہ سیاسی مدبر بھی ہے، فوجی لیڈر بھی ہے، واضع قانون بھی ہے، معلمِ اخلاق بھی ہے، مذہبی اور روحانی پیشوا بھی ہے۔ اس کی نظر انسان کی پوری زندگی پر پھیلتی ہے اور چھوٹی چھوٹی تفصیلات تک جاتی ہے۔ کھانے اور پینے کے آداب اور جسم کی صفائی کے طریقوں سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک' ایک ایک چیز کے متعلق وہ احکام اور ہدایات دیتا ہے۔ اپنے نظریات کے مطابق ایک تہذیب (CIVILIZATION) وجود میں لا کر دکھا دیتا ہے اور زندگی کے تمام مختلف پہلوؤں میں ایسا صحیح توازن قائم کرتا ہے کہ افراط و تفریط کا کہیں نشان تک نظر نہیں آتا۔ کیا اس جامعیت کا کوئی دوسرا شخص تمہاری نظر میں ہے ؟

دُنیا کی بڑی بڑی شخصیتوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جو کم و بیش اپنے ماحول کی پیدا کردہ نہ ہو، مگر اس شخص کی شان سب سے نرالی ہے، اس کے بنانے میں اس کے ماحول کا کوئی حصّہ نظر نہیں آتا اور نہ کسی دلیل سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ عرب کا ماحول اس وقت تاریخی طور پر ایسے ایک انسان کی پیدائش کا مقتضی تھا۔ بہت کھینچ تان کر تم جو کچھ کہہ سکتے ہو، وہ اس سے زیادہ کچھ نہ ہو گا کہ تاریخی اسباب عرب میں ایک ایسے لیڈر کے ظہور کا تقاضا کر رہے تھے، جو قبائلی انتشار کو مٹا کر ایک قوم بناتا اور ممالک کو فتح کر کے عربوں کی معاشی فلاح و بہبود کا سامان کرتا۔ یعنی ایک نیشنلسٹ لیڈر جو اس وقت کی تمام عربی خصوصیات کا حامل ہوتا۔ ظلم، بے رحمی' خونریزی اور مکر و دغا ہر ممکن تدبیر سے اپنی قوم کو خوشحال بناتا اور ایک سلطنت پیدا کر کے اپنے پسماندگان کے لیے چھوڑ جاتا۔ اس کے سوا اس وقت کی عربی تاریخ کا کوئی تقاضا تم ثابت نہیں کر سکتے۔

ہیگل کے فلسفۂ تاریخ یا مارکس کی مادی تعبیر تاریخ کے نقطۂ نظر سے تم حد سے حد یہی حکم لگا سکتے ہو کہ اس ماحول میں ایک قوم اور سلطنت بنانے والا ظاہر ہونا چاہیئے تھا یا ظاہر ہو سکتا تھا، مگر ہیگلی یا مادی کسی فلسفہ اس واقعہ کی توجیہہ کیوں کر کرے گا کہ اس وقت اس ماحول میں ایسا شخص پیدا ہوا جو بہترین اخلاق سکھانے والا اور انسانیت کو سنوارنے اور

●●

قیوم نظر

نعتِ مصطفیٰؐ

روحِ قرآن رسولِ عربی
نطقِ سبحان رسولِ عربی

دینِ اسلام سی نعمت دی ہے
تجھ پہ قربان رسولِ عربی

تیرے بن ہوتا کہاں تھا قائم
میرا ایمان رسولِ عربی

تیرے ہی ذکر نے کی ہے میری
مشکل آسان رسولِ عربی

پڑھتا ہے تیرا ہی کلمہ ہر دم
ہر مسلمان رسولِ عربی

تیری طاعت کے سوا کوئی نہیں
دل میں ارمان رسولِ عربی

تجھ میں پہنچا ہے خدا تک بندہ
اکمل انسان رسولِ عربی

عشق کی روح بیاں ہے تیرا
حسن کی جان رسولِ عربی

کر گیا جھوٹے خداؤں کو فنا
تیرا اعلان رسولِ عربی

نفوس کا تزکیہ کرنے والا اور جاہلیت کے اوہام و تعصبات کو مٹانے والا تھا۔ جس کی نظر قوم اور ملک کی حدیں توڑ کر پوری انسانیت پر پھیل گئی، جس نے اپنی قوم کے لیے نہیں، بلکہ عالمِ انسانی کے لیے ایک اخلاقی و روحانی اور تمدنی و سیاسی نظام کی بنا ڈالی، جس نے معاشی معاملات اور سیاستِ مدن اور بین الاقوامی تعلقات کو عالمِ خیال میں نہیں، بلکہ عالمِ واقع میں اخلاقی بنیادوں پر قائم کر کے دکھایا اور روحانیت اور مادیت کی ایسی معتدل اور متوازن آمیزش کی جو آج بھی حکمت و دانائی کا ویسا ہی شاہکار ہے، جیسا اُس وقت تھا۔

یہی نہیں کہ وہ شخص اپنے ماحول کی پیداوار نظر نہیں آتا، بلکہ جب ہم اس کے کارنامے پر غور کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔ اس کی نظر وقت اور حالات کی بندشوں کو توڑتی ہوئی صدیوں اور ہزاروں (MILLENNIUMS) کے پردوں کو چاک کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ وہ انسان کو ہر زمانے اور ہر ماحول میں دیکھتا ہے اور اس کی زندگی کے لیے ایسی اخلاقی و عملی ہدایات دیتا ہے جو ہر حال میں یکساں مناسبت کے ساتھ ٹھیک بیٹھتی ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں، جن کو تاریخ نے پُرانا کر دیا ہے، جن کی تعریف ہم صرف اس حیثیت سے کر سکتے ہیں کہ اپنے زمانے کے اچھے راہنما تھے، سب سے الگ اور سب سے ممتاز۔ وہ انسانیت کا ایسا راہنما ہے جو تاریخ کے ساتھ حرکت کرتا ہے اور ہر دَور میں ویسا ہی جدید نظر آتا ہے، جیسا اس سے پہلے دَور کے لیے تھا۔

تم جن لوگوں کو فیاضی کے ساتھ "تاریخ بنانے والے" کا لقب دیتے ہو، وہ حقیقت میں تاریخ کے بنائے ہوئے ہیں۔ دراصل تاریخ بنانے والا پوری انسانی تاریخ میں صرف یہی ایک شخص ہے۔ دُنیا کے جتنے لیڈروں نے تاریخ میں انقلاب برپا کئے ہیں، ان کے حالات پر تحقیقی نگاہ ڈالو، تو دیکھو گے کہ اس موقع پر پہلے سے انقلاب کے اسباب پیدا ہو رہے تھے، اور وہ اسباب خود ہی اُس انقلاب کا رُخ اور راستہ بھی متعین کر رہے تھے، جس کے پیدا ہونے کے وہ مقتضی تھے۔ انقلابی لیڈر نے صرف اتنا کیا کہ حالات کے اقتضاء کو قوت سے فعل میں لانے کے لیے اس ایکٹر کا پارٹ ادا کر دیا، جس کے لیے اسٹیج اور کام دونوں پہلے سے معین ہوں، مگر تاریخ بنانے والوں یا انقلاب برپا کرنے والوں کی پوری جماعت میں یہ اکیلا ایسا شخص ہے کہ جہاں انقلاب کے اسباب موجود نہ تھے، وہاں اس نے خود اسباب کو پیدا کیا۔ جہاں انقلاب کا مواد موجود نہ تھا، وہاں اس کا مواد خود تیار کیا۔ جہاں اس انقلاب کی سپرٹ اور عملی استعداد لوگوں میں نہ پائی جاتی تھی، وہاں اس نے خود اپنے مطلب کے آدمی تیار کئے۔ اپنی زبردست شخصیت کو پگھلا کر ہزارہا انسانوں کے قالب میں اتار دیا اور ان کو ویسا بنایا جیسا وہ بنانا چاہتا تھا۔ اس کی طاقت اور قوتِ ارادی نے خود ہی انقلاب کا سامان کیا، خود ہی اس کی صورت اور نوعیت معین کی اور خود ہی اپنے ارادوں کے زور سے حالات کی رفتار کو موڑ کر اُس راستے پر چلایا، جس پر وہ اُسے چلانا چاہتا تھا۔ اس شان کا تاریخ ساز اور اس مرتبے کا انقلاب انگیز تم کو اور کہاں نظر آتا ہے؟

روحِ حیات کہاں کھو گئی؟

ابوالکلام آزاد

تم اس کے آنے کی خوشیاں تو مناتے ہو، مگر تم نے اس مقصد کو فراموش کر دیا ہے جس کے لئے وہ آیا تھا۔ یہ ماہ، اگر خوشیوں کی بہار ہے، تو صرف اس لئے کہ اسی مہینہ میں دنیا کی خزانِ ضلالت ختم ہوئی اور کلمۂ حق کا موسمِ ربیع شروع ہوا، پھر اگر آج دنیا کی عدالت سمومِ ضلالت کے جھونکوں سے مرجھا گئی ہے، تو اے غفلت پرستو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ بہار کی خوشیوں کی رسم تو مناتے ہو، مگر خزاں کی پامالیوں پر نہیں روتے۔

آج جب کہ تم عید میلاد کی مجلسیں منعقد کرتے ہو، تو تمہاری نعمت و کامرانی کہاں ہے جو تمہیں سونپی گئی تھی۔ وہ تمہاری روحِ حیات تمہیں چھوڑ کر کہاں چلی گئی جو تم میں پھونکی گئی تھی۔ آہ! تمہارا خدا تم سے کیوں رُوٹھ گیا ہے اور تمہارے آقا نے کیوں تم کو صرف اپنی غلامی کے لئے نہیں رکھا۔ کیا ربیع الاوّل میں آنے والے نے خدا کا یہ وعدہ نہیں پہنچایا تھا کہ عزت صرف تمہارے ہی لئے ہے، پھر یہ کیا انقلاب ہے کہ ذلت تمہارے لئے مقدر ہو گئی ہے اور عزت نے تم سے منہ چھپا لیا ہے۔ یہ کیوں ہے کہ تم نے کامیابی نہ پائی اور کام و مراد نے تمہارا ساتھ نہ دیا۔ کیا خدا کا وعدہ سچا نہیں؟ کیا وہ اپنے قول کا پکا نہیں۔؟

تم جو انسانوں کے وعدوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان کے حکموں کے آگے گرنا جانتے ہو، خدا کے وعدہ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد کے لئے اپنے اندر کوئی صدا نہیں پاتے؟ آہ! نہ تو اس کا وعدہ جھوٹا تھا، نہ اس نے اپنا رشتہ توڑا۔ یہ تم ہی ہو، تمہاری ہی محرومی اور بے حرمانی ہی ہے۔ تمہارے ہی ایمان کی موت اور راستی کی حرمانی ہے، جس نے پیمانِ وفا کو توڑا اور خدا کے مقدس رشتہ کی عظمت کو اپنی غفلت و بد اعمالی اور غیروں کی پرستش و بندگی سے بٹہ لگایا۔

خدا اب بھی غیروں کے لئے نہیں، بلکہ صرف تمہارے ہی لئے ہے، بشرطیکہ تم بھی غیروں کے لئے نہیں، بلکہ صرف خدا کے لئے ہو جاؤ۔

ان تنصرا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم

قول اور فعل میں یکسانیت

سید سلیمان ندوی

آپؐ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیرووں کو جو نصیحت فرمائی، اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ آپؐ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہ کی زندگی میں اس تلقین کا جو اثر نمایاں ہوا، وہ تو الگ چیز ہے، خود آپؐ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی، اس پر غور کرو اور شب و روز میں کب کوئی لمحہ ایسا تھا جب آپؐ کا دل خدا کی یاد سے اور آپ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر وقت خدا کا ذکر اور اس کی حمد زبان پر جاری رہتی تھی۔ آج حدیث کی کتابوں کا ایک کثیر حصہ انہی مبارک کلمات اور دعاؤں کے بیان میں ہے۔ جو مختلف حالات کی مناسبت سے آپؐ کی زبانِ فیض اثر سے ادا ہوئیں۔ حصنِ حصین دو سو صفحوں کی کتاب صرف ان کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ ہے جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت، عظمت، جلالت اور حیثیت نمایاں ہے اور جن سے ہر وقت زبانِ اقدس تر رہتی تھی۔ قرآن نے اچھے بندوں کی یہ تعریف کی ہے! جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہر وقت خدا کو یاد کیا کرتے ہیں" (ترجمہ) اور یہی آپؐ کی زندگی کا نقشہ تھا۔

آپؐ نے زہد و قناعت کی تعلیم دی اور اس راہ میں آپؐ کا طرزِ عمل کیا تھا، عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج، عشر اور زکوٰۃ و صدقات چلے آتے تھے، مگر امیرِ عرب کے گھر میں وہی فقر تھا اور وہی فاقہ تھا۔ حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ حضورؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے، مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپؐ کو کھانا نصیب نہ ہوا۔

آپؐ نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی، تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا۔ حضرت فاطمہؓ سے آپؐ کو جو محبت تھی، وہ ظاہر ہے، مگر انہی حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر کے لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے، ایک دن انہوں نے حاضر ہو کر پدرِ بزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی، ارشاد ہوا اے فاطمہ! اب تک صُفّہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا، تمہاری درخواست، کیونکر قبول ہو؟

قلب و ذہن کو بدل دینے والا انقلاب

نعیم صدیقی

بے شمار اصلاحی اور تعمیری اور انقلابی تحریکیں ہمارے سامنے ہیں، مگر ان میں سے ہر ایک نے انسان کو جوں کا توں رکھ کر خارجی نظام کو بدلنے کی تدبیریں کیں ہیں۔ لیکن ہر وہ تبدیلی حقیقی مسائل حیات کو حل کرنے کے لحاظ سے بالکل رائیگاں رہی جو انسان کو اندر سے نہ بدل سکی۔ محسن انسانیتؐ کے کارنامے کا مبہوت کر دینے والا یہ پہلو بڑا ہی اہم ہے کہ انسان اندرون سے بدل گیا اور یکسر بدل گیا۔ انسانی روپ میں جو خواہش پرست انسان پایا جاتا تھا، کلمۂ حق کے اثر سے وہ بالکل مٹ گیا اور معاً اس کی راکھ سے خدا پرست اور با اصول انسان ابھر آیا۔ اس نئے انسان کے کردار کی درخشانی دیکھیے، تو آنکھوں میں چکا چوند آجاتی ہے۔

حضرت عمرؓ جیسا مکہ کا ایک میخوار نوجوان بدلا، تو کہاں پہنچا! فضالہ میں تبدیلی آئی، تو کس شان سے آئی! ذوالبجادین کو دیکھیے کہ کس طرح دولت و آسائش کو لات مار کے درویشانہ زندگی اختیار کرتا ہے! حضرت ابو ذرؓ کو لیجیے کہ کیا انقلابی جذبہ ہے کہ کعبہ میں کھڑے ہو کر جاہلیت کو چیلنج کیا اور خوب مار کھائی۔ کعبؓ بن مالک کا کردار دیکھیے، ابوخیثمہؓ کا رنگ ملاحظہ فرمائیے۔ لُبنہؓ اور سمیہؓ جیسی کنیزوں کی انقلابی شجاعت و عزیمت پر نگاہ ڈالیے، ماعزؓ بن مالک اسلمی اور غامدیہ پر توجہ کیجیے۔ نجاشی کے دربار میں جعفرؓ طیار کی جرأت سے سبق لیجیے۔ ایرانی سپہ سالار کے دربار میں ربعیؓ بن عامر کی شان استغنا سے روح اخذ کیجیے ـــــ اور تاروں کے اس جھرمٹ میں سے کون ہے جس کا ایمان لمعہ افگن نہیں ہے۔

ان ہستیوں سے وہ معاشرہ بنا اور ایسے قائدین اور کارکنوں کے ہاتھوں وہ نظامِ حق چلا جس نے اگر بندشِ شراب کی منادی کی تو ہونٹوں سے لگے ہوئے پیالے فوراً الگ ہو گئے اور بہترین شرابوں کے مٹکے گلیوں میں لنڈھا دیے گئے۔ جس نے اگر عورتوں کو سر و سینہ ڈھانپنے کا حکم دیا، تو حکم ملتے ہی کسی تاخیر کے بغیر دوپٹے اور اوڑھنیاں بنالی گئیں، جس نے اگر جہاد کے لئے پکارا، تو نو عمر لڑکے تک ایڑیوں پر کھڑے ہو ہو کر یہ کوشش کرتے دکھائی دیے کہ وہ لوٹائے جانے سے بچ جائیں۔ جس نے اگر چندہ طلب کیا، تو جہاں حضرت عثمانؓ جیسے دولت مند تاجروں نے سامان سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطاریں لا لا کر کھڑی کر دیں اور حضرت ابو بکرؓ جیسے فدائیوں نے گھر کی ساری متاع تحریک کے قدموں میں ڈال دی، وہاں ایسے مزدور بھی تھے، جنہوں نے دن بھر کی مزدوری سے حاصل شدہ کھجوریں جنگی فنڈ میں دے کر دامن جھاڑ دیا۔ جس نے اگر مہاجرین کی بحالی کے لئے انصار کو پکارا، تو انہوں نے اپنے مکان اور کھیت اور باغ آدھوں آدھ بانٹ دیئے اور اخوت کا ایک بے مثال سماں پیدا کر دیا۔ جس نے اگر ممبروں کو خدمت کی روح سے بالاتر کر کے سول سروس کے لئے کارکن طلب کئے، تو ایک درہم روز کے قلیل معاوضے پر گورنری کے فرائض انجام دینے والے حکام دنیا کے سامنے نمودار ہوتے، جس نے اگر مال غنیمت کو سپہ سالار کے پاس جمع کرانے کا حکم دیا، تو اس شان سے تعمیل کی گئی کہ فوج ایک ایک سوئی اپنے افسر کو پیش کر دیتی تھی اور یہ واقعہ ہمیشہ تاریخ میں درخشاں رہے گا کہ مدائن کے اموال کا ایک قیمتی حصہ عامر نامی سپاہی کے ہاتھ آتا ہے اور بغیر اس کے کہ کسی کو بھی اس خزانہ زر و جواہر کا علم ہو، وہ رات کی تاریکی میں چپکے سے اپنے سردار تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ ہستیاں تھیں جنہوں نے نیکی کا ایسا ماحول تیار کیا کہ جس میں شاذونادر ہی جرائم ہوتے تھے اور حضورؐ کے پورے دس سالہ دور میں گنتی کے مقدمات عدالتوں میں آئے۔ یہ نیکی کا ایسا ماحول تھا جس میں کوئی کسی آئی ڈی نہیں رکھی گئی، بلکہ لوگوں کے ضمیر ہی ان کے پاسبان اور نگران بنائے گئے۔

یہ تھا وہ انقلاب جس نے باہر کے نظام کے ساتھ ساتھ اندر سے انسانی قلب و ذہن کو بدلا اور نیا کردار پیدا کر دیا۔ اسی لئے وہ حقیقی اور بنیادی مسائل حیات کو حل کرنے میں کامیاب ہوا اور اس کے ذریعے وقت کے تمدنی بحران میں راہِ نجات پیدا ہوئی۔

خاص برائے زندگی

غافل کرنالی

بارگاہِ رسالتؐ میں

ذکرِ نبیؐ سے قلب و جگر جھومنے لگے
ٹھنڈی ہوا چلی ہے شجر جھومنے لگے

سرکارِ دوجہاں کی غلامی ہے، وہ نظام
جس کی مہک سے نوعِ بشر جھومنے لگے

وہ منزلِ حسیں کہ صداقت ہے جس کا نام
جب سے ملی ہے اہلِ سفر جھومنے لگے

چھیڑا ہے جب سے یادِ نبیؐ نے دلوں کا تار
آنکھوں میں آنسوؤں کے گہر جھومنے لگے

دیکھو تو ان کی راہبری کی تجلّیاں
ہر گام پر مسیح و خضر جھومنے لگے

پھیلا ہوا ہے نور دو عالم میں آپؐ کا
آپؐ آ گئے تو شمس و قمر جھومنے لگے

آئی صبا جو ہو کے دیارِ حبیبؐ سے
مستی میں سُنبل و گُلِ تر جھومنے لگے

اے کاش پھر اذانِ محبت بُلند ہو
یہ کائنات بارِ دِگر جھومنے لگے

سُن کر صدائے نورِ خدا کے رسولؐ کی
اہلِ شعور و اہلِ نظر جھومنے لگے

اُٹھی جدھر نگاہ، اُجالے بکھر گئے
گیسو کھلے، تو نورِ سحر جھومنے لگے

آئے خیال میں بھی جو روضہ حضورؐ کا
غافل! مرا مذاقِ نظر جھومنے لگے

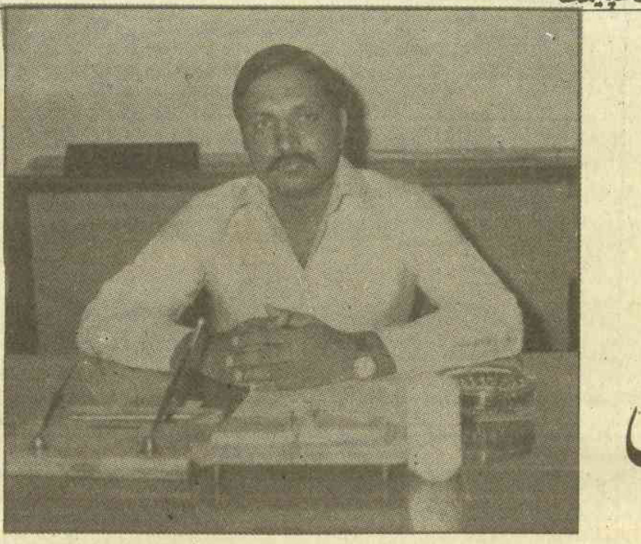

محنت، دیانت اور جواں جذبوں کی وجہ سے

ہم ہر خطرے سے نکل آئے ہیں

یوسی ایف کے جائنٹ پریذیڈنٹ ایم افضال بُٹر کے خیالات

یونائیٹڈ کمرشل فنانس کی کامیابی کی کہانی اس کے جرأت مند کارکنوں کی شبانہ روز کاوشوں سے عبارت ہے جوان اور تازہ ولولے، نئے سے نئے افق کی تلاش میں کوشاں رہے اور آج سرمایہ کاری کے میدان میں یوسی ایف کا نام روشن اور تابندہ ہے۔

یوسی ایف کو لوگوں سے روشناس کراتے ہوئے ہمیں قدم قدم پر نئے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا، سب سے پہلے تو ہمیں لوگوں کو یہ تاثر دینا تھا کہ ان کی امانتیں ہمارے پاس بالکل محفوظ ہیں۔ لوگوں کے ذہن میں یہ امیج تھا کہ ہم بنک ہیں، مگر ہم نے پہلے دن ہی سے واضح کر دیا تھا کہ ہمارا بنکاری سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہم لوگوں کا سرمایہ بطورِ امانت جمع کر کے منافع بخش اسکیموں میں لگا کر کاروبار کرتے ہیں اور امانتیں جمع کرانے والوں میں سود کے بجائے رقم کے حساب سے منافع تقسیم کرتے ہیں۔

پاکستان میں فنانس کارپوریشنوں کا نظریہ بالکل نیا تھا، اس لیے لوگوں نے اسے وسیع پیمانے پر پذیرائی بخشی۔ ہم سبھی پروفیشنل بنکار ایک پلیٹ فارم پر جمع تھے، آہستہ آہستہ منجھے ہوئے دماغ ہمارے ساتھ شامل ہوتے چلے گئے۔ ہماری شبانہ روز کاوشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ گزشتہ برس جون میں بنکوں کا حساب کلوز ہوا، تو مجموعی طور پر ۱۲ کروڑ روپے کے ڈپازٹ کم ہو چکے تھے۔ اس سے بنکوں پر کھلاہٹ طاری ہوگئی، حالانکہ ہمارا اور ان کا میدانِ کار الگ الگ تھا، مگر نفسیاتی خوف کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ ہمارے خلاف سرکاری سطح پر اعلانات کروائے گئے۔ اس موقع پر ہمارے ساتھیوں نے ہمت ہارنے کے بجائے نئے جوش و جذبے سے کام کا آغاز کر دیا۔

میں یہ بات ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ اس بحرانی دور میں، ہم لوگوں کے اعتماد پر پورے اترے اور جس شخص نے جتنا پیسہ واپس مانگا، ہم نے اس کے سامنے ڈھیر کر دیا، اسی سے لوگوں کو ہمارے اوپر پختہ اعتماد ہو گیا۔ میں یہاں خاص طور پر اپنے دو ساتھیوں سعید احمد ورک اور ظفر اقبال جگ کو خراجِ تحسین پیش کروں گا جنہوں نے شیخوپورہ میں ہماری برانچ کے سرمایے کو نہ صرف یہ کہ گرنے سے بچایا، بلکہ ریکارڈ سرمایہ اکٹھا بھی کر لیا۔ ان کا گراف مسلسل اوپر ہی اوپر اٹھ رہا تھا۔

اس بحران کا مقابلہ کرنے کے لیے خود میں نے بھی ایک اسکیم تیار کی۔ یوسی ایف کے صدر داؤد چودھری سے مشورہ کیا، تو انہوں نے بھی گرین سگنل دے دیا۔ اسکیم یہ تھی حکومتی اعلان کے خطرات کے سامنے سمٹنے کے بجائے پھیلنے کی پالیسی اپنائی جائے۔ ہماری اس جرأت پر ایک زمانہ دنگ تھا۔ ہم نے شرقپور، قصور، چونیاں، چوہڑکانہ میں انہی دنوں برانچوں کا افتتاح کیا۔ ہم ایک ابتلا سے گزر چکے تھے۔ ہم اس سے سرخرو نکلے تھے۔ وقت کے کڑے امتحان میں ہم کامیاب ٹھہرے تھے۔ آج عالم یہ ہے کہ عوام اور یوسی ایف ہاتھ میں ہاتھ دیے ملکی معیشت کے استحکام کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

جناب خالد باجوہ یونائیٹڈ کمرشل فنانس کے وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ آیا یو، سی، ایف بنکاری کے کاروبار میں ملوث ہے، انہوں نے کہا: ہرگز نہیں۔ یو سی، ایف خالصتاً ایک سرمایہ کاری اور کاروباری ادارہ ہے، جہاں تک ہماری اسٹیٹنری پر اعتراض کیے جاتے ہیں، ہم بالکل قانونی حدود کے اندر رہ کر کاروبار کرتے ہیں اور بنکاری ایکٹ میں بنکنگ کی جو تعریف کی گئی ہے، وہ کسی طور پر ہمارے کاروبار پر صادق نہیں آتی۔ یو سی ایف کی شاندار اور قابلِ رشک کامیابی پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے جناب باجوہ صاحب کہتے ہیں۔ ہمارے ساتھی ایک دوسرے پر مکمل اعتماد یگانگت اور قدم سے قدم ملا کر آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں خود احتسابی کا نظام رائج ہے۔ ہم میں سے کوئی شخص بھی کہیں غلطی کرے، وہ تنقید سے ماوریٰ نہیں اور آپس میں بار بار کی میٹنگ کرنے کی بنا پر ہم بے شمار غلطیوں اور کوتاہیوں سے بچ جاتے ہیں۔

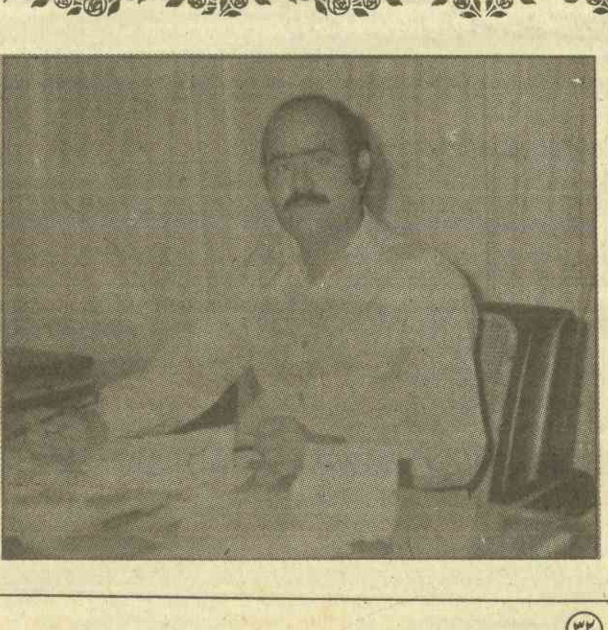

کامیابی کا شاندار ریکارڈ

ملک نسیم الحق ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل سے وابستہ ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مالیاتی ادارے قومی معیشت کی تعمیر نو میں مصروف ہیں۔ خاص طور پر نجی شعبے میں سرمایہ کاری کر کے معیشی استحکام میں کوشاں ہیں۔ مالیاتی اداروں کو اگرچہ بے پناہ مشکلات کا سامنا رہتا ہے، مگر ایکسپریس انٹرنیشنل نے چھ ماہ کے مختصر عرصے میں کامیابی کا شاندار ریکارڈ قائم کیا ہے۔ پونے دو صد برانچیں کام کر رہی ہیں۔ عوام کے جمع شدہ سرمائے سے مشترکہ بنیادوں پر کاروبار کیا جاتا ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہے کہ عوام براہِ راست اس کاروبار میں اپنے آپ کو شریک سمجھتے ہیں اور انہیں احساسِ ملکیت رہتا ہے۔ دوسرے ہم سودی نظام کی خرابیوں سے بچ جاتے ہیں اور اس کے بجائے اسلام کے پیش کردہ شرکت و مضاربت کے اصولوں پر نفع نقصان تقسیم کر لیتے ہیں۔

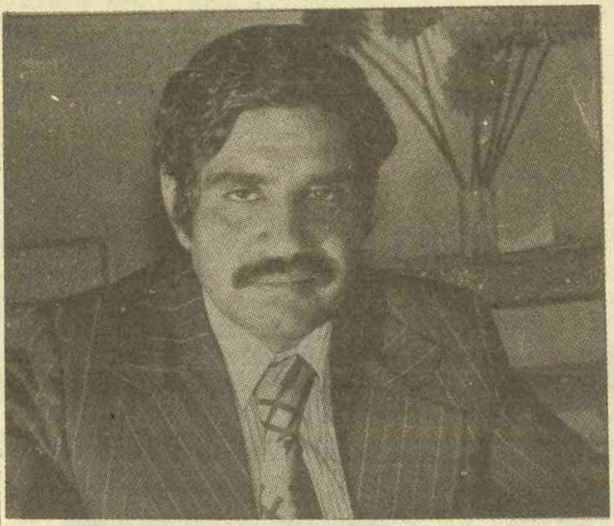

اسلامی نظامِ معیشت کا عملی نفاذ

جناب امین کھوکھر ایکسپریس کمرشل فنانس انٹرنیشنل کے جائنٹ پریذیڈنٹ ہیں۔ مالیاتی اداروں کے بارے میں ان کے خیالات:

"عام بزنس مین بنکوں سے سود پر قرضہ لے کر کاروبار کرتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے اس کا کاروبار تباہ ہو جائے، تو اسے ذرا دکھ نہیں ہوتا، کیونکہ پیسہ اس کی جیب سے نہیں نکلا تھا۔ زیادہ سے زیادہ اسے دیوالیہ قرار دے کر اس کے اثاثے سے تھوڑا بہت نقصان پورا کر لیا جاتا ہے، مگر مالیاتی ادارے اپنے کھاتے داروں کے اعتماد کے ساتھ خود کاروبار کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اسلام کے کاروباری نظام کے بنیادی اصول شرکت و مضاربت کو پوری طرح مدِنظر رکھا جاتا ہے۔ مالیاتی ادارہ اور کھاتے دار منافع میں شریک ہوتے ہیں۔ سود کا تصور بھی ہمارے قریب نہیں پھٹکتا۔ اس طرح ہم نے ملک میں اسلامی نظامِ معیشت کے عملی نفاذ کی طرف پہلا قدم اٹھایا ہے۔"

مسٹر افضال زونل چیف لاہور

شیخ ضیا الدین زونل چیف گوجرانوالہ

Habib Bank Limited

(پاکستان میں تشکیل شدہ)

قائم شدہ ۱۹۴۱

آج کا سب سے پہلا کام

حبیب بینک میں اپنا سیونگز اکاؤنٹ کھولیئے

اور اب تک دیئے جانے والے منافع میں سب سے زیادہ منافع حاصل کیجئے

۷½ فیصد
چیکنگ اکاؤنٹس پر

۸½ فیصد
نان چیکنگ اکاؤنٹس پر

آپ بھی ہمارے ۵ ملین اکاؤنٹ ہولڈروں کی صف میں شامل ہو جائیے
جنہیں اس اضافہ سے فائدہ پہنچا ہے
حبیب بینک میں اب آپ کی رقم پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے بڑھتی ہے
آج ہی حبیب بینک میں اپنا سیونگز اکاؤنٹ کھولیئے

حبیب بینک
کو بہتر خدمت
کا موقع دیجیے

حبیب بینک لمیٹڈ
پاکستان میں ۱۷۰۰ سے زیادہ اور بیرونِ ملک ۷۲ شاخیں

manhattan international

آغا اشرف

ملکی اور بین الاقوامی حالات پر

کلن اور مرزا جی کا مکالمہ

مرزا جی بولے۔ واہ میاں نمونہ اندر مٹی باہر چونا، نام بڑا اور درشن چھوٹے۔ قرطاس ابیض چھاپ کر حکومت نے پیپلز پارٹی اور اس کے پوپٹوں کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا۔

کلن بولے۔ جی ہاں۔ قوم کو لوٹ کر کھا گئے بہروپئے۔ بے دینی اور بے حیائی پھیلائی۔ قوم کا سرمایہ شیرِ مادر سمجھ کر پیتے رہے۔ پاکستان کو پتلا دبلا کر دیا اور اپنی توند بڑھائی۔

منشی جی بولے۔ سچ کہتے ہو بھیا کلن۔ قوم کی منہ کالی بھیڑوں کا کچا چٹھا دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بھٹو خاندان کے عیش و عشرت کے سامان کی درآمد اور بنگلوں کی سجاوٹ کے لئے قومی خزانے کو ایک کروڑ روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔ پندرہ لاکھ کا زرِ مبادلہ بچوں کی بیرونِ ملک تعلیم، سفر، موسیقی کے آلات اور بندوقوں کی درآمد پر خرچ کیا گیا۔ تنخواہ نہ لینے کا اعلان کرنے والے سابق صدر اور وزیر اعظم بھٹو نے اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے لاکھوں روپے بنائے، لیکن ایک پیسہ بھی ٹیکس ادا نہ کیا۔ اپنے بنگلے سنوارے اور ملک کو بگاڑا۔ بھٹو جب کرسی چھوڑ کر جا رہا تھا، تو اس وقت بھی پیپلز پارٹی کے رنگیلے پتیا کے لئے بیرونِ ملک سے موٹر کاروں اور عیش کے سامان کی ترسیل جاری تھی۔ بہتی گنگا میں اس کی بیگم نے بھی ڈبکی لگائی۔ ۵۱ ہزار ڈالر غیر ملکی بنکوں میں جمع کرائے۔ عوام کو بدھو بنانے کے لئے شور مچایا کہ ہمارا سب کچھ عوام کا ہے۔ عوام کا ہوتا، تو عوام میں ہوتا۔ ملک سے باہر خفیہ طور پر بنکوں میں نہ ہوتا۔

کلن بولے۔ ایک ڈالر کتنے روپے کا ہوتا ہے منشی جی؟

منشی جی بولے ــــــــ روپے کا۔

کلن بولے اس کا مطلب ہے بھٹو، اس کی بیگم اور اس کے سنگی ساتھی کھربوں روپیہ کھا گئے، پاکستان کا بھٹو کا راج اندھیر نگری اور بھٹو چوپٹ راجہ تھا۔

منشی جی بولے اور کیا۔ ایک سے بڑھ کر ایک لیٹرا سیدھے سادھے لوگوں کو لچھے دار باتیں سنا کر گھیرا اور آنکھ بچا کر گردن پر ان کی چھرا پھیرا۔ بڑے بٹ مار۔ بڑے جلاد۔ مولانا کوثر نیازی حج فنڈ فالودے کی طرح پی گیا۔ من موجی ملاّ نے بھٹو کی تعریف میں کتاب "دیدہ ور" لکھی جو قوم کو ڈیڑھ لاکھ میں پڑی۔ جس کی چار ہزار جلدیں وزارتِ اطلاعات کے فنڈ سے خریدی گئیں اور ان کے لئے ایک لاکھ ۳۵ ہزار روپے شیخ غلام علی اینڈ سنز کو ادا کئے گئے۔ جمعیت مسلمین مانچسٹر نے مبلغ ۴۴۴،۹۵ روپے فطرانہ کی مد میں وزارتِ امورِ مذہبی پاکستان کو بھیجے، لیکن کوئی شہادت موجود نہیں کہ یہ رقم سرکاری خزانے میں جمع کی گئی یا غریبوں میں تقسیم کی گئی۔ اس کا مطلب ہے مولوی کوثر نیازی کی توند میں گئی۔

کلن بولے۔ اجی دیکھو نا، منشی جی میں نے سنا ہے من موجی ملاّ وسکی پیتا ہے۔ اسی لئے اس کو مولوی وسکی کہتے ہیں۔

مرزا جی بولے۔ اور جو قوم کا خون پی جائے اسے کیا کہنا چاہیئے؟

کلن بولے۔ اسے جونک کہنا چاہیئے۔

مرزا جی بولے۔ ارے نہیں بھیا جونک تو بڑی چھوٹی چیز ہے۔ خون پینے والی کسی بڑی بلا کا نام لو۔ وائٹ پیپر میں دیکھا نہیں تم نے کاغذ کا شیر کھر جو بکری بن کر یہاں سے بھاگ گیا ہے دھوکے اور دھاندلی سے لوگوں کی اراضی پر قبضے کرتا رہا۔ صادق قریشی نے کتوں کی دوڑ کی کمیٹی کو ۹ لاکھ روپے ہرجانہ ادا کیا۔ بڑے بڑے بٹیر باز، مرغ باز، کبوتر باز، رنڈی باز تو دیکھے ہوں گے۔ ایسا کتّے باز بھی نہ دیکھا ہوگا تم نے۔

کلن بولے۔ جوئے بازوں کی بھی کمی نہ تھی پیپل پارٹی میں۔ بھٹو کے حکم سے کراچی میں ایک بہت بڑا جوا خانہ بنایا جا رہا تھا۔ کچے چٹھے میں لکھا ہے۔ کیا نام رکھا تھا منشی جی ان سیاسی جواریوں نے اس کا؟

منشی جی بولے۔ اس کا نام کیسینو کمپلکس تجویز ہوا تھا۔

مرزا جی بولے۔ وائٹ پیپر کی دوسری جلد میں یہ بھی تو بیان کیا گیا ہے کہ بھٹو دور میں وکیلوں اور ججوں کی حمایت حاصل کرنے کے نام پر ان کے لئے ضیافتوں اور شراب پارٹیوں کے لئے لاکھوں روپیہ اینٹھا گیا اور یہ انتظام بھٹو کے دور کے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار کرتے تھے۔ ساقی بنتے تھے۔ جام بھر بھر کر لنڈھاتے تھے اور ان پر محفلوں پر اٹھنے والے اخراجات سرکاری خزانے سے پورے کئے جاتے تھے۔ حلوائی کی دکان۔ نانا جی کا فاتحہ۔

کلن بولے۔ اس کا مطلب ہے یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ شراب ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ عورت ان کی کمزوری تھی اور قومی خزانہ لوٹنا ان کی عادت۔

منشی جی بولے۔ کلن میاں ہم ان کے متعلق اپنی زبان سے کچھ نہ کہیں گے۔ وائٹ پیپر میں دیکھو بھٹو کی اپنے وزیروں، گورنروں اور اسمبلی کے ممبروں کے بارے میں کیا رائے تھی۔ بھٹو نے ان کے قلمی خاکے یہ کھینچے ہیں کہ یہ سب شراب اور شباب کے رسیا تھے۔ کچھ ان میں اغلام بازی کی لعنت میں مبتلا حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تھے۔ وائٹ پیپر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بھٹو کے چچیرے بھائی ممتاز بھٹو نے اپنی عیاشیوں کے لئے نیشنل شپنگ کارپوریشن کے ہیڈ کوارٹر میں "پینٹ ہاؤس" قائم کیا تھا۔ جہاں ملکی خزانے کا لاکھوں روپیہ شراب اور شباب پر اڑتا رہا۔ اسی طرح لیاقت میموریل ہال راولپنڈی میں ۲۰ دسمبر ۱۹۷۶ء کو منعقد ہونے والی ناچ کی ایک تقریب میں سولہ لاکھ پچاس ہزار روپے خرچ کئے گئے۔ سابق وفاقی وزیرِ تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ کے حکم سے قومی گیتوں اور ناچوں کی ایک تقریب پر بیدردی سے قومی سرمایہ لٹایا گیا۔ بھٹو حکومت کی شہ خرچیوں کی ایک اور مثال فیض احمد فیض کی ثقافتی امور کے مشیر کے طور پر تقرری تھی۔ فیض کے فرائض کیا تھے۔ اس کے بارے میں کبھی کچھ نہ بتایا گیا؛ البتہ شاعر کو گلبرگ لاہور میں ایک سجا ہوا دفتر دے دیا گیا غزلیں سجانے کو اور دفتر کے ساتھ ایک "کلاسیکل سیل" بھی قائم کیا گیا۔ لاکھوں روپے کی گرانٹ ان کو ملتی رہی کہ بھٹو کی شان میں زمین اور آسمان کے قلابے ملاتے رہیں۔

کلن بولے۔ اماں منشی جی کیا یہ وہی فیض صاحب ہیں جو بڑے شاعر داعر ہیں۔ عوام میں سُرخا مشہور ہیں۔ آج کل بھارت میں پھسنڈا مارے بیٹھے ہیں۔ واپس آنے کا نام نہیں لیتے اور جب واپس آئیں گے نہ جانے کیا سوغات لائیں گے۔ اور سُنا ہے بھٹو کے پالتو کئی لکھاری پیپل پارٹی کے پنجرے میں اس لئے پالے جا رہے تھے کہ میاں مٹھو بنے چوری کھاتے رہیں اور جیوے بھٹو کا شور مچاتے رہیں۔

کلن یہ سُن کر بے چین ہو گئے۔ بولے۔ ایک بات کروں منشی جی؟

منشی جی بولے۔ ہاں، ہاں، کلن میاں تم کرو۔

کلن بولے۔ پاکستان کے ساتھ جو زیادتیاں اب تک ہو چکی ہیں، وہ سب کے سامنے ہیں۔ سرکار نے بھی کچا چٹھا چھاپ کر اس کی تصدیق کر دی ہے۔ تفتیش کچھ ہو چکی ہے۔ کچھ ہو رہی ہے۔ جرم ثابت ہے۔ مجرم کچھ مفرور ہیں۔ کچھ موجود ہیں۔ پھر یہ ڈھیل کیسی۔ انہیں دھکا کیوں نہیں جاتا۔ پاکستان سے لوٹا ہوا پیسہ ان سے وصول کیوں نہیں کیا جاتا۔ پاکستان کو عزت کی نظر سے نہ دیکھنے والوں کی عزت کیسی۔ وہ جو پاکستان پر چھریاں چلا چکے ابھی تک کرسیوں پر کیوں ہیں کال کوٹھڑی میں کیوں نہیں۔ راہزنوں کے ساتھ رعایت کیسی، مروّت کیسی۔ کیا وہ کسی رعایت کے مستحق ہیں۔

مرزا جی جوش میں آ گئے۔ بولے، ہرگز نہیں۔ پاکستان کا چوسا ہوا خون پاکستان کے بلڈ بنک کو واپس کرنا ہوگا۔ یہ پاکستان کی آواز ہے یہ وقت کی آواز ہے۔ یہ چھ کروڑ پاکستانیوں کی آواز ہے۔ پاکستان کے دشمنو۔ اے بد دیانت لوگو نکالو جو کچھ تم نے گذشتہ چھ سالوں میں پاکستان سے چھینا ہے۔ اس خون کی ایک ایک بوند کا حساب دو جو تم نے پاکستان کے جسم سے چوسی ہے۔ مٹے ہوئے ارمانوں، ٹوٹی ہوئی امیدوں، زخمی دلوں، بگاڑے ہوئے نصیبوں کی قیمت ادا کرو۔ ایک ایک زخم گن لو جو تم نے لگایا ہے۔ ہر زخم کے بدلے تمہارے بد کردار ضمیر کو ٹکٹکی سے باندھ کر کوڑے لگاتے جائیں گے۔ اس دن تمہارے غرور اور غفلت کی کمر ٹوٹے گی۔ اس دن خدا کے انصاف کے ترازو کے پلڑے برابر ہو جائیں گے۔

Everything DAMAGED everything LOST Still all is well-Compensated!

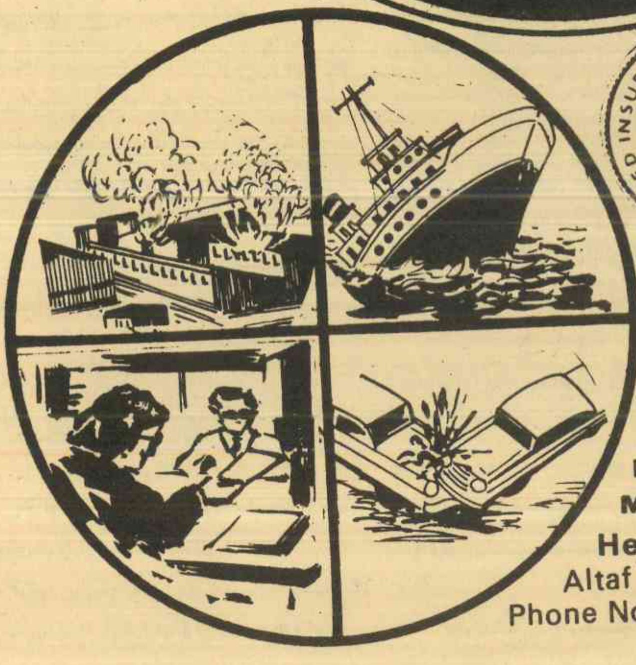

THE

UNITED

INSURANCE COMPANY OF PAKISTAN LTD.

FIRE, MARINE, MOTOR AND MISCELLANEOUS INSURANCE

Head Office : Valika Chambers.
Altaf Hussain Road, Karachi
Phone No. 219591 (3 Lines)

ORIENT

اسلامی جغرافیائی کانفرنس میں

مسئلہ کشمیر کو نظر انداز کر دیا گیا

کانفرنس میں شریک پاکستانی وفد شاپنگ میں مصروف رہا

ریاض میں منعقد ہونے والی حالیہ اسلامی جغرافیائی کانفرنس ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کانفرنس ۲۰ تا ۲۵ جنوری شاہ فیصل آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی، جس میں اسلامی ممالک کے علاوہ امریکہ، کینیڈا اور انگلستان سے مسلم مندوبین آئے، جن کی جغرافیائی تحقیق باعثِ فخر ہے اور جنہوں نے اس علم کی خدمت میں طویل عرصہ صرف کیا ہے۔ امت مسلمہ کو یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ ان کی صلاحیتوں سے خاص طور پر مسلم ممالک کتنا فائدہ اٹھا رہے ہیں اور غیر مسلم ممالک کس حد تک ان کی خدمات سے فیض یاب ہوئے ہیں۔

پانچ روزہ کانفرنس میں جس کا اہتمام جامعہ امام محمد بن سعود نے کیا، تقریباً ایک سو پچاس مندوبین شریک ہوئے۔ جن کی اکثریت عرب ممالک سے تھی بعض ماہرین نے بہت قیمتی اور مفید مقالات پیش کیے، ان کی گفتگو سے یہ بات عیاں تھی کہ ان سب کو مسلم یک جہتی عزیز ہے، ان میں ایک دوسرے سے روابط اور تعلقات بڑھانے کی تڑپ اور امت مسلمہ کو ایک باوقار مقام دلانے کی جستجو ہے۔

کانفرنس کا افتتاح

ریاض کے نائب گورنر شہزادہ سطام بن عبدالعزیز نے اپنے افتتاحی خطاب میں اس اہمیت کو واضح کیا کہ مسلم جغرافیہ دانوں اور ماہرین کا ایک جگہ مل بیٹھنا وقت کا ایک اہم تقاضا ہے اور اتحاد کی مزید راہیں کھولتا ہے۔ اس طرح کی کانفرنسوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جانا چاہیئے اور باہم صلاح مشورے سے علم کی روشنی کو دور دراز علاقوں میں پھیلانا چاہیئے۔ انہوں نے توقع ظاہر کی مسلم جغرافیہ دان وقت کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے وطن، امتِ مسلمہ اور اسلامی علم کے حصول میں گراں قدر خدمت انجام دیتے رہیں گے۔

اس سے قبل کانفرنس کے اغراض و مقاصد واضح کرتے ہوئے جامعہ امام محمد بن سعود کے وائس چانسلر نے کہا کہ اس قسم کی کانفرنس کا انعقاد مسلم برادری کو قریب لانا ہے اور جغرافیہ کے ذریعے ان کے مسائل سمجھنا اور ان کا حل تلاش کرنا ہے۔

مملکتِ سعودی عرب کی علمِ دین کی مشہور درس گاہوں میں جامعہ امام محمد بن سعود کا شمار ہوتا ہے جو گزشتہ سالوں میں بہت مفید کانفرنسیں منعقد کرا چکی ہے، جس کے ذریعے قیمتی مقالات حاصل کیے گئے یا تجاویز مرتب کی گئیں جو فی الوقت جامعہ کی درس و تدریس کا قیمتی حصہ بن چکی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے یہ خیال آیا کہ ایک ایسی کانفرنس منعقد کی جائے جس کا تعلق بنیادی طور پر مسلم جغرافیے سے ہو، تاکہ ان ممالک میں موجودہ مادی، صنعتی اور زراعتی صلاحیتوں کا جائزہ لیا جائے اور ایسی کمی کی نشاندہی کی جائے جس کا مسلم ممالک شکار ہیں۔

پاکستانی وفد

تقریباً ۱۵۰ ماہرین و اساتذہ میں سے بیشتر لوگ عرب ممالک سے آئے، ان سب میں مصر کا وفد سب سے بڑا تھا، اس کے بعد مجموعی طور پر پاکستانی ماہرین کا نمبر تھا، حالانکہ چار ماہرین پاکستان کے باہر مقیم ہیں۔ مثلاً ایران، کناڈا، امریکہ اور نائجیریا، جو حضرات براہِ راست پاکستانی وفد کی شکل میں آئے۔ ان میں پشاور یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد اسمٰعیل سیٹھی بھی تھے جو اقتصادیات کے ماہر ہیں۔ دوسرے ممبر ایک کمپری ہینسیو اسکول کے پرنسپل تھے، جن کا مقالہ بھی اسکول کے ہی معیار کا تھا۔ کوئی جغرافیائی ماہر اس سرکاری وفد میں شامل نہ تھا۔

کشمیر کیوں نظر انداز ہوا؟

شائد پاکستانی ماہرین کو بھی تعجب ہوا ہو کہ کانفرنس کے آخری اجتماع میں جب سفارشات پیش کی گئیں، تو ان میں دوسری سفارشات کے علاوہ فلسطینی باشندوں، اریٹریا اور فلپائن کے مسائل بھی شامل تھے، لیکن کشمیر کا مسئلہ کہیں پیش نہ کیا گیا۔ چار صفحات کی سفارشات میں تمام معاملات اٹھائے گئے، لیکن کشمیر کے عوام کو نظر انداز کیا گیا۔ معلوم ہوا ہے کہ کانفرنس کے بیشتر مندوبین شہر میں اپنے دوستوں سے ملتے رہے یا شاپنگ کرتے رہے، لیکن آخری اجتماعات میں جہاں سفارشات مرتب کی جا رہی تھیں، وہ موجود نہیں تھے۔ بعض مندوبین نے جو کانفرنس میں موجود تھے، انہوں نے ہمت کر کے کشمیر کا سوال بھی اٹھایا، لیکن ہندوستانی مندوب نے مخالفت کہ کشمیر کا نام لے کر کسی سفارش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک پاکستانی مندوب نے زور دیا کہ یہ معاملہ ووٹنگ کے لیے پیش کیا جائے، لیکن اس وقت عرب ممالک کے مندوبین جو اکثریت میں تھے، اثر انداز ہوئے اور کشمیر کا ذکر کہیں نہیں آیا۔ نہ کسی پاکستانی ماہر نے یہ جرأت کی کہ اپنا نقطۂ نظر احتجاجی طور پر پیش کر کے ریکارڈ میں یہ بات لائی جاتی کہ یہ مسلمانوں کا اہم مسئلہ ہے۔

حد یہ ہے کہ منتظمین کانفرنس نے پاکستان سے ایک مقالہ کشمیر کے بارے میں طلب کیا تھا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس موضوع پر تیاری کی کسی کو توفیق نہیں ہوئی اور یہ اہم معاملہ نظر انداز کر دیا گیا۔ یہ بات واضح رہے کہ جامعہ امام محمد بن سعود کے ذمہ دار حضرات کشمیر کے مسئلے سے بخوبی واقف ہیں اور پاکستان کی تائید کرتے رہتے ہیں۔

شیخ الجامعہ جناب عبدالمحسن ترکی اچھی فکر کے مالک ہیں اور مسلم مسائل پر عمیق نظر رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کی دلی خواہش ہو کہ تمام مسلم اقلیتوں کے مسائل سامنے آئیں اور کشمیر بھی تجاویز کا حصہ بنے، لیکن ہمارے ہی لوگوں نے اسے نظر انداز کر دیا، تو شکایت کس سے کی جائے۔

کچھ ذکر موسم کا

عرصہ سے ریاض کا موسم خشک چل رہا ہے۔ نومبر میں عام طور پر بارش ہوا کرتی تھی، لیکن انتظار کی گھڑیاں اس بار لمبی ہوتی چلی گئیں۔ گزشتہ ماہ پوری مملکت میں نمازِ استسقا ادا کی گئی، جس کے بعد حجاز میں اتنی بارش ہوئی کہ سیلاب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی، لیکن دو ہفتے پہلے تک ریاض خشک رہا۔ یہ شاید جغرافیہ دانوں کی برکت تھی کہ کانفرنس کے دوران کئی بار ریاض میں بارش ہوئی، چار سو ماحول نکھرا نکھرا اور اجلا اجلا نظر آنے لگا۔

<u>دیگر تجاویز</u>

دوسری تجاویز جو اتفاق رائے سے منظور کی گئیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ مسلم ماہرینِ جغرافیہ کو چاہیے کہ اپنی تحقیقی نظر کو وسیع کریں۔ مسلم ممالک پر تاریخ کے پس منظر میں مزید کام کریں، جس میں خطۂ سعودی عرب بھی شامل ہو۔

۲۔ نئے اٹلس، انسائیکلو پیڈیا اور دیگر دستاویزی کام کیے جائیں، کتابیں شائع کی جائیں جو مسلم معاشرے کی جغرافیائی، سماجی اور اقتصادی صورتِ حال کو پیش کریں۔

۳۔ غذائی صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے، سمندر کے پانی کو زراعتی کام کے لیے استعمال کرنے کے بارے میں تحقیق کی جائے۔ پیداوار کو بڑھانے پر توجہ دی جائے تاکہ ایک مسلم ملک دوسرے برادر ملک سے فائدہ اٹھائے۔

۴۔ فلسطین، اری ٹیریا اور فلپائن کے مسلمانوں کے مسائل پر کام کیا جائے اور ان کے جائز حقوق دلوانے کی سعی کی جائے۔

۵۔ عربی زبان میں جغرافیائی اصطلاحات کا ترجمہ کیا جائے اور اسی طرح عربی اصطلاحات کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا جائے۔

۶۔ اسلامی تعلیمات کو علمِ جغرافیہ میں اہم مقام دیا جائے۔ تعلیمی اداروں کے کتب خانوں میں جغرافیائی کتابوں کا وہ ذخیرہ جمع کیا جائے جو مسلمان جغرافیہ دانوں کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ مستشرقین کے کاموں پر تنقیدی نظر رکھی جائے جن میں تعصب سے کام لیا گیا ہے۔

۸۔ اسلامی جامعات خاص طور پر جامعہ امام محمد بن سعود دیگر ممالک کے مسلمانوں کے لیے وظیفے مقرر کرے تاکہ وہ علم جغرافیہ کے فروغ کے لیے اپنی بہترین خدمات انجام دے سکیں۔

۹۔ غیر مسلم ممالک کے مسلمانوں کو درپیش مسائل پر چھان بین کی جائے اور انہیں منظرِ عام پر لایا جائے۔

اس کانفرنس سے پاکستانی ماہرین اس وجہ سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکے کہ وہ انگریزی میں گفتگو کرتے تھے اور دوسرے مندوبین سے جن کی اکثریت عرب تھی، براہِ راست ہم کلام نہیں ہو سکتے تھے، جبکہ بھارت کے بعض مندوبین عربی زبان پر کماحقہٗ عبور رکھتے تھے انہوں نے مباحثوں میں بھرپور حصہ لیا اور تمام مقالات کا تنقیدی مطالعہ کیا۔

نہ معلوم بین الاقوامی اجتماعات میں ہمارے وفود بھرپور حصہ لینے کے قابل کب ہوں گے، خاص طور پر عرب ممالک کے اجتماعات تو صرف عربی زبان میں ہوتے ہیں، چونکہ پاکستانی افراد عربی سے ناآشنا ہوتے ہیں، اس لیے اپنا وقت اور اپنی صلاحیتیں مفید طور پر استعمال نہیں کر پاتے۔

اجتماع کے بعد وفود کو عمرہ کے لیے چارٹرڈ جہاز سے مکہ مکرمہ لے جایا گیا اور ان کو قیمتی کتب و رسائل سے نوازا گیا۔ جامعہ کی اس کانفرنس کا نظم قابلِ رشک رہا۔

سعودی عرب میں بھارتی ماہرین کا اضافہ ہو رہا ہے

پاکستانی ڈاکٹروں کی کارکردگی اچھی نہیں

سعودی عرب کا دارالخلافہ ریاض آجکل سیاسی گہما گہمی کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب کوئی اہم بین الاقوامی شخصیت دورے پر نہ آئے، کیونکہ سعودی عرب سیاسی اعتبار سے اور قدرتی وسائل کی بنا پر آج کی دنیا میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ اس لئے یہاں کبھی کسی ملک کا صدر پہنچ رہا ہے۔ کبھی کوئی وزیراعظم آ رہا ہے اور غیر ملکی وزراء کی آمد کا تو یہ حال ہے کہ صبح، دوپہر، شام کوئی نہ کوئی پہنچتا ہی رہتا ہے۔ اسی وجہ سے شاہی مہمان خانہ ہر وقت چوکس رہتا ہے، ریڈیو اور ٹیلیویژن کے لوگ ہر وقت ڈیوٹی پر رہتے ہیں اور اخباری نمائندے خبروں کی تلاش میں ایئرپورٹ اور ہوٹلوں کے گرد گھومتے پھرتے ہیں۔

<u>غیر ملکی وزراء کی آمد</u>

جنوری کے تیسرے ہفتے ایک وزیر بنگلہ دیش سے اور ایک ہندوستان سے تشریف لائے۔ بنگلہ دیشی وزیر مرزا نورالہُدیٰ تھے۔ جو وہاں کے وزیرِ خارجہ ہیں، وہ جدہ پہنچے اور ولی عہد شہزادہ فہد بن عبدالعزیز سے ملاقات کر کے انہیں صدر ضیاء الرحمٰن کا ایک خصوصی پیغام پہنچایا۔ ہندوستانی وزیر صنعت و قدرتی وسائل جارج فرنینڈس بھی ریاض آئے اور سعودی وزیرِ تجارت ڈاکٹر سالم اور وزیرِ صنعت و برقی وسائل ڈاکٹر قصیبی نے ان کا استقبال کیا۔

سعودی الیکٹرک کارپوریشن نے مملکت کے جنوبی شہر جیزان میں ایک ہندوستانی کمپنی کو بجلی مہیا کرنے کا ایک بڑا ٹھیکہ دے رکھا ہے۔ جہاں تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ رفتار کو بڑھانے اور کارکردگی میں مزید اضافے کے لئے وزیرِ موصوف نے سعودی حکام سے طویل ملاقاتیں کیں اور مزید صنعتی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے امکانات کا جائزہ لیا۔ انہیں توقع ہے کہ ہندوستان اور سعودی عرب کے درمیان دوسرے صنعتی اور مشترکہ منصوبوں میں تعاون کی راہیں مزید ہموار ہوں گی۔

<u>بھارتی افراد کی اکثریت</u>

اس وقت بھارت سے لاکھوں مزدور، فنی ماہرین اور ٹیکنیشنز سعودی عرب آئے ہوئے ہیں ——— اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بھارت سے افرادی قوت باآسانی اور سستی مل جاتی ہے۔ بھارت سے آنے والوں میں زیادہ تر ہندو ہیں۔ شہر کے بڑے بڑے اسٹورس پٹرول پمپوں، ہوٹلوں اور دیگر تجارتی مراکز میں اب ہندو کثرت سے دکھائی دیتے ہیں جیسے بحرین میں ان کی افراط ہے جو عرصۂ دراز سے ہندوستانی باشندوں اور مزدوروں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جو سعودی تاجر یا ایجنٹ بھارت سے افرادی قوت لانے جاتے ہیں وہ سیدھے بمبئی کا رُخ کرتے ہیں، وہاں کے مقامی ایجنٹ ان تاجروں کی رہائش، سیاحت اور تفریح کے لئے معقول انتظامات کرتے ہیں اور خوب تحفے تحائف دیتے ہیں۔ اس کے بعد اچھی خاصی لیبر سستے داموں مل جاتی ہے۔

گذشتہ سال عرب ممالک سے جن میں امارات بھی شامل ہے، لاکھوں لوگ بمبئی اور بھارت کے دوسرے شہروں میں بس گئے، خوب شاپنگ کی اور تجارتی تعلقات بڑھاتے۔ اب یہ لوگ یورپ کی طرف کم اور بھارت، سری لنکا یا جنوب مشرق کے دوسرے شہر مثلاً سنگاپور، منیلا، ہانگ کانگ اور خاص طور پر بنکاک زیادہ جاتے ہیں۔ جہاں یورپ کے مقابلہ میں مہنگائی کم ہے اور لاکھوں ڈالر ایک ایک شخص خرچ کرتا ہے۔ تجارت بھی ان ممالک سے چوٹی پر جا رہی ہے۔

<u>امریکہ کے ساتھ تعلقات</u>

بہر حال یہ کہنا غلط ہو گا کہ یورپ کسی طرح پیچھے رہ جانا چاہتا ہے، وہاں سے بھی روزانہ تجارتی وفود سعودی عرب کے دورے پر آتے رہتے ہیں۔ آجکل امریکی وزیرِ تجارت مسز کریپس پانچ روزہ دورے پر آئی ہوئی ہیں۔ یہ پہلی خاتون ہیں جو سعودی حکام کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہیں اور دونوں ممالک کی تجارت کو فروغ دینے کی مزید کوششیں کی جا رہی ہیں، خیال ہے کہ اس وقت کسی ملک سے اتنے بڑے پیمانے پر تجارت نہیں ہے، جتنی امریکہ کے ساتھ ہے جو بلین ڈالر سے تجاوز کر گئی ہے۔ تجارت کے علاوہ سعودی حکام دوسرے شعبوں میں بھی امریکہ سے مزید تعلقات بڑھانے میں کوشاں ہیں۔

<u>پاکستانی ڈاکٹروں کے لئے لمحۂ فکریہ</u>

حال ہی میں وزیرِ صحت ڈاکٹر الجزائری نے ڈاکٹروں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اب یہاں امریکہ اور یورپ سے ڈاکٹروں اور دوسرے اسٹاف کی بھرتی کی جائے گی، انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور سری لنکا کے میڈیکل اسٹاف سے ان کا تجربہ اچھا نہیں رہا ہے، وہ ان کی کارکردگی سے غیر مطمئن ہیں اور نئی آسامیوں کو امریکی اور یورپی ڈاکٹروں سے پُر کیا جائے گا۔

پاکستانی ڈاکٹروں کے لئے یہ سوچنے کا مقام ہے کہ ان کے کانٹریکٹ ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی وطن واپسی کے امکانات بڑھتے جائیں گے یا تو وہ سعودی حکام کے معیار کے مطابق اپنی کارکردگی کو بہتر بنائیں یا پھر واپسی کے انتظامات بھی کرتے ہیں۔

بہتر بینکاری کے لئے
"بہترین" کا انتخاب

کم تر پر اکتفا کیوں کیجیے،
جب بینکاری کی ضروریات کے لئے آپ "بہترین" کا انتخاب کر سکتے ہیں۔
انتخاب کے لئے چند اشارے:۔

- ایسے بینک کا انتخاب کیجیے جو جدید بینکاری کے اعلیٰ معیار اور انفرادی اور پرخلوص خدمات کی روایت رکھتا ہو۔
(اپنے دوستوں سے پوچھئے کہ یو۔بی۔ایل کے بارے میں اُن کی کیا رائے ہے)
- دیکھئے کہ اس بینک کا دائرۂ خدمت کتنا وسیع ہے۔
(دائرۂ خدمت کی وسعت میں یو۔بی۔ایل کی برابری مشکل ہے)
- یہ بھی دیکھئے کہ یہ بینک کتنا ترقی پسند اور توسیع پذیر ہے۔
(یو۔بی۔ایل کی شاخوں کی تعداد بڑھ کر غیر ممالک میں اب ۵۴ اور پاکستان میں ۱۶۰۰ سے زیادہ ہوگئی ہے اور ان میں برابر اضافہ ہو رہا ہے)

فیصلہ ان ہی باتوں کو سامنے رکھ کر کیجیے۔
بہرحال، اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ
بہتر بینکاری کے لئے "بہترین" بینک یو۔بی۔ایل ہی ہے۔

UBL
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ
ترقی ہمارا شعار

•76 UBL-45 R

کویت میں

پاکستانی سفارت خانہ پیپلز پارٹی بن کر رہ گیا ہے

یومِ قائدِ اعظم کی تقریب میں کھلی غنڈہ گردی کا مظاہرہ

نمائندہ زندگی اس سے پہلے بھی عمائدین اسلام آباد کو متوجہ کرتا رہا ہے کہ کویت میں ہمارا سفارت خانہ بدستور "بھٹو عہد" میں جی رہا ہے حالانکہ گذشتہ سال سفارت خانے کے اسٹاف میں بڑی تبدیلیاں اور تبادلے ہوئے، سابق سفیر نجم الثاقب ترقی پاکر اسلام آباد چلے گئے، قادیانی پریس آتاشی کو تمام جائز و ناجائز سہولتوں سے نواز کر پاکستان بھیجا گیا۔ یہ وہ صاحب ہیں جنہوں نے اپنے دورِ ملازمت میں بھٹو اور مخالفین پاکستان کی خدمت، پیپلز پارٹی اور اس قبیل کے دوسرے افراد سے زیادہ کی، مگر ستم ظریفی ملاحظہ کیجئے کہ ان کی ان "سیاہ خدمات" کا صلہ دیا گیا۔ اسی عرصے میں ترقی ہوئی۔ دورانِ ملازمت موصوف نے کویت میں اپنا کاروبار شروع کیا۔ ۳ ماہ کی خلافِ قاعدہ چھٹی فارن ایکسچینج میں تنخواہ کے ساتھ دی گئی، انہوں نے دس ہزار روپے کا ایڈوانس لیا تھا، وہ پانچ سال کے بعد لوٹایا، لیکن ان کا جاری کیا ہوا چیک واپس آچکا ہے۔ ابھی تک پاکستان انٹرنیشنل اسکول کے حسابات میں ان کا نام موجود ہے، مگر سفارت خانہ تاخیری حربوں سے کام لیتا رہا۔ کئی مہینے گزر گئے مگر ابھی آڈٹ رپورٹ مرتب نہیں ہو سکی۔ دریں اثنا موصوف ہماری بھولی وزارتِ اطلاعات" سے چشم زدن میں استعفےٰ منظور کرا کے کویت واپس آچکے ہیں تاکہ اپنے مذموم مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔

قادیانی پیش رو کے مشورے

سنا گیا ہے کہ موجودہ پریس اتاشی اپنے قادیانی پیش رو کے مشوروں کے پابند ہیں۔ اس کی تازہ مثال یومِ قائدِ اعظم پر منعقد ہونے والی تقریب ہے۔ یہ تقریب محبِ وطن پاکستانی انجمنوں کے تعاون سے پاکستان سنٹرل ایسوسی ایشن نے ایک بڑے ہوٹل میں منعقد کی گئی، مگر اس تقریب کو پیپلز پارٹی اور بھٹو کے مقاصد کی خاطر استعمال کرنے کے لئے پاکستانی سفارت خانے پر زور دیا کہ ان تنظیموں میں پیپلز کلب کو بھی شامل کیا جائے۔ بہانہ یہ بنایا گیا کہ ہم پاکستانیوں کا ایک نمائندہ اجتماع چاہتے ہیں اور ان کے سفیر ایسے اجتماع میں تشریف لانا زیادہ پسند کریں گے۔

واضح رہے کہ کویت میں پیپلز پارٹی کی اس تنظیم کے علاوہ کسی سیاسی جماعت کی باقاعدہ کوئی تنظیم نہیں، کیونکہ کویت کے قوانین اس بات کی اجازت نہیں دیتے اور دوسری سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ یہ پسند بھی نہیں کرتے کہ پاکستان سے باہر سیاسی سر پھٹول ہو اور پاکستانی ایک دوسرے سے لڑائی کریں۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ کویت میں صرف ایک آدمی نے پیپلز پارٹی کی سیاسی تنظیم بنا ڈالی ہے۔ اس کی پشت پناہی ہمارا سفارت خانہ کرتا رہا ہے۔ اب بھی نئے پریس آتاشی کا دَرپردہ تعاون اس کو حاصل ہے جس کی مثال یومِ قائدِ اعظمؒ کے پروگرام سے واضح ہوئی۔ اس پروگرام میں سفارت خانے کے دباؤ پر پیپلز کلب کے اس ایک آدمی اور اس کے ہوٹل کے ملازمین کو شامل کیا گیا جنہوں نے سفیرِ محترم کی موجودگی میں کھلی غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا۔ ہر مقرر کی تقریر کے دوران میں کھڑے ہو کر اس کو پریشان کیا گیا۔ چیخ چیخ کر مطالبہ کیا گیا کہ صرف قائدِ اعظمؒ پر بولو، سیاست پر کوئی بات نہ کرو۔ حسنِ اتفاق سے ان دنوں مولانا گلزار مظاہری صاحب کویت آئے ہوئے تھے، انہوں نے گرج دار آواز میں تقریر کر کے ان تخریب کاروں کا منصوبہ ناکام بنا دیا، ورنہ اس دن کویت میں پاکستانیوں کی بڑی رسوائی ہوتی، اور یہاں رہنے والے پاکستانی کسی کو اپنا منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ مولانا گلزار مظاہری نے بات ہی یہاں سے شروع کی کہ ہم یہاں ایک سیاسی قائد کی یاد منانے جمع ہوئے ہیں، لیکن ہم پر قدغن لگائی جا رہی ہے کہ سیاست پر بات نہ کریں۔ کیا پاکستان حاصل کر لینا ایک غیر سیاسی کارنامہ تھا اور اگر سیاسی تھا، تو قائدِ اعظم کے اس عظیم کام کا ہم ذکر ہی نہ کریں۔

بات دراصل یہ ہوئی کہ شروع میں ایک مقرر نے اپنی تقریر میں قائدِ اعظمؒ کے بعد پاکستان کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچا تھا۔ جس میں سب سے زیادہ سیاہ کار بھٹو کا بھی بغیر نام کے ذکر آیا تھا۔ جس نے پاکستان کو دولخت کر کے اس پر اپنا تخت و تاج بچھایا۔ بس یہی بات پیپلز پارٹی کے اس فردِ واحد کو ناگوار گزری یا اس نے اس کو بہانہ بنا کر جلسے کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کی۔

یومِ قائدِ اعظم پر بھٹو کے کارناموں پر فلم

دوسری جانب ہمارے سفارت خانے سے جب پاکستان انٹرنیشنل اسکول نے قائدِ اعظم کی زندگی سے متعلق فلم دکھانے کے لئے مانگی، تو اسکول میں والدین اور بچوں کو بھٹو کے عہد کے بارے میں فلم دکھائی گئی۔ ہمیں افسوس ہے کہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر ہوا اور اس میں موجودہ پریس اتاشی کا پورا پورا ہاتھ ہے۔ سفارت خانے کی طرف سے اسکول کے انتظام کی ذمہ داری کونسلر جناب کے کے غوری کی ہے، مگر سابق پریس کونسلر کے لائے ہوئے پرنسپل اور اس کے حواریوں نے موصوف کو بالکل بے دست و پا کر دیا ہے۔ اسکول کا حال یہ ہے کہ پاکستانی اس کی بدانتظامی کی وجہ سے اپنے بچوں کو انڈین اسکولوں میں بھیجنے پر مجبور ہیں۔

حال ہی میں امتحانات کے دوران میں مجھے سپرنٹنڈنٹ نے بتایا کہ انہیں الماریوں میں سے غلام احمد کی دو کتابیں ملیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکول کو قادیانی تبلیغ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اب نئے سفیر جناب مہدی مسعود تشریف لے آئے ہیں۔ پاکستانی یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ تمام معاملات پر خود توجہ دیں گے اور چند غنڈوں کی گیدڑ بھبکیوں کی وجہ سے سفارت خانہ بدستور بھٹو کا وفادار نہیں بنا رہے گا۔

ایک ایسے شخص کے تجربات جو ۴۰ سال کی عمر میں ۷۰ سال کا بوڑھا لگتا تھا، لیکن پھر ۷۰ سال کی عمر کو پہنچ کر بھی جوان نظر آتا تھا۔
از: حکیم اقبال حسین ایم۔اے
چھٹا ایڈیشن : رنگین سرورق
بڑھاپا
اور
اُس کا سدّباب
قیمت : ۴ روپے
• اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ بڑھاپے کو کیسے روکا جا سکتا ہے۔
• ورزشوں کا بہترین کورس بچوں، جوانوں، اور بوڑھوں کے لیے یکساں مفید۔
مکتبۂ اُردو ڈائجسٹ سمن آباد لاہور

فائر
ایکسیڈنٹ
میرین

اور دیگر متفرق
بیمہ کاری کے لئے

TOTAL SECURITY

مکمل تحفظ

دی اسٹینڈرڈ انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ADGROUP

جاپانی وزیر اسلام قبول کرلے گا؟

مسجدِ قرطبہ میں پہلی نماز

ٹوکیو سے پین عرب نیوز ایجنسی نے مؤتمر عالم اسلامی کے ڈاکٹر انعام اللہ خان کو ایک ٹیلیکس پیغام کے ذریعے مطلع کیا ہے کہ ۲۱ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو ٹوکیو میں جاپان کی قوت الاسلام اسمبلی کے اجلاس میں ۳۶ مسلم ممالک نے بالواسطہ اور بلاواسطہ حصّہ لیا۔ اس لحاظ سے یہ اجلاس آج تک کے منعقدہ جلسوں میں سب سے بڑا جلسہ تھا۔

اسلامی ممالک کے متعدد سربراہوں اور وزرائے خارجہ نے تہنیتی پیغامات کے ذریعے مسلم اسمبلی کے لیے اپنی خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کیا۔ اس جلسے میں سات ہزار جاپانی مسلمان شریک ہوئے اور سورج پرستوں کے اس ملک میں توحید پرستوں کا یہ سب سے بڑا تاریخی اجتماع تھا۔ اس اسمبلی کے انعقاد کا سہرہ ہزایکسی لینسی ڈاکٹر ٹوقی فتاکی کے سر ہے جو جاپان کی اسلامی کانگریس کے صدر ہیں۔

یہ جلسہ حکومتِ جاپان کے ایک سابق وزیر ڈاک و تار ہزایکسی لینسی ڈاکٹر محمد کومی یاما کو مبارکباد دینے کے لیے منعقد ہوا تھا، جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا ہے۔ وہ اب بھی پارلیمنٹ کے اہم رکن ہیں اور ملک کے تمام حلقوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

اس جلسے میں ان جاپانی ڈاکٹروں کی خدمات کو بھی سراہا گیا، جو امسال ایک وفد کی صورت میں حج پر گئے تھے اور جنہوں نے بلالحاظ رنگ و نسل تمام حجاج کی مقدور بھر خدمت کی تھی۔ پروفیسر ڈاکٹر ٹوقی فتاکی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کے فضل وکرم سے اسلام دنیا کے تمام ممالک میں بشمول جاپان آگے بڑھ رہا ہے، مؤتمر عالمِ اسلامی نے متحرک شخصیت کے مالک، پروفیسر ٹوقی فتاکی کی ان مساعی کو خراجِ تحسین ادا کیا ہے جو وہ جاپان میں اسلام کی ترقی کے لیے کر رہے ہیں۔

نومسلم سیاستدان مسٹر محمد کومی یاما اور ڈاکٹر ٹوقی فتاکی نے مل کر جاپان میں نئے ہجری سال سے اسلامک انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ انسٹی ٹیوٹ جاپان اسلامک کانگرس کے بھرپور تعاون کے ساتھ کام شروع کرے گا اور اس کا صدر دفتر ٹوکیو میں شنجو کو کے مقام پر قائم کیا جائے گا۔ یہ انسٹی ٹیوٹ حکومت جاپان اور جاپانی عوام کو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مستند معلومات مہیا کرے گا اور مشرق بعید کے علاقے میں اسلام کی تبلیغ کی کوشش کرے گا۔ اس انسٹی ٹیوٹ میں تحقیقی کام بھی کیا جائے گا۔

شاید یہ خبر بھی قارئین کی نظر سے گزر چکی ہو گی کہ مشہور جاپانی پہلوان انوکی نے بھی قبولِ اسلام کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ وہ بین الاقوامی شہرت کے پہلوان ہیں اور باکسنگ کے عالمی چیمپئن محمد علی سے بھی مقابلہ کر چکے ہیں۔ ماہِ رواں میں وہ ۱۹ سالہ پاکستانی پہلوان زبیر عرف جھارا سے کشتی لڑنے پاکستان آرہے ہیں۔ اگر انوکی نے اسلام قبول کر لیا، تو جاپان میں اسلامی تحریک کو آگے بڑھنے میں بڑی مدد ملے گی اور جاپانی مسلمانوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔

تقریباً پانچ سو برس کے بعد اس سال پہلی مرتبہ مسلمانوں نے سپین کی مشہور مسجد قرطبہ میں عیدالاضحٰے کی نماز ادا کی۔ اس نماز کا اہتمام مشترکہ طور پر انگلستان کی "سوسائٹی آف اسلام" اور "سپین میں مراجعت اسلام" کی سوسائٹی نے کیا تھا۔ سپین میں اسلام آٹھویں صدی عیسوی میں پہنچا اور اسے وہاں تک پہنچانے میں مراکو کے بربر قبائل نے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ سپین میں مُسلمان کئی سو سال تک شان وشوکت سے حکومت کرتے رہے، لیکن باہمی سرپھٹول کے باعث بالآخر انہیں عیسائیوں کے ہاتھوں شکست کھانا پڑی، جس کے نتیجے میں اس ملک سے مسلمانوں کا کلی طور پر خاتمہ کر دیا گیا۔

قرطبہ کی یہ شاندار مسجد جو سپین میں عرب فنِ تعمیر کا نادر نمونہ شمار ہوتی ہے، پچھلے پانچ سو برس سے گرجا کے طور پر استعمال ہو رہی تھی اور اس کا انتظام قرطبہ کے بشپ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے بھی اس مسجد پر ایک پُرتاثیر نظم اس وقت ارشاد فرمائی تھی، جب وہ انگلستان میں گول میز کانفرنس سے فارغ ہو کر واپس آتے ہوئے سپین سے گزر رہے تھے۔ وہ سپین میں اسلامی آثار کی زیارت کے مشتاق تھے اور مسجدِ قرطبہ کو دیکھنے کے لیے خاص طور پر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے دو نفل نماز بھی ادا کی تھی، جس کی تصاویر اس زمانے میں مختلف جرائد میں شائع ہوئی تھیں۔

گذشتہ برس قرطبہ کے بشپ نے خصوصی طور پر مسلمانوں کو مسجد میں عیدالاضحٰے کی نماز ادا کرنے کی اجازت دی۔ نماز میں دو سو سے زائد اہلِ ایمان شریک ہوئے، جن میں سپین میں پیدا ہونے والے مسلمان اور پاکستانی مسلمان دونوں شامل تھے۔ مبصرین کا خیال ہے کہ شاید اب یہ مسجد مسلمانوں کو واگذار کر دی جائے گی۔ یاد رہے کہ شاہ فیصل مرحوم نے بھی حکومتِ سپین سے اس مسجد کی واپسی کی اپیل کی تھی، لیکن قرطبہ کے عیسائی وہاں سے گرجا ہٹانے پر تیار نہیں تھے۔ قرطبہ کے بشپ کا حالیہ فیصلہ اس امر کا غماز ہے کہ حکومتِ سپین بالآخر اس مسجد کو واگذار کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔

آزاد اری ٹیریا کا ریڈیو

اس سال یکم جنوری سے اری ٹیریا ریڈیو کی نشریات شروع ہو گئی ہیں۔ اری ٹیریا کے مُسلمان بیس برس سے جنگِ آزادی لڑ رہے ہیں اور انہوں نے جلشہ کی حکومت سے خاصا بڑا علاقہ آزاد کرا لیا تھا، لیکن روس اور کیوبا کی مدد سے حبشہ نے محاذِ آزادی کو پھر پیچھے دھکیل دیا اور متعدد شہر دوبارہ غلام بنا لیے۔ اس پس منظر میں ـــ یکم جنوری کو جب اری ٹیریا ریڈیو کی آواز پہلی مرتبہ سُنائی دی، تو مجاہدینِ آزادی کے حوصلے بلند ہو گئے۔ تیل کے دِیوں کے گرد بیٹھے ہوئے مسلمان مجاہدین اپنے آزاد ریڈیو کی آواز سُن کر اللہ اکبر کے نعرے لگانے لگے۔ دو ماہ قبل روس اور کیوبا کے سپاہیوں نے انہیں صوبائی شہروں سے دھکیل کر پہاڑی ٹھکانوں میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب مجاہدینِ آزادی نے دوبارہ خاصے بڑے علاقے پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے اور پچھلے دنوں اخبار نویسوں کی ایک جماعت نے آزاد علاقے کا دورہ کر کے محاذِ آزادی کی کامیابیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

وارسا میں مسجد کا منصُوبہ

پولینڈ کی مسلم آبادی میں نمایاں عنصر تاتاریوں کا ہے جنہوں نے حال ہی میں اپنے ثقافتی آثار محفوظ رکھنے کے لیے ایک میوزیم قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پولینڈ میں مسلمانوں کی تاریخ پچھلے پانچ سو سال پر محیط ہے اور اس مجوزہ میوزیم میں بعض پانچ سو سالہ پرانی چیزیں بھی محفوظ کی جائیں گی۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حکومت پولینڈ مشرقِ وسطیٰ کے اسلامی ممالک سے خصوصی روابط قائم کرنے پر توجہ مرکوز کر رہی ہے۔

تاتاری میوزیم کے علاوہ پولش مسلمان ایک اور پراجیکٹ پر بھی کام کر رہے ہیں جس میں پولینڈ کے دارالخلافے وارسا میں ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر بھی شامل ہے۔ پولینڈ کے تاتاری مسلمان قابلِ قدر علمی ورثے کے مالک ہیں، حتیٰ کہ ماضی میں سلاوی رسم الخط کے ساتھ ساتھ عربی رسم الخط میں بھی کتابیں چھپتی رہی ہیں۔ محققین نے بعض ایسی کتابیں بھی دریافت کی ہیں جو پُرانے سلاوی رسم الخط کے علاوہ عربی رسم الخط میں بھی موجود ہیں۔ ان کتابوں میں قرآن کے بعض پاروں کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ یاد رہے کہ پولینڈ میں رومن کیتھولک اور مُسلمان چودھویں صدی سے اکٹھے رہ رہے ہیں۔

MAO ZEDONG

(Mao Tsetung)

نیا چین

"ہم اب آزاد ہیں"

چند برس قبل چیئرمین ماؤزے تنگ کی شخصیت چین پر چھائی ہوئی تھی۔ اس کے در و دیوار پر ماؤ کی تصویریں آویزاں رہتی تھیں اور "لال کتاب" مزدوروں کے ہاتھوں میں نظر آتی تھی، لیکن شخصیت پرستی کے اس رجحان میں چیئرمین ماؤ کی وفات کے بعد سے کمی آنا شروع ہو گئی۔ خود ان کی زندگی کے آخری ایام میں بھی ایک خصوصی مہم کے تحت ان کی تصویریں اور پوسٹر اتار دیے گئے تھے تاکہ عوام اصل جدوجہد سے ہٹ کر صرف انہی کی پرستش میں نہ کھو جائیں۔

چیئرمین ماؤزے تنگ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تو "چار کے ٹولے" کی پالیسیاں چلتی رہیں لیکن جلد ہی حالات نے پلٹا کھایا اور چیئرمین ماؤ کی بیوی سمیت اس گروہ کے رہنما پسِ زنداں دھکیل دیے گئے۔ اس کے بعد سے چین کی داخلی اور خارجی پالیسیوں میں تیزی سے تبدیلیاں آنا شروع ہوئیں۔ امریکہ کے ساتھ اس کے تعلقات بہتر ہوتے چلے گئے۔

نجی جائیدادیں واپس کر دی جائیں گی

چین میں پریس کی آزادی کی لہر سے پوری دنیا آگاہ ہو چکی ہے، لیکن اب زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی انقلابی قسم کی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ وہاں کمونسٹ انقلاب کے بعد تمام نجی جائیدادیں، فیکٹریاں اور کارخانے قومی ملکیت میں لے لئے گئے تھے۔ چین کی موجودہ قیادت نے محسوس کر لیا ہے کہ ان اقدامات سے ان کی معیشت کو سہارا ملنے کے بجائے ترقی کی رفتار متاثر ہوئی تھی۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق چین میں نجی ملکیت بحال کرنے پر غور کیا جا رہا ہے۔ چینی خبررساں ایجنسی سنہوا کے مطابق بارہ برس قبل ثقافتی انقلاب کے دوران کارخانہ داروں، فیکٹریوں کے مالکوں، دوسرے سرمایہ داروں اور تاجروں سے جو نجی املاک چھین لی گئی تھیں، وہ واپس کر دی جائیں گی۔ ان املاک میں سونا، چاندی، زمین اور مکان شامل ہیں۔

معاوضہ دینے کا اعلان

جس وقت یہ کارخانے اور فیکٹریاں قبضے میں لی گئی تھیں، ان کا معاوضہ دینے کا بھی وعدہ کیا گیا تھا، لیکن اس پر عمل نہ کیا گیا۔ اب معاوضہ دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ چین کے پولٹ بیورو کے ایک رکن مسٹر اولن فو نے ۲۶ جنوری کو دو سو سابق سرمایہ داروں کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ املاک پر قبضے کی پالیسی پرولتاری نہیں تھی۔ آئندہ تعلیم کے سلسلے میں کوئی امتیاز نہیں برتا جائیگا جن افراد کے ذاتی گھروں، بانڈز اور سونے چاندی کے زیورات کو حکومت نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا، وہ واپس کر دیے جائیں گے۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ ان افراد کی ہنرمندی سے ملک کو فائدہ پہنچے گا۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں سرمایہ کاری بنک قائم کیے جائیں گے، تاکہ سرمایہ دار وہاں اپنی رقوم جمع کرا سکیں۔ ادھر سابق سرمایہ داروں اور تاجروں نے یقین دلایا ہے کہ وہ چین کی سوشلسٹ معیشت کے استحکام کے لیے پیداوار بڑھائیں گے۔

چین کی گزشتہ ربع صدی کی تاریخ کا یہ سب سے بڑا واقعہ ہے۔ اس رویے نے ظاہر کر دیا ہے کہ چین اپنی سابقہ پالیسیوں کی ناکامی کا اعتراف کرتا ہے اور آئندہ ترقی کا راستہ اسے نجی ملکیت ہی میں نظر آتا ہے۔

نیو چائنہ نیوز ایجنسی نے ایک اور خبر بھی دی ہے، جس کے مطابق چین کی کمونسٹ پارٹی نے زمینداروں اور مالدار کسانوں کو ان کے شہری حقوق دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ لوگ ثقافتی انقلاب کے موقع پر سرمایہ دار قرار دیئے گئے تھے۔ اب ان لوگوں کو سکولوں اور ملازمتوں میں وہی درجہ دیا جائے گا جو کمیونوں میں جانے والے دوسرے افراد کو حاصل ہے، یہ فیصلہ اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اب مزدور طبقے میں شامل ہو گئے ہیں اور اب اپنی روزی خود کما رہے ہیں۔

ایک طرف تو سرکاری سطح پر نئے تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں عمل میں آ رہی ہیں، دوسری طرف جمہوریت پسندوں کی جدوجہد بھی تیز ہو گئی ہے۔ ۲۹ جنوری کو پیکنگ میں جمہوریت اور انسانی حقوق کی بحالی کا مطالبہ کرنے والے آٹھ میں سے چھ گروپوں نے مظاہرہ کیا۔ اس میں سات آٹھ سو افراد نے شرکت کی۔

بی بی سی کے مطابق ان کے مزاج میں سرکشی تھی۔ مقررین نے عزم ظاہر کیا کہ وہ اپنے مقصد کے لیے جان دینے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ مظاہرین نے چینی لیڈروں اور اعلیٰ حکام کے بلند معیارِ زندگی اور عوام کی زبوں حالی پر نکتہ چینی کی اور کہا کہ اب یہ لوگ ان مکانات میں کیوں نہیں رہتے، جن میں اس وقت رہتے تھے، جب پارٹی اقتدار کے لیے جدوجہد کر رہی تھی، ان گروپوں نے ایک سائیکلوسٹائل اخبار "پیپلز" بھی شائع کرنا شروع کر دیا ہے۔

پیکنگ ریویو سے بیجنگ ریویو

چین کے دارالحکومت پیکنگ سے ہر جمعہ کو ایک ہفت روزہ پیکنگ ریویو شائع ہوتا ہے۔ یہ رسالہ چین کی داخلی حکمت عملی اور نظریات کی نشاندہی کرتا ہے۔ گزشتہ کئی برس سے اس کے ٹائیٹل پر سرخ رنگ میں نمایاں طور پر "پیکنگ ریویو" چھپتا رہا ہے اور اس کے نیچے سرخ رنگ کی ایک پٹی ہوتی تھی، لیکن اب نئی پالیسی کے تحت اس رسالے کا نام "بیجنگ ریویو" کر دیا گیا ہے اور اس کے اندر ایک خصوصی مضمون میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ آئندہ چینی ناموں کا تلفظ کیا ہونا چاہیئے۔

اسی پرچے میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ رسالے کے لے آؤٹ پر خصوصی توجہ دی جائے گی اور قارئین کی دلچسپی کے مضامین شائع کیے جائیں گے۔ یہ تبدیلیاں چین کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کی آئینہ دار ہیں۔

ماؤزے تنگ سے ماؤزے ڈونگ

پوری دنیا میں چین کے سب سے بڑے عوامی رہنما چیئرمین ماؤ کے نام کا تلفظ بھی تبدیل کر دیا گیا ہے، اب ان کو ماؤزے تنگ نہیں، بلکہ "ماؤزے ڈونگ" لکھا اور پکارا جائے گا۔ یہ نیا نام کتنی دیر میں مقبول ہوتا ہے، یہ تو مستقبل بتلائے گا۔ ویسے چین کے اندرونی حالات میں جس تیزی سے تبدیلی آ رہی ہے، وہ ظاہر کرتی ہے کہ چیئرمین ماؤ کی پرستش کا سورج ڈوب رہا ہے اور چین میں شخصی آزادی کا سورج طلوع ہو رہا ہے۔ اس کا ایک اور علامتی اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اب غیر ممالک میں جانے والے چینی رہنما سرکاری تقریبات میں ماؤ اسٹائل کوٹ نہیں پہنتے، بلکہ ٹائی اور سوٹ پہن کر آتے ہیں۔ یوں ماؤ کی چھاپ اس لحاظ سے بھی ختم کی جا رہی ہے۔ پیکنگ ریویو یا بیجنگ ریویو اسے کچھ بھی کہیے، اس کے مضامین کے مواد میں بھی تبدیلیاں آنا شروع ہو گئی ہیں۔ اب ایسے مضامین شائع ہو رہے ہیں جن میں جدید ٹیکنالوجی حاصل کرنے اور تیزی سے صنعتی ترقی کرنے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

چین اب ہر سطح پر باہر کی دنیا سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ تائیوان کے ساتھ بھی اس کا رویہ اعتدال پسندانہ ہے اور وہ اسے بتدریج عمل کے ذریعے اپنے ساتھ ضم کرنا چاہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ عوامی جمہوریہ کے عوام تائیوان کی صنعت و حرفت سے مستفید اور متاثر ہوں گے۔ عوامی جمہوریہ چین نے تائیوان سے کہا ہے کہ اس کے نجی سرمایہ کاری کے نظام میں تبدیلی لائے بغیر ہی وہ اسے اپنے نظام کا حصہ بنانے پر تیار ہے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ چین تیزی سے نجی سرمایہ کاری کی جانب بڑھ رہا ہے۔

اب چین میں مذہبی آزادی دینے پر بھی زور دیا جا رہا ہے، حال ہی میں شنگھائی میں آٹھ سو مذہبی افراد کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ ان تمام حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چین کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہو چکا ہے جس سے اس کی ترقی کی نئی راہیں کھلیں گی۔

■■

رائے صاحب!

گاڑی کہاں سے آئی، بنگلہ کس نے دیا؟

جَب تک ہم اپنے بے کار اور غریب ہم وطنوں سے محبت اور ہمدردی نہیں کرتے ہمارے مسائل اچھی طرح حل نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم غریبوں کو روٹی نہیں دیں گے، تو وہ منہ کھولیں گے، اگر ان سے محبت اور ہمدردی نہیں کریں گے، تو وہ ضرور گالی دیں گے، ہمیں بھی، ہمارے معاشرے کو بھی اور ہماری مذہبی اور روحانی قدروں کو بھی۔ ان کو خاموش کرنے اور ان کا منہ بند کرنے کے لیے ان کے منہ میں کچھ ڈالنا ضروری ہے۔ اب ہم یہ بات سمجھ جائیں گے، تو پھر ہمارے بہت سے مسائل خود بخود خاموش ہو جائیں گے۔ مثلاً ان دنوں مسلمانانِ پاکستان کے لیے بہت ہی اچھے اور پڑھے لکھے "مسلمان" مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ ہماری مراد جناب میاں محمد حنیف رامے سے ہے۔ اس قومی اور سیاسی مسئلہ کی اگر ہم بُنیاد تلاش کریں، تو وہی غُربت اور بے کاری دریافت ہو گی۔ وہ ملک کے سب سے بڑے بے کار اور غریب سیاستدان، بلکہ سیاست خان ہیں۔ ان کی نہ کوئی اپنی جاگیر ہے، نہ کوئی چھوٹی موٹی صنعت ہے، نہ کوئی کاروبار ہے نہ کوئی ذریعۂ آمدن ہے۔ چھاؤنی میں ایک بنگلہ میں رہتے ہیں۔ ایک گاڑی ہے، دو جوان بیٹے اور ایک بے روزگار بیگم۔ ہم میں سے کبھی کسی نے اُن سے پُوچھا ہے کہ قبلہ اس غربت میں گزارہ کہاں سے ہوتا ہے اور کیسے ہوتا ہے۔ بنگلہ کا کرایہ کہاں سے ادا کرتے ہو؟ گاڑی میں روزانہ پٹرول کون ڈلوا کر دیتا ہے۔ بیوی بچوں کا اور گھر کا خرچ کہاں سے چلتا ہے؟ جس آدمی کا کوئی بھی ذریعۂ آمدنی نہ ہو، کیا ہمارا سیاسی اور اخلاقی فرض نہیں کہ ہم اس سے یہ پوچھیں؟ اور اگر ہم میں سے کوئی بھی نہیں پُوچھے گا، تو وہ بے کار اور غریب آدمی تو سیاست کرے گا اور لازماً غریبوں کے نام پر کرے گا اور ہماری قدروں کے خلاف بولے گا جو اس کی مکمل بے کاری اور بے روزگاری کا نوٹس نہیں لیتیں۔

مسٹر میاں محمد حنیف رامے کا ماضی اور ہماری قومی سیاست اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی انہیں روزگار مہیا کیا گیا وہ خاموش ہو گئے۔ مثلاً اس ملک کے آمرِ مطلق فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے اپنی جماعت کے لاہور آفس میں انہیں نہایت معمولی سا عہدہ، آفس قسم کا سیکرٹری دیا، تو وہ اتنے فرمانبردار ہو گئے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے پر سر پر پہلے ٹوپی رکھتے تھے اور پھر ریسیور اُٹھا کر "صدر ایوب زندہ باد۔ دفترِ مُسلم لیگ، فرمائیے۔" کہا کرتے تھے۔ جب تک انہیں یہ روزگار محفوظ معلوم ہوا، وہ سر پر جناح کیپ رکھ کر "صدر ایوب زندہ باد۔ دفتر مسلم لیگ، فرمائیے۔" کہتے رہے۔ اس شہر کے صحافی اور اس زمانے کے مسلم لیگی اس کے گواہ ہیں، لیکن جب ایوب خان کے خلاف تحریک کے آثار پیدا ہونے لگے اور انہیں اپنا روزگار خطرہ میں دکھائی دیا، تو وہ نئی نوکری کے لالچ میں صدر ایوب مردہ باد کہنے والوں سے جا ملے۔ یہ ان کے ضمیر کی نہیں پیٹ کی آواز تھی۔

مصیبت یہ ہے کہ ہم نے ابھی تک ضمیر اور پیٹ کی آواز میں فرق کرنا نہیں سیکھا اور یہی سمجھتے ہیں کہ خالی پیٹ والے کا ضمیر بھی کوئی آواز نکال سکتا ہے۔ بے کار آدمی تو اسی کے ساتھ چلے گا جو اسے کار دے، روزگار دے۔ پیپلز پارٹی نے انہیں یہ ضروریات فراہم کر دیں اور وہ ان کے ساتھ ہو گئے۔ اپنا ذاتی، سکول کے بچوں کے لیے محکمۂ تعلیم سے باقاعدہ منظور شدہ پرچہ "نصرت" "سب کے لیے"، تک پیپلز پارٹی کے ہاتھ بیچ دیا اور اُن کی نوکری کرنے لگے۔ وہ اتنے فرمانبردار نوکر تھے کہ مالک تو مالک، اس کے ملازموں تک کی گالیاں سُن کر بدمزہ نہیں ہوتے تھے۔ ان کی اس فرمانبرداری کے صلے میں ان کے اس دَور کے اصلی تے وڈے مالک نے انہیں پنجاب میں اپنے نمائندے، آمر، مصطفےٰ کھر کو خصوصی مشیر مقرر کر دیا تھا اور وہ جمہوریت اور آمریت کے امتیازات اور احساسات سے بے نیاز ہو کر انہیں عالمانہ اور فاضلانہ مشورے دینے میں مصروف ہو گئے تھے۔ اگر ان کے پیٹ میں کچھ ہوتا، تو کیا وہ عوامی مارشل لاء میں پنجاب کے ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر غلام مصطفےٰ کھر کے نیچے لگتے اور انہیں جمہوریت کُش مشورے دیتے۔ یہ مشورے بھی ضمیر کی نہیں پیٹ کی آواز تھے۔

اسی پیٹ کی آواز اور خدمت سے خوش ترین ہو کر کھر نے انہیں اپنے خزانوں کا محافظ بنا دیا تھا اور پنجاب کے پہلے وزیرِ اعلیٰ ملک معراج خالد کے خلاف چابی دیتا رہتا تھا۔ اگر پیٹ کی مجبوری نہ ہوتی، تو وہ ہرگز چابی پر نہ بولتے ضمیر کی آواز پر منہ کھولتے۔ اس خدمت سے مزید خوش ہو کر کھر نے اپنی وزارت میں اس چابی سے بولنے والے کھلونے کو سب سے سینئر وزیر بنا دیا تھا، لیکن جب نوکریوں کے دینے اور لینے والے کے کھر سے تعلقات کی نوعیت بدل گئی، تو انہیں بھی بدلنا پڑا کہ نوکری عزیز تھی کھر نہیں۔ پھر مالکِ ملک و نوکری جیسے جیسے انہیں استعمال کرتا رہا، وہ استعمال ہوتے رہے۔ اسی کثرتِ استعمال اور ملکی آزمائش کے نتیجے میں انہیں پنجاب کا وزیرِ اعلیٰ بنایا یا بنوایا گیا تھا۔ پنجاب کی اسی اعلےٰ وزارت کے دوران میں انہوں نے فرمانبرداری کے جو ریکارڈ قائم کئے وہ بھی سب کے سامنے ہیں۔ ایک بھرے جلسے میں انہوں نے اعلان کیا کہ میں اپنے "محبوب قائد" کی زبان سیکھنا چاہتا ہوں تاکہ میں اس کو سمجھ سکوں اور اس پر قربان ہو سکوں۔ پنجاب اسمبلی کے بھرے ایوان میں انہوں نے ملازمانہ وفاداری کا جو مظاہرہ کیا تھا، اس ایوان کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جہلم کے ایک رکن اسمبلی مرزا افضل حق نے اپنے دورِ مسلم لیگی میں صوبے کی غذائی صورتحال پر بحث کے دوران "قائدِ عوام" کا نام لے دیا، تو وہ یعنی محمد حنیف رامے بھوکے شیر کی طرح اچھلے اور گرجے کہ "جناب سپیکر اس نے ہمارے قائد کی توہین کی ہے۔ ہمارے جذبات مجروح کئے ہیں، آج میں ان کے گھر سلامت پہنچنے کی ضمانت نہیں دے سکتا۔" کیا کبھی کوئی بااختیار اور باروزگار وزیرِ اعلےٰ ایوان میں کسی معزز رکن کو ایسی دھمکی دے سکتا ہے؟ یہ پیٹ کی مجبوری تھی۔ اس مجبوری کے تحت جب انہیں اس اعلیٰ نوکری سے ہٹایا گیا، تو ان کے جذبات مزید مجرُوح ہو گئے تھے کہ اتنی خدمت پر بھی خوش نہیں ہوئے اور کیا پیش کروں؟ اچھے بھلے روزگار سے اچھے بھلے فرمانبردار ملازم کو علیحدہ کر دیا جائے اور وہ بھی بلا جواز، تو ایسے نوکر چاکر تو مالک کا گھر جلانے سے لے کر اس کو قتل تک کرنے پر آمادہ ہو جایا کرتے ہیں۔

مسٹر بھٹو کے خلاف ان کے جذبات کی شدت اس ملازمانہ اور نوکرانہ ردِ عمل کا نتیجہ تھی، ورنہ اگر کوئی سیاسی اور اصولی اختلافات ہوتے، تو وہ اس وقت بھی تو ہوتے، جب تک ملازمت سے علیحدہ نہیں کیا گیا تھا۔ پھر وہ تو خود کہتے ہیں کہ سب سے بڑی مجبوری پیٹ کی مجبوری ہے، جس کا پیٹ خالی ہو اس کا نہ کوئی اصول ہوتا ہے نہ مذہب اور نہ اخلاق۔ اس نوکری کے دوران انہوں نے عزیز و اقارب کی غربت دور کرنے کے لئے تھوڑے بہت ہاتھ پاؤں مارے تھے، جن کا ریکارڈ اب بھی انسداد رشوت ستانی کی عدالت میں ـــــ موجود ہے۔ اس وقت بھی ان کے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے شدید اختلافات ہیں۔ ان چند کے علاوہ جوان کی پارٹی میں ہیں اور اس کی وجہ بھی بے کاری اور بے روزگاری ہے اور ہم سب اس کو سیاست سمجھ رہے ہیں۔ وہ تو ایم کے خاندان جیسے لنگ سائز جاگیردار کے ساتھ اس وقت تک یک جان دو قالب ہوتے تھے، جب تک اس نے اپنا جاگیردارانہ رویہ تبدیل نہیں کیا تھا۔ اس لئے اب دیکھنے اور سوچنے کی بات یہ نہیں کہ رامے کیا کہتا ہے۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اس غریب اور سوفی صد بے کار ملازمت پیشہ سیاستدان کے گھر کا خرچ کیسے چلتا ہے۔ ہماری رائے ہے کہ یہ دیکھنے یا دیکھ لینے سے رامے کی ذات اور سیاست کا الجھا ہوا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس غریب اور بے کار آدمی کے خلاف خواہ مخواہ شور مچانے کی کوئی ضرورت نہیں جو اپنے پورے خاندان سمیت اوّل بلکہ اعلیٰ ترین درجے کا بے کار اور بے روزگار ہے اور اعلیٰ ترین معیارِ زندگی برقرار رکھ رہا ہے۔ اس غربت میں اسے جوش نہ آئے، تو کیا ہوش آئے۔ خالی پیٹ ہوش نہیں آیا کرتا جوش ہی آیا کرتا ہے۔ یہی بات رامے ہر روز کہتے پھرتے ہیں جو ہمارے سیاستدانوں اور عوام کو سمجھ نہیں آتی۔

●●

خوش حالی بذریعہ بچت
آپ خوشحالی کے خواہاں
خوشحالی آپ کی منتظر
خوشحالی بذریعہ بچت
بچت بذریعہ الائیڈ بینک سیونگ اکاؤنٹ
ABL
الائیڈ بینک
آف پاکستان لمیٹڈ
— خدمت کے ایک نئے جذبے کے ساتھ
Paragon • 78 ABL 13

نظامِ اسلامی کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے

گزشتہ دنوں جماعتِ اسلامی پنجاب اور سندھ کی مجالسِ شوریٰ کے اجلاس ہوئے اور ملک کی سیاسی اور اقتصادی صورتِ حال پر تفصیل سے غور کیا گیا۔ ذیل میں وہ قراردادیں شائع کی جا رہی ہیں، جو ان اجلاسوں میں منظور ہوئیں۔

جماعتِ اسلامی صوبہ پنجاب کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس جماعتِ اسلامی پنجاب کے دفتر میں زیرِ صدارت جناب مولانا فتح محمد امیر جماعتِ اسلامی پنجاب منعقد ہوا جس میں صوبہ کی سیاسی صورتِ حال پر گفتگو کی گئی اجلاس میں کچھ دیر کے لئے امیر جماعتِ اسلامی پاکستان جناب میاں طفیل محمد اور سیکرٹری جنرل جماعتِ اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد نے بھی شرکت کی۔ اجلاس میں صوبہ بھر کے معاشی، تعلیمی اور امن و امان کی صورتِ حال پر گفتگو ہوئی اور حکومت کو توجہ دلانے کے لئے مختلف قراردادیں پاس کی گئیں۔ سال ۱۹۷۹ء کے لئے کام کا منصوبہ مجلسِ شوریٰ کے سامنے پیش کیا گیا جو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ اس اجلاس میں سیکرٹری جنرل جماعتِ اسلامی پاکستان کے دورۂ پنجاب کا پروگرام ترتیب دیا گیا۔ مختلف اضلاع میں ضلعی اجتماعات کی تاریخوں کا تعین کیا گیا امیر صوبہ اور قیم صوبہ کے صوبہ بھر کے دوروں کا پروگرام بھی بنایا گیا اس کے علاوہ ربیع الاوّل کی آمد پر مختلف مقامات پر سیرت کانفرنسوں کے انعقاد کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ اجلاس آج رات دو روزہ کارروائی کے بعد ختم ہوا۔

اقامتِ صلوٰۃ کا اہتمام قابلِ ستائش ہے۔

جماعتِ اسلامی پنجاب کی قرارداد

صدرِ مملکت نے یکم محرم الحرام کو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جن ابتدائی اقدامات کا اعلان کیا ہے، مجلسِ شوریٰ جماعتِ اسلامی پنجاب کا یہ اجلاس اس کا خیر مقدم کرتا ہے۔ صدر مملکت کے اس اعلان کے بعد سرکاری دفاتر میں اقامتِ صلوٰۃ کا جو اہتمام دیکھنے میں آیا ہے، وہ یقیناً قابلِ ستائش ہے۔ مجلسِ شوریٰ یہ توقع رکھتی ہے کہ صدر مملکت اپنے وعدے کے مطابق ۱۲ ربیع الاوّل کو اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے مزید عملی اقدامات کا اعلان فرمائیں گے۔

مجلسِ شوریٰ جماعتِ اسلامی پنجاب اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے کہ پاکستان کے قیام کا واحد مقصد اسلامی نظام کا نفاذ تھا اور برِصغیر کے مسلمانوں نے اسی مقصد کے حصول کے لئے عظیم قربانیاں دی تھیں، لیکن قیام پاکستان کے بعد اس مقصد کے ساتھ مختلف حکمرانوں نے بے وفائی کی اور خاص طور پر پیپلز پارٹی کے دور میں دین و اخلاق کے خلاف منظم سازش کی گئی اور شرافت اور انسانیت کی قدروں کو پامال کیا گیا۔ مسلم عوام میں فحاشی اور عریانی کو فروغ دینے کے لئے اس سیاہ دور میں بھرپور تحریک چلائی گئی اور بڑے پیمانے پر لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان تمام عناصر کی چالوں کو خود ان عناصر پر الٹ دیا جو اسلامی نظام کی راہ روکے ہوئے تھے اور وہ فضا پیدا کر دی جس سے زیادہ اچھی فضا اسلامی نظام کے لئے پہلے کبھی نہیں پائی گئی تھی۔ جماعتِ اسلامی صوبہ پنجاب کی مجلسِ شوریٰ کا یہ اجلاس اس بات کو بنظرِ تحسین دیکھتا ہے کہ ملک کے عوام اور فوج خلوصِ دل کے ساتھ نظامِ اسلامی کے نفاذ کے لئے شانہ بشانہ سرگرمِ عمل ہیں اور یہ صورتِ حال تقاضا کرتی ہے کہ تمام مسلمان اپنے جماعتی گروہی سیاسی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر اسلامی نظام کی منزل کے حصول کے لئے متحدہ جدّوجہد کریں۔ صوبائی جماعتِ اسلامی کی مجلسِ شوریٰ یہ توقع رکھتی ہے کہ صدرِ مملکت ۱۲ ربیع الاوّل کو عشر و زکوٰۃ کے فلاحی نظام چوری، ڈاکہ، بدکاری اور قذف وغیرہ کے متعلق اسلامی قوانین کے نفاذ اور غیر اسلامی قوانین کے خاتمے کے لئے شریعت بنچوں کے قیام کا انتظام فرمائیں گے اور عائلی قوانین اور مالیاتی امور کی اصلاح اور سود کے خاتمے کے لئے بھی اقدامات کریں گے۔

صوبائی مجلسِ شوریٰ عوام سے بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ اسلامی نظام کے اعلان کے مبارک موقع پر اپنی زندگیوں کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی جدّوجہد کا آغاز کریں اپنی انفرادی زندگیوں میں رزقِ حلال کے بارے میں محتاط رہیں، فرائض کی پابندی کریں۔ اقامتِ صلوٰۃ کا اہتمام کریں اپنی بستیوں، شہروں، محلوں بازاروں اور منڈیوں کی اصلاح کے لئے اصلاحِ معاشرہ کی کمیٹیاں بنائیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لئے تیار رہیں۔

ٹیوب ویلوں کی تنصیب نجی شعبے کے سُپرد کی جائے

صوبہ پنجاب کے مختلف اضلاع مثلاً بہاول نگر، بہاولپور، رحیم یار خان اور میانوالی وغیرہ میں سرکاری طور پر ٹیوب ویلوں کی تنصیب کی سکیم پر حکومت اربوں روپیہ خرچ کر رہی ہے، لیکن اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ رہا سرکاری انتظام کے تحت چلنے والے ٹیوب ویل اکثر ناکام رہتے ہیں اور ان کے اخراجات بھی نجی ٹیوب ویلوں سے بہت زیادہ ہوتے ہیں، جب کہ کارکردگی کے لحاظ سے بھی سرکاری ٹیوب ویلوں سے نجی ٹیوب ویل بہتر ثابت ہوتے ہیں؛ لہٰذا جماعتِ اسلامی صوبہ پنجاب کی مجلسِ شوریٰ مطالبہ کرتی ہے کہ ان اسکیموں کیلئے جو روپیہ مخصوص ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ بجلی کی لائنیں بچھائی جائیں اور ٹیوب ویلوں کی تنصیب کا کام نجی شعبے میں کرایا جائے تاکہ کاشت کار خود ٹیوب ویل مناسب جگہ لگا کر اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں۔

انتظامیہ کا احتساب کیا جائے

مجلسِ شوریٰ جماعتِ اسلامی پنجاب کا یہ اجلاس امن و امان کی موجودہ صورتِ حال پر اپنے عدمِ اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ سابقہ حکومت نے پاکستان پر اس طرح حکومت کی جس طرح غیر ملکی

سامراج کسی نوآبادی پر حکومت کرتا ہے۔ ہزاروں محبِ وطن اور دیانتدار اہل کاروں کو ملازمتوں سے اس لئے نکال دیا گیا کہ وہ ملّی اور قومی تقاضوں کے مقابلے میں اس وقت کی مفاد پرست حکمران پارٹی کے وطن دشمن عزائم کا آلۂ کار بننے پر آمادہ نہ تھے اور ہزاروں نااہل، بد دیانت پارٹی ورکرز لیڈروں کی صورت میں انتظامیہ میں داخل کرائے گئے تاکہ حکمرانوں کو ملک میں لوٹ کھسوٹ کرنے میں نہ صرف مزاحمت نہ ہو، بلکہ ناجائز مقاصد کے حصول میں افسران کا تعاون بھی حاصل رہے۔ اپنے سیاسی مخالفین سے انتقام لینے کے لئے پولیس کو بے دریغ استعمال کیا گیا۔ پولیس کا ادارہ، جو اپنے فرائضِ منصبی کے لحاظ سے عوام کے لئے تحفظ و سلامتی کا ادارہ بنایا گیا تھا، وہ ادارہ ظلم و جور بن کر رہ گیا، جس کا کام لوگوں کی جان و مال و آبرو سے کھیلنا اور بدکردار سابقہ حکمرانوں کی آتشِ انتقام کو بجھانا تھا۔

نئی حکومت قائم ہونے کے بعد عوام النّاس بجا طور پر توقع رکھتے ہیں کہ انتظامیہ کے نااہل راشی اور اپنے فرائض سے پہلوتہی کرنے والے افسروں کا جلد احتساب ہوگا۔ غلط کار لوگوں کی غلط کاریوں سے ملک اور قوم کو بچایا جائے گا، لیکن بدقسمتی سے احتساب کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ امن و امان قائم کرنے والے اداروں پر سے عوام کا اعتماد اٹھ گیا ہے اور وہ موجودہ انتظامیہ سے اس امر میں بالکل مایوس ہیں کہ وہ ان کی عزت اور جان و مال کو تحفظ مہیا کر سکے گی۔

مجلسِ شوریٰ جماعت اسلامی پنجاب مطالبہ کرتی ہے کہ سیاستدانوں کے ساتھ ساتھ انتظامیہ کا فی الفور احتساب کیا جائے اور عوام کا فرض ہے کہ وہ معاشرے کے غنڈے اور جرائم پیشہ عناصر سے ہوشیار رہیں، جرأت مندی اور باہمی اتحاد سے جرائم پر قابو پانے کی کوشش کریں۔

پانی کی کمی دُور کی جائے

ملک کو خوراک کے بارے میں خود کفیل بنانے کے لئے حکومت نے اب تک جو اقدامات کئے ہیں، ان سے کاشت کاروں کی بہت حوصلہ افزائی ہوئی ہے اور گندم کے زیرِ کاشت رقبے میں امسال بہت اضافہ ہوا ہے۔ کھادبھی پورے طور سے استعمال کی جارہی ہے، لیکن پانی کی کمی کو دور کرنے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا اور بجلی و ڈیزل کے اخراجات بڑھ جانے کی وجہ سے ایک ایکڑ گندم پر ایک مرتبہ پانی کا خرچ ۳۰ سے ۴۰ روپے فی ایکڑ ہو گیا ہے جو ناقابلِ برداشت بوجھ ہے۔

مجلسِ شوریٰ جماعتِ اسلامی پنجاب کی نظر میں پانی کی کمی دور کرنے کے لئے درج ذیل اقدامات ضروری ہیں:۔

۱۔ جن علاقوں میں نہری پانی کی کمی اور زیرِ زمین پانی کڑوا ہونے کی وجہ سے ٹیوب ویل بھی کامیاب نہیں ہیں، وہاں نہری پانی میں اضافہ کیا جائے۔

۲۔ ششماہی انہار کے علاقوں میں کم از کم دو بار پندرہ پندرہ دن کے لئے پانی جاری کیا جائے۔

۳۔ ڈیزل آئل کے ریٹ کم کئے جائیں۔

۴۔ جو بجلی ٹیوب ویل کے لئے استعمال ہوتی ہے، اس پر مقررہ لگان گورنمنٹ ڈیوٹی اور فیول چارجز وغیرہ کو ختم کیا جائے۔

تعلیمی اداروں میں نظریۂ پاکستان کے مخالفین کو بھرتی نہ کیا جائے

حکومت پاکستان نے اسلامی نظامِ تعلیم کو نظریۂ پاکستان اور اسلام کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لئے جس نئی تعلیمی پالیسی کا اعلان کیا ہے، مجلس شوریٰ جماعتِ اسلامی پنجاب کا یہ اجلاس اس کا خیر مقدم کرتا ہے۔ حکومت نے خاص طور پر خواتین یونیورسٹیوں کے قیام کا جو اعلان کیا ہے۔ وہ یقیناً قابلِ تعریف ہے، ان ساری خوبیوں کے باوجود اس نئی تعلیمی پالیسی کے بعض پہلو ایسے ہیں کہ اگر ان کی اصلاح نہ کی گئی، تو مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکیں گے۔ صوبائی مجلسِ شوریٰ کا یہ اجلاس حکومت سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس نئی تعلیمی پالیسی کے مندرجہ ذیل پہلوؤں کی طرف فوری توجہ دے۔

۱۔ نئی تعلیمی پالیسی میں اگرچہ اردو کو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے، مگر اس کے فوری نفاذ کا مسئلہ معرضِ التوا میں ڈال دیا گیا ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ بلاتاخیر اردو کو تمام تعلیمی اداروں بشمول یورپین ٹائپ کانوینٹ پبلک سکولوں وغیرہ میں ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے نافذ کیا جائے۔

۲۔ ملک میں دو نظامِ تعلیم نافذ ہیں۔ پبلک کانوونٹ یورپین ٹائپ سکولوں کو بھی نئی تعلیمی پالیسی کا پابند کیا جائے اور پورے ملک میں یکساں نظامِ تعلیم رائج کیا جائے۔

۳۔ خواتین یونیورسٹیوں کو فوری طور پر قائم کی جائے اور تمام زنانہ کالجوں کو ان کے ساتھ منسلک کیا جائے۔

۴۔ مخلوط تعلیم کی ہر سطح پر حوصلہ شکنی کی جائے۔

۵۔ خواتین کی نظامتِ تعلیم الگ کی جائے۔

۶۔ ملک اور خاص طور پر پنجاب کے تعلیمی اداروں میں ان عناصر کو بھرتی نہ کیا جائے جو نظریۂ پاکستان کے مخالف ہیں یا حولادین نظریات کے حامل ہیں۔

نظامِ مصطفیٰؐ عملاً نافذ کیا جائے

مجلسِ شوریٰ جماعتِ اسلامی صوبہ سندھ کا اجلاس آج یہاں مولانا جان محمد عباسی امیر جماعتِ اسلامی صوبہ سندھ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پورے سندھ کے ارکان صوبائی شوریٰ نے شرکت کی۔ اجلاس میں جماعت کی دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا۔ تمام اضلاع کی کارکردگی کی رپورٹیں پیش کی گئیں۔ سالِ رواں کے لئے کام کا منصوبہ بنایا گیا۔ سندھ میں جماعت کی توسیع کے لئے ماہ فروری میں بڑے پیمانہ پر متفق سازی کی مہم کا پروگرام بنایا گیا اور صوبہ کی سیاسی و اقتصادی صورتِ حال کا جائزہ لیا گیا اور حسبِ ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔

۱۔ "جماعتِ اسلامی صوبہ سندھ کی مجلسِ شوریٰ کا یہ عمومی اجلاس یکم محرم الحرام کے اعلانِ نظامِ مصطفیٰؐ کا خیر مقدم کرتا ہے اور اسے قیامِ پاکستان کے مقاصد سے ہم آہنگ اقدام قرار دیتا ہے۔

برصغیر ہندو پاک کے مسلمانوں نے اپنے لئے آزاد اور علیحدہ خطۂ زمین کا مطالبہ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر کیا تھا اور برصغیر کی سو سالہ تاریخ اسی جدوجہد سے عبارت ہے۔ اپنے نظریہ اور ثقافت و تہذیب کی حفاظت اور اس کی پیروی وہ واحد سبب تھا جس نے قائدِ اعظمؒ کی قیادت میں مسلمانوں میں یکجہتی اور اتحاد پیدا کیا، اور انہیں ایمان و یقین کی دولت سے سرشار کر کے آزادی کی نعمت سے بہرہ ور کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی اسلام کے ابدی اصولوں پر عملدرآمد میں ہی مضمر ہے ——— اور اس بات کا بار بار مطالبہ کیا گیا کہ ایسی پالیسیاں اختیار کی جائیں جو مسلمانوں کو ان کے ماضی سے جوڑ سکیں اور وہ اپنی تاریخ کو دہرانے کے قابل ہو سکیں تاکہ خلافتِ راشدہ کے طرز پر سماجی انصاف پر مبنی اسلامی حکومت قائم ہو سکے ——— لیکن افسوس کہ مطالبات و یقین دہانیوں کے باوجود ایسا نہ ہونے دیا گیا جس کے نتیجہ میں ملک دو لخت ہوا اور قوم اپنی منزل سے دُور ہوتی چلی گئی۔

اب جب کہ تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ نے ایک بار پھر عوام میں بیداری اور اسلامی نظام کو قائم کرنے کی تڑپ پیدا کی، موجودہ حکومت کا یہ فیصلہ ملک کو صحیح سمت میں چلانے کا ایک مبارک اور قابلِ تحسین فیصلہ ہے۔

مجلسِ شوریٰ اعلانِ یکم محرم کو اسلامی نظامِ زندگی عملاً اختیار کرنے کی راہ کا ایک اہم سنگِ میل قرار دیتا ہے اور مزید پیش رفت میں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلاتا ہے۔ صوبائی مجلسِ شوریٰ اس موقعہ پر ۱۲ ربیع الاوّل کے تاریخی اعلان کی منتظر ملتِ اسلامیہ پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو اس امر سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے کہ اسلامی نظام کے معاملہ میں ملتِ اسلامیہ کی نگاہیں آپ کے اعلان پر مرتکز ہیں اور اس سے بہتر توقعات وابستہ ہیں۔ مجلسِ شوریٰ امید کرتی ہے کہ آنے والی ۱۲ ربیع الاوّل قیامِ پاکستان کے خواب کی تعبیر ثابت ہوگی ——— اور صدر پاکستان اپنے وعدے کے مطابق اسلامی نظام کے سلسلہ میں مزید اور مؤثر اقدامات کا اعلان کریں گے ——— ماضی قریب میں تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ اور اس سلسلہ میں کام آنے والا شہیدوں کا لہو اس بات کا متقاضی ہے کہ اس بارے میں کسی مداہنت سے کام نہ لیا جائے گا ——— اور بلا خوف لومۃ لائم ——— وقت مقررہ پر اسلامی نظام کی منزل کی جانب بڑھنے کے لئے اعلان کر دیا جائے گا۔

۲۔ مجلسِ شوریٰ جماعت اسلامی صوبہ سندھ کے اجلاس منعقدہ ۲۲ جنوری ۱۹۷۹ء میں مرزا عبدالقدیر بیگ امیر جماعتِ اسلامی سانگھڑ کے سانحۂ قتل پر شدید رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ مرزا عبدالقدیر بیگ ایک سچے مسلمان، جماعت کے دیرینہ رفیق بے باک رہنما اور مخلوق خدا کے مخلص، ہمدرد اور خادم تھے۔ وہ جماعت کا نہایت قیمتی اثاثہ اور مظلوم عوام کے سہارا تھے۔ دین و ملّت کے لئے ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ان کا بہیمانہ قتل نہایت افسوس ناک اور قوم و وطن کا بہت بڑا نقصان ہے۔ مجلس نے شہید کے اہلِ خاندان سے اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے انہیں اپنے تعاون کا یقین دلایا ہے۔ مجلس نے اس بات پر اطمینان

کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ قاتل گرفتار کر لئے گئے ہیں، لیکن مجلس کے نزدیک یہ بات باعثِ تشویش ہے کہ اس قتل کے پس پردہ سازش کو بے نقاب کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ مجلس نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس قتل کی تحقیقات نئے سرے سے کسی قابل اعتماد ایجنسی سے کروائی جائے تاکہ قاتلوں کے ساتھ وہ لوگ بھی کیفرِ کردار کو پہنچ سکیں جنہوں نے یہ قتل کروادیا ہے۔

مجلس کے نزدیک یہ بات قطعی ناقابل یقین ہے کہ یہ قتل کسی دھوکہ میں ہوا ہے۔ یہ بات بھی طے ہے کہ قاتلوں کی مرزا عبدالقدیر بیگ سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ایسی صورت میں یہ بات لازم ہے کہ اس قتل کے پیچھے کوئی خفیہ ہاتھ ہے جس کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔"

جداگانہ انتخاب کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔

اجلاس کی اختتامی نشست میں جداگانہ انتخاب کے فیصلہ اور خواتین یونیورسٹی کے سلسلے میں حسبِ ذیل قرار دادیں منظور کی گئیں:۔

۱۔ "جماعتِ اسلامی صوبہ سندھ کی مجلسِ شوریٰ کا یہ اجلاس حکومتِ پاکستان کے اس فیصلہ کا خیر مقدم کرتا ہے کہ پاکستان کی غیر مسلم اقلیتیں آئندہ جمہوری اداروں میں اپنے نمائندے خود چُن سکیں گی۔ دراصل جُداگانہ انتخابات کا طریقہ نہ صرف مطالبۂ پاکستان کا لازمی تقاضا ہے، بلکہ غیر مسلم اقلیتوں کو ان کے جمہوری حقوق دینے کا بھی واحد ذریعہ ہے۔ مخلوط انتخاب کے ذریعہ پچھلی اقلیتوں کو ان کے دستوری و جمہوری حقوق سے محروم رکھنے کے ساتھ ساتھ سیاسی طور پر ان کا استحصال بھی کیا گیا۔ غیر مسلم اقلیتیں ان نقصانات کو محسوس کر کے ہی جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کرتی رہی ہیں۔ اس لئے جداگانہ انتخاب کا فیصلہ اجلاس کی نظر میں دستور کے اسلامی اور جمہوری تقاضوں کو پورا کرنے اور غیر مسلم اقلیتوں کو براہِ راست اپنی آواز جمہوری اداروں میں پہنچانے کے لئے ایک مبارک اقدام ہے۔

اس موقعہ پر بعض ایسی سیاسی جماعتوں کا اس اقدام کی مخالفت کرنا جو پہلے قومی اتحاد میں شامل رہی ہیں، انتہائی تعجب خیز ہے، کیونکہ قومی اتحاد کے منشور کے ذریعہ وہ جُداگانہ انتخاب کے مطالبہ کو تسلیم کر چکی ہیں۔ اب ان کی یہ قلابازی غیر مسلم اقلیتوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھنے کی کوشش ہے اور قومی اتحاد کے پلیٹ فارم سے عوام سے کئے ہوئے وعدوں سے انحراف کے مترادف ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر مجلسِ شوریٰ کا یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جُداگانہ انتخاب کے نفاذ کو یقینی بنائے اور اس کے مطابق حلقہ بندیوں اور رائے دہندگان کی فہرستوں کی تیاری کا کام مکمل کرے۔

۲ جماعتِ اسلامی صوبہ سندھ کی مجلسِ شوریٰ کا یہ اجلاس ملک میں خواتین یونیورسٹی کے قیام کے فیصلہ کو تحسین کی نظر سے دیکھتا ہے۔ مجلس کی نگاہ میں یہ فیصلہ کر کے حکومت نے ایک دیرینہ مطالبہ پورا کیا ہے جس کی بازگشت پچھلے بارہ سال سے بالخصوص ملک کے تعلیمی اداروں اور اسمبلی کے ایوانوں میں سنائی دیتی رہی ہے۔ حکومت کا یہ اقدام اس کی قوتِ فیصلہ کا مظہر اور نظریۂ پاکستان کے مقاصد سے ہم آہنگی کا آئینہ دار ہے۔ خواتین یونیورسٹی کے قیام کا فیصلہ نہ صرف خواتین میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی ہمت افزائی کا سبب بنے گا، بلکہ اس سے ملک کا عمومی تعلیمی معیار بھی بلند ہوگا اور خواتین ملک کی ترقی اور معاشرہ کی بہبود میں اپنا حصّہ بہتر اور مؤثر طریقہ پر ادا کر سکیں گی۔

مجلسِ شوریٰ محسوس کرتی ہے کہ پچھلے تیس سال سے تمام شعبہ ہائے زندگی میں خواتین کو ان کے حقوق سے محروم رکھا گیا، معاشرہ میں ان کے حقیقی مقام کی نفی کی گئی اور قوم کی بہنوں سے وہ کام لینے کی کوشش کی جاتی رہی جو ان کی فطرت اور معاشرہ کی ضروریات سے ہم آہنگ نہ تھا۔ صوبائی مجلسِ شوریٰ خواتین یونیورسٹی کے قیام کے فیصلہ کو اس سمت میں ایک ابتدائی اور پہلا قدم تصوّر کرتے ہوئے عبوری حکومت کو مبارکباد دیتی ہے۔ تاہم مجلس کی رائے میں یہ امر بھی ناگزیر ہے کہ اس فیصلہ پر فوری اور بلا تاخیر عملدرآمد کیا جائے اور اسے ان قوتوں کی نذر نہ ہونے دیا جائے جو ملک میں اصلاح و ترقی کے ہر اقدام کو ناکام بنانے اور پرانے استحصالی نظام کو باقی رکھنے پر تُلی بیٹھی ہیں اور حکومت کے ہر قابلِ قدر فیصلہ کو سرد خانے میں ڈالتی چلی آئی ہیں۔

آخر میں مجلسِ شوریٰ حکومت کو خیر خواہانہ مشورہ دیتی ہے کہ جلد از جلد اس فیصلہ پر عملدرآمد کا آغاز کیا جائے۔ ایسا آغاز جس کی تکمیل کو عوام بچشمِ سر دیکھ سکیں اور مل جل کر معاشرہ کی تعمیر میں حکومت کا ساتھ دے سکیں۔"

ہاریوں کی مشکلات کا ازالہ کیا جائے

"جماعتِ اسلامی صوبہ سندھ کی مجلسِ شوریٰ کا یہ اجلاس اس بات پر اطمینان ظاہر کرتا ہے کہ سندھ کے عوام نے سابقہ حکمرانوں کی تشدد آمیز کارروائیوں اور تخریبی سرگرمیوں کو ناکام بنادیا ہے اور پاکستان قومی اتحاد کے ساتھ تعاون کر کے اس پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس اس یقین کا اظہار کرتا ہے کہ صوبہ کے عوام اسلام، جمہوریت اور قومی یکجہتی پر یقین رکھتے ہیں، آمریت نیز دوسرے نظریہ ہائے حیات کو مسترد کرتے ہیں۔

وہ قوم اور ملک کا مستقبل تعمیر کرنے کے لیے اتحاد کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں، اس لیے مجلسِ شوریٰ نے ان تمام سیاسی عناصر کو دلسوزی سے اپیل کی ہے جنہوں نے ماضی قریب میں آمریت کے خلاف اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے عظیم تحریک چلائی تھی کہ وقت کی نزاکت اور گرد و پیش کے حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے قوم نے بیش بہا قربانیاں دی تھیں۔

مجلس اس بات پر دلی افسوس کا اظہار کرتی ہے کہ بعض سیاسی عناصر ملک اور قوم کے حقیقی خطرہ سے صرف نظر کر کے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے، صوبائی، لسانی اور مذہبی فرقہ وارانہ جذبات کو ابھارنے میں مصروف ہیں جس سے سیاسی انتشار اور فکری خلفشار کو ہوا ملتی ہے اور اس کے نتیجے میں سیاسی رہنماؤں سے عوام کے مایوس ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے جو جمہوریت اور انتخابات کے لیے نقصان دہ بات ہے، اس لیے مجلس یہ اپنا فرض سمجھتی ہے کہ عوام کو اس سنگین صورتِ حال سے آگاہ کرے اور یہ واضح کرے کہ اگر اتحاد کے بجائے انتشار کو ہوا دی گئی، تو مثبت نتائج کے بجائے منفی نتائج ہی برآمد ہوں گے جن کی ذمہ داری انہی لوگوں پر ہوگی جو اس ناخوشگوار کام میں مصروف ہیں۔

اقتصادی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد مجلس یہ ظاہر کرتی ہے کہ صوبہ میں زرعی ترقی کے لیے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ زرخیز زمینوں کو سیم و تھور سے بچایا جائے اور ہنگامی بنیادوں پر اس کام کو مکمل کیا جائے، اس لیے لیفٹ اور رائٹ بنک آؤٹ فال ڈرین کے منصوبے کو ترجیحی بنیادوں پر سرانجام دیا جائے۔

بجلی کی سپلائی کے لیے ۵۰۰ کے وی لائن بچھائی جائے تاکہ دیہی اور شہری آبادی کو یکساں طور پر بجلی سپلائی ہو سکے اور سیم و تھور کے خاتمے کے لیے ٹیوب ویل اسکیم کی ضرورت کو بھی پورا کیا جائے۔ اندرونِ سندھ چھوٹی صنعتوں کے قیام کی ہمت افزائی کی جائے اور قرضوں کی سہولت کو بڑھایا جائے۔

مارکٹنگ کے کام کو منظم کیا جائے جس سے کاشتکار کو اپنی جنس کا پورا معاوضہ مل سکے تاکہ ملک کو غذائی پیداوار میں خود کفیل بنانے میں بھرپور کردار ادا کر سکے۔

ہاریوں اور بے زمین مزارعوں میں سرکاری زمینیں تقسیم کی جائیں اور مقامی باشندوں کو اس کا مستحق قرار دیا جائے۔ کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دیے جائیں اور انہیں بنیادی سہولت فراہم کرنے کا انتظام کیا جائے۔ مزدوروں کی مشکلات حل کرنے کے لیے مؤثر انتظام کیا جائے۔ مجلس یہ محسوس کرتی ہے کہ بے روزگاری کا مسئلہ سنگین بنتا جا رہا ہے اور تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس لیے حکومت کو فوری طور پر ایک مختصر المیعاد منصوبہ بنانا چاہیے تاکہ اس مسئلے پر قابو پایا جا سکے۔ ملازمین کی چھانٹی بند کی جائے زائد عملے کے لیے متبادل ملازمت کا انتظام کیے بغیر انہیں روزگار سے علیحدہ کرنا بے چینی کا باعث بن سکتا ہے، جس سے احتراز کرنا چاہیے۔

رشوت اور بدامنی کی شکایت بکثرت پائی جاتی ہے اسے روکنے کے لیے مؤثر اقدامات ہونے چاہئیں۔ عوام کے اکثر مسائل اور مصائب کی جڑ یہی ہے، مگر انتظامیہ اب تک خاطر خواہ طریقہ پر اس کا سدِ باب کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ اس کی طرف پوری قوت سے توجہ دینے اور عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ملک سیاسی، اقتصادی اور امن و امان کے نکتۂ نگاہ سے بہتری کی اس راہ پر گامزن ہو جس سے اسلامی نظام کے قیام اور انتخابات کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

مجلس ایک بار پھر اس یقین کا اظہار کرتی ہے کہ صوبہ کے عوام ملک کی تعمیر اور ترقی نیز اسلام کے اصولوں اور جمہوری اقدار کے فروغ کے لیے پاکستان قومی اتحاد کا ساتھ دیں گے اور آمرانہ عزائم کو ناکام بنادیں گے۔"

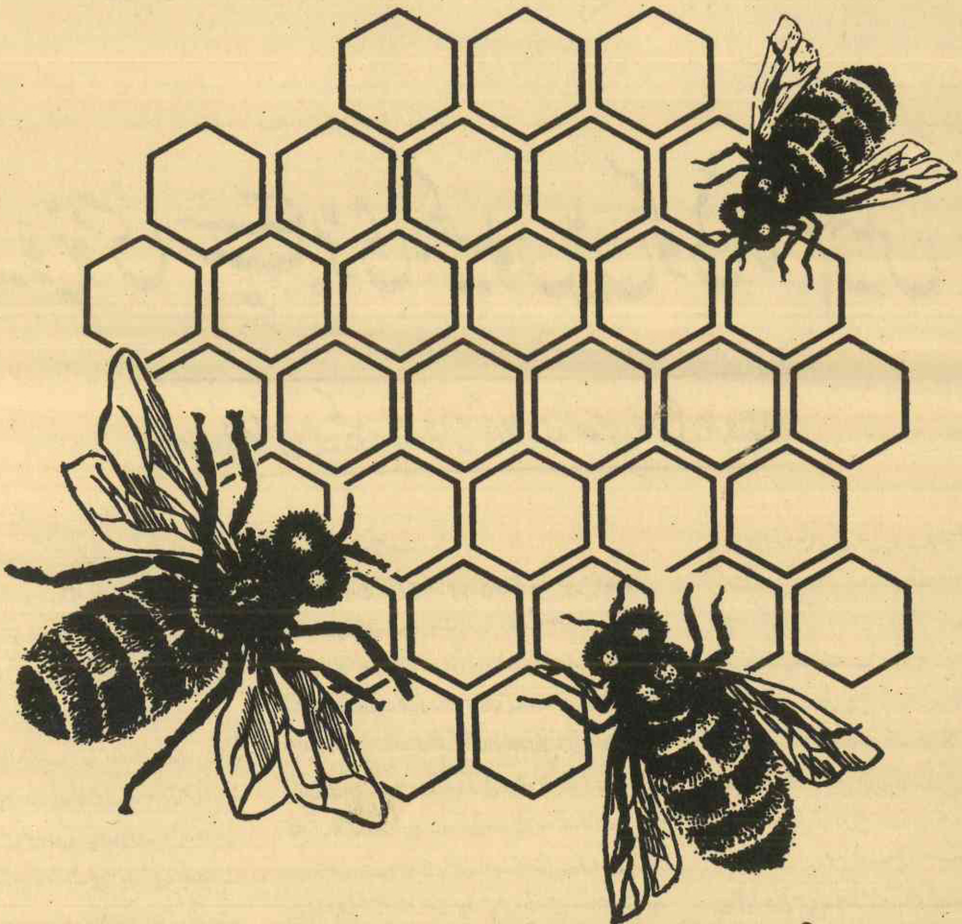

قدرت میں بچت کا نظام

ماہرینِ اقتصادیات نے ابھی ایسی ننھی منّی مخلوق کی
بچت کی کوششوں کا جائزہ نہیں لیا۔
لیکن وہ فکرِ فردا آج ہی کر رہی ہے کیوں نہ ہم بھی
ان سے اپنے مستقبل کو روشن بنانے کے لئے
سبق حاصل کریں۔

مسلم کمرشل بینک

MCB

اعلیٰ خدمت کی دیرینہ روایت

MCB-30/78

Crescent Communications International

نثار الحق

یونیورسٹی سب سے بڑی، کھیلوں میں کوئی نام نہیں

پنجاب یونیورسٹی میں کھیل کے فروغ کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی ملک کے کھیلوں میں اس کے سکول، کالج، یونیورسٹیاں اور دوسرے تعلیمی ادارے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بیسویں صدی میں تعلیم کے ساتھ ساتھ قوموں کی نشوونما کے لئے کھیلوں کی اہمیت اس حد تک تسلیم کرلی گئی ہے کہ بعض ممالک میں تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبا و طالبات کو کھیلوں میں لازماً حصّہ لینا پڑتا ہے۔ مغربی ممالک میں بالخصوص اور ایشیائی ممالک میں بالعموم سکول، کالج اور یونیورسٹیاں اپنے اپنے ممالک کے لئے ہر سال بے شمار چوٹی کے کھلاڑی مہیا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان میں کھیلوں کے شعبے کی طرف کوئی مناسب توجہ نہیں دی جاتی اور کھیل کو تعلیم کے مقابلے میں ثانوی سطح پر رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی پاکستان نے بین الاقوامی مقابلوں میں شرکت کی۔ اس کی کارکردگی دوسری قوموں کے مقابلے میں ہمیشہ کمزور رہی۔ اولمپکس مقابلوں میں پاکستان کی کامیابی کی واحد امید ہاکی ٹیم ہوتی ہے۔ باقی تمام شعبوں میں کارکردگی صفر رہتی ہے۔ کچھ ایسی ہی صورت ایشین گیمز میں پیش آئی ہے۔

پاکستان کے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کھیلوں کی کس قدر سہولتیں موجود ہیں۔ اس کا اندازہ ملک کی سب سے بڑی درس گاہ جامعہ پنجاب میں موجود سہولتوں سے ہوسکتا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی پاکستان کی سب سے قدیم یونیورسٹی ہے۔ تعلیم کے لحاظ سے اس کا معیار دوسری پاکستانی یونیورسٹیوں کی نسبت بہت بلند ہے۔ کھیلوں میں بھی اس کی کارکردگی دوسروں کی نسبت زیادہ بہتر رہی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ پنجاب کے تقریباً ۱۲۵ کالج منسلک ہیں۔ طلبا کی اتنی بڑی تعداد میں سے ایک ٹیم منتخب کرنا زیادہ مشکل کام نہیں رہتا۔ جامعہ پنجاب میں زیرِ تعلیم طلبا و طالبات کی تعداد تین ساڑھے تین ہزار ہے۔ اتنے بڑے ادارے کو کھیلوں کے لئے حکومتِ پاکستان، صوبائی حکومت یا پاکستان سپورٹس بورڈ سے کسی قسم کی کوئی مالی امداد نہیں ملتی۔ یونیورسٹی کی جانب سے جو گرانٹ ملتی ہے، وہ ساڑھے سات ہزار روپے ہے۔ یونیورسٹی کے سپورٹس فنڈ کا زیادہ تر حصّہ طلبا کے داخلے کے وقت ان سے پانچ روپے فی طالب علم کٹوتی کر کے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ آمدنی پچھلے سال ترپن ہزار روپے تھی۔ اس سال اس میں سات ہزار روپے کی کمی متوقع ہے۔

پنجاب یونیورسٹی جوانٹر یونیورسٹی ٹورنامنٹ وغیرہ منعقد کرواتی ہے۔ اس پر پچھلے سال اخراجات تقریباً ۲ لاکھ ۶۵ ہزار روپے تھے۔ ان میں یونیورسٹی کی طرف سے دی گئی گرانٹ، بچھتر ہزار روپے تھی، جب کہ مختلف کالجوں کے طلبا کی داخلہ فیسوں میں سے ہونے والی کٹوتی کی رقم ایک لاکھ تیس ہزار روپے تھی۔ گویا کل اخراجات کا تقریباً نصف مختلف کالجوں کے طلبا سے وصول کیا گیا۔ آمدنی کے دوسرے بڑے ذرائع سپورٹس ہوسٹل کے کرایے سے آمدنی اور پلے گراؤنڈز کرائے پر دینے سے موصول ہونے والی رقمیں تھیں۔ لطف کا مقام ہے کہ اتنے اخراجات سے جوانٹر کالج ٹورنامنٹ منعقد ہوا۔ اس میں ۱۲۵ میں سے صرف ۲۳ کالجوں کی کرکٹ اور ہاکی ٹیموں نے حصّہ لیا۔ اگر تمام کے تمام کالج اپنی ٹیمیں بھیجتے، تو یہ اخراجات تین چار لاکھ پہلے سے بڑھ سکتے تھے۔ اخراجات کے برعکس یونیورسٹی کو تقریباً ۲ لاکھ ۸ ہزار روپے کی آمدنی ہوئی اور اخراجات کے بعد یونیورسٹی کے فنڈ میں ۱۱ ہزار روپے کی بچت ظاہر کی گئی۔ موجودہ سال کے اختتام پر تخمینے کے مطابق یونیورسٹی سپورٹس فنڈ میں کل پانچ سو روپے بچنے کی امید ہے۔

ان تمام اخراجات کے باوجود عالم یہ ہے کہ پنجاب یونیورسٹی میں کوئی جمنیزیم (GYMNASIUM) نہیں ہے اور نہ ہی کوئی سکواش ریکٹ کورٹ ہے۔ جمنیزیم کی ضرورت محتاج وضاحت نہیں اور سکواش ریکٹ کورٹ کی عدم موجودگی کسی اچنبھے سے کم نہیں۔ پاکستان سکواش میں انتہائی بلندیوں کو چھو رہا ہے اور بین الاقوامی سکواش میں پہلے چھ کھلاڑیوں میں سے پانچ پاکستانی ہیں، لیکن نوجوان کھلاڑیوں کی تربیت کے لئے ملک کی سب سے بڑی یونیورسٹی میں کوئی انتظام نہیں۔

کھیلوں کی ترقی کے لئے میدانوں کی موجودگی اور ان کی مناسب دیکھ بھال انتہائی ضروری ہے۔ یہاں صورت یہ ہے کہ یونیورسٹی گراؤنڈز میں میدانوں کو پانی دینے کے لئے کوئی ٹیوب ویل نہیں، کسی زمانے میں یونیورسٹی گراؤنڈز پر کھیلنا قابلِ اعزاز سمجھا جاتا تھا اور یونیورسٹی کی کرکٹ اور ہاکی گراؤنڈز لاہور کے دوسرے تمام میدانوں کی نسبت سب سے اچھی سمجھی جاتی تھی، لیکن اب یہی میدان مناسب سہولتوں کے فقدان کے باعث اپنی عظمت کھو چکے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس گراؤنڈ میں کرکٹ، ہاکی اور فٹ بال کے میدانوں کے علاوہ اتھلیٹک ٹریک، درالفل رینج اور باسکٹ بال گراؤنڈ موجود ہے۔ ان سب کی دیکھ بھال کے لئے وافر سہولتوں کی ضرورت ہے، لیکن یونیورسٹی کا واحد ساٹھ سال پرانا ٹیوب ویل جو پچھلے دو سال سے خراب پڑا ہے، اربابِ اقتدار کی نگاہ میں نہیں آ سکا۔ کہا جاتا ہے، اس کی مرمت کے لئے فنڈز نہیں تھے۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے پنجاب یونیورسٹی کے لئے پچھلے سال ۲۰ لاکھ روپے کی گرانٹ کا اعلان کیا تھا۔ اس میں سے اب ایک لاکھ پہلے سپورٹس فنڈ کو منتقل کئے گئے ہیں، تو نیا ٹیوب ویل نصب کروایا جا رہا ہے۔ تاحال اس نے کام شروع نہیں کیا۔ اولڈ کیمپس گراؤنڈ کے ایک طرف جہاں لیک روڈ اور ایم اے کالج سے چوبرجی آنے والی سڑکیں ملتی ہیں۔ ایک تکون ہے۔ اس تکون کے اردگرد کوئی باڑ نہیں ہے، جس کی وجہ سے اردگرد کے بیشمار حضرات اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ہر شخص گراؤنڈ کا انچارج ہوتا ہے۔ وہاں چرسی حضرات بھنگ پیتے ہیں، جوا کھیلا جاتا ہے اور حفاظتی باڑ نہ ہونے کی وجہ سے کرکٹ، ہاکی اور فٹ بال گراؤنڈز بھی نام نہاد کھلاڑیوں کی یلغار سے محروم نہیں رہ سکے۔ یونیورسٹی کے اربابِ اقتدار کو بار بار کہا گیا ہے کہ وہ حفاظتی باڑ کا انتظام کریں، لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی سپورٹس ٹورنامنٹ کمیٹی کے سیکرٹری محمد حنیف بھٹی نے بھی کئی بار یونیورسٹی انتظامیہ کو اس طرف متوجہ کیا، لیکن معقول جواب حاصل نہ کر سکے۔ حفاظتی باڑ کی تجویز کافی عرصے سے زیرِ غور ہے۔ اس تکونی علاقے میں دکانوں کی تعمیر کی سکیم بنائی گئی تھی، جس کے لئے کئی پارٹیوں نے قبل از وقت سرمایہ مہیا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ خیال تھا کہ یہاں دکانیں تعمیر کر کے انہیں کرایہ پر چڑھا دیا جائے گا اور جو جگہ بچ رہے گی وہاں سپورٹس ہوسٹل بن جائے گا۔ اس سے نہ صرف یونیورسٹی کو باقاعدہ معقول آمدن ہوتی، بلکہ میدانوں کی بھی خاطر خواہ حفاظت ممکن ہو سکتی تھی۔ یہ سکیم پنجاب کے سابق گورنروں غلام مصطفےٰ کھر اور صادق حسین قریشی کے سامنے پیش کی گئی۔ اس پر لمبی چوڑی بحثیں ہوئیں اور آخر کار چائے پانی کے دھندے کے بعد اسے سرد خانے کی نذر کر دیا گیا۔

نیو کیمپس میں صورت حال یہ ہے کہ وہاں یونیورسٹی کے پاس

کرکٹ کے دو، ہاکی کے دو اور فٹ بال کا ایک میدان ہے۔ دو لان ٹینس کورٹ اور ایک اتھلیٹک ٹریک بھی ہے۔ لطف کا مقام ہے کہ ان تمام میدانوں کی ہمہ وقت دیکھ بھال کے لئے چپڑاسی کی رہائش کا کوئی انتظام نہیں۔ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے سے میدانوں کی حالت بگڑتی جا رہی ہے۔ یونیورسٹی لاء کالج اور ہیلی کالج بھی اب نیو کیمپس منتقل ہو چکے ہیں۔ یونیورسٹی کے کچھ اور شعبے بھی اولڈ کیمپس سے منتقل کر دیئے گئے ہیں۔ طلبا کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لئے مزید جگہ کی ضرورت ہے۔ یونیورسٹی نے کافی زمین ٹھیکے پر دی ہوئی ہے۔ میدانوں کی کمی اور طلبا کو زیادہ سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اس جگہ کا واپس ہونا ضروری ہے۔ اس طرف بھی یونیورسٹی کے ارباب اقتدار کوئی توجہ نہیں دیتے۔ کہا جاتا ہے کہ یونیورسٹی کی زمین پر کچھ لوگ غیر قانونی طور پر قبضہ جمائے ——— بیٹھے ہیں۔ یونیورسٹی کے ریذیڈنٹ آفیسر صاحب اس معاملے میں ان سے الجھنا نہیں چاہتے، اگر وہ دلچسپی لیں، تو جگہ یونیورسٹی کو واپس مل سکتی ہے اور کھیلوں کی سہولتوں میں مناسب اضافہ ہو سکتا ہے۔

کھلاڑیوں کے لئے سپورٹس ہوسٹل بھی ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔ موجودہ ہوسٹل میں صرف نوے افراد کے رہنے کی گنجائش ہے۔ انٹر کالج اور انٹر یونیورسٹی مقابلوں میں جو ٹیمیں باہر سے آتی ہیں۔ انہیں رہنے کے لئے جگہ نہیں ملتی۔ پچھلے سال انٹر یونیورسٹی ہاکی چیمپئن شپ منعقد ہوئی، تو باہر سے آئی ہوئی تمام ٹیمیں مناسب رہائشی سہولتیں نہ ملنے کی شاکی تھیں۔ یونیورسٹی کا بی فارمیسی شعبہ سپورٹس ہوسٹل ہی کا ایک حصہ ہے۔ یونیورسٹی کا کیمیکل انجنیئرنگ اور ٹیکنالوجی کا شعبہ نیو کیمپس منتقل ہو چکا ہے اور ان کی خالی عمارت میں بی فارمیسی کا شعبہ منتقل کرنے کی تجویز ہے، لیکن بی فارمیسی والے موجودہ عمارت خالی کرنے کو تیار نہیں۔ اگر یہ عمارت خالی کر دی جائے، تو مزید ۵۰ افراد کے لئے رہائشی سہولتیں میسر آ سکتی ہیں۔ یونیورسٹی انتظامیہ اس معاملے میں اس حد تک بے حس ہے کہ کیمیکل انجنیئرنگ اور ٹیکنالوجی کی عمارت خالی پڑی ہے، نہ فارمیسی والے وہاں جاتے ہیں اور نہ سپورٹس والوں کو ہوسٹل ملتا ہے۔

کھیلوں سے متعلقہ سامان کے اخراجات پچھلے پانچ سال میں پانچ سو گنا سے زیادہ تجاوز کر گئے ہیں۔ کرکٹ کا گیند جو پہلے پانچ روپے میں دستیاب ہوتا تھا۔ اب مشکل سے ۲۰ یا ۳۰ روپے میں ملتا ہے۔ یہی حالت دوسری گیمز کے سامان کی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی انتظامیہ جو فنڈز مہیا کرتی ہے، وہ کھیلوں کی مناسب ترویج و ترقی کے لئے ناکافی ہے۔ اس کے لئے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کو مناسب اقدامات کرنا چاہئیں۔ پاکستان سپورٹس بورڈ کو بھی چاہیئے کہ وہ اس سلسلے میں یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کو مناسب ہدایات دے تاکہ تعلیمی اداروں میں تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیلوں کی بھی سرپرستی ہو اور طلبا و طالبات اپنا فارغ وقت بے کار قسم کے مشاغل میں صرف کرنے کی بجائے کھیلوں میں صرف کریں۔ اس سے نہ صرف وہ بہت سی برائیوں سے بچ رہیں گے، بلکہ ملک، وقوم کی مجموعی ذہنی اور نفسیاتی نشوونما پر گہرا اور مثبت اثر پڑے گا۔

ناصر محمود کا تبصرہ

کرکٹ کے معاملات

ایڈہاک کمیٹی توڑ دی جائے، ورنہ لاوا پھٹ جائے گا

ہمارے ملک اور ہمارے پریس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ چڑھتے سورج کی پوجا کرتا ہے اور شخصیتوں کے ایسے بُت تراشتا ہے کہ وہ فرشتہ معلوم ہوتی ہیں، مگر جب ان کی کارگزاری سامنے آتی ہے، تو سب کچھ ملیامیٹ ہو چکا ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ وقت بھی بہت آگے نکل چکا ہوتا ہے جس کو واپس لانا کسی کے بس کی بات نہیں اور وہ موقع صرف اور صرف پچھتانے کا ہوتا ہے۔

۱۔ بی سی پی کی ایڈہاک کمیٹی کے سربراہ جنرل اظہر صاحب نے پاک بھارت سیریز کے پیش نظر ہی بارہا اخبارات میں بیانات دیئے تھے کہ کرکٹ کے انتخابات دسمبر کے مہینے میں کروا دیئے جائیں گے، مگر آپ نے دیکھا دسمبر کا مہینہ پورا گزر چکا اور اب جنوری کا مہینہ بھی یوں ہی گزر جائے گا، مگر انتخابات اس کے بعد بھی منعقد ہوتے نظر نہیں آتے۔

۲۔ پاک بھارت سیریز کی کامیابی کا سہرا بورڈ کی ایڈہاک کمیٹی نے اپنے سر باندھنا شروع کر دیا ہے اور وہ اس کی آڑ میں اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑتی جا رہی ہے۔ جس کی تازہ ترین مثال پاکستان کی انیس سال سے کم عمر کھلاڑیوں کی ٹیم کا انتخاب ہے جس میں بے شمار دھاندلیاں کی گئی ہیں۔

۳۔ اس کی دوسری مثال قائد اعظم ٹرافی کے لئے سندھ کی ٹیم کا معاملہ ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ:۔ قائد اعظم ٹرافی کے لئے کمرشل اداروں کے علاوہ چاروں صوبوں سے بھی ایک ایک ٹیم شریک ہوتی ہے۔ ماہ نومبر میں پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے صوبوں نے اپنی مرضی سے ٹیموں کا انتخاب کیا، مگر سندھ کے لئے ایڈہاک کمیٹی نے نیشنل بنک کے تین ملازمین جناب نسیم الغنی، مقصر الحق اور آصف احمد پر مشتمل ایک سلیکشن کمیٹی کا اعلان کر دیا، جبکہ خود نیشنل بنک کی ٹیم بھی اس ٹورنامنٹ میں ایک فریق کی حیثیت سے شامل ہے۔

۴۔ ایڈہاک کمیٹی کے اس ناروا فعل پر سندھ کرکٹ ایسوسی ایشن نے سخت احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ سندھ کی ٹیم منتخب کرنے کا حق صوبے کی واحد ایسوسی ایشن کو دیا جائے۔ جیسا کہ دیگر صوبوں میں کیا گیا ہے۔

۵۔ مگر اس مطالبے کو تسلیم کرنے کے بجائے ایڈہاک کمیٹی کے ممبر جناب وقار حسن صاحب نے ایک گرما گرم بیان داغ دیا کہ چونکہ کراچی کرکٹ ایسوسی ایشن، کراچی ڈویژنل کرکٹ ایسوسی ایشن اور سندھ کرکٹ ایسوسی ایشن گروہی سیاست کا شکار ہیں اس لئے سندھ کی ٹیم ایڈہاک کمیٹی ہی منتخب کرے گی۔

۶۔ اس کے ساتھ ہی اخبارات میں تین روزہ ٹرائلز کیلئے مدعو کئے گئے کھلاڑیوں کے نام شائع کروا دیئے گئے جن میں بیشتر مستحق اور اچھے کھلاڑیوں کے نام غائب تھے، لہٰذا کراچی کے کرکٹ کے حلقوں میں شدید بے چینی پیدا ہو گئی۔ چند کھلاڑیوں نے وقار حسن صاحب کو ان کے دفتر میں جا گھیرا، تو انہوں نے مصلحتاً اُن کو بھی شامل کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔

۷۔ ادھر سندھ کرکٹ ایسوسی ایشن کے سیکرٹری نے حیدر آباد سول کورٹ میں ایڈہاک کمیٹی کی اس من مانی کے خلاف درخواست دے کر ٹرائلز کے تیسرے اور آخری روز حکم امتناعی حاصل کر لیا اور نیشنل اسٹیڈیم ہی میں ایڈہاک کمیٹی کی مقرر کردہ سلیکشن کمیٹی سے درخواست کی کہ آپ اپنا کام جاری رکھیں اور ٹیم منتخب کریں، مگر اس کا اعلان سندھ کرکٹ ایسوسی ایشن کی جانب سے کیا جائے گا۔ یہ ۲۹، نومبر ۱۹۷۸ء کی بات ہے، چونکہ اس سے ایک روز بعد یعنی یکم دسمبر سے ٹورنامنٹ کا پہلا راؤنڈ کا میچ سندھ اور بلوچستان کی ٹیموں کے مابین شروع ہونے والا تھا، لہٰذا سندھ کرکٹ ایسوسی ایشن نے یہی حل مناسب سمجھا، مگر سلیکشن کمیٹی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور ٹیم کا انتخاب نہ کیا، لہٰذا سندھ کے سیکرٹری نے فوری طور پر ایک نئی سلیکشن کمیٹی کا اعلان کیا اور موقع پر موجود تمام کھلاڑیوں کو اگلے روز ٹرائلز پر مدعو کیا گیا۔

۸۔ دوسری جانب وقار حسن صاحب نے حیدر آباد کورٹ کے نوٹس کی وصولی کے بعد جس میں انہیں اگلے روز عدالت میں طلب کیا گیا تھا فوراً نیشنل اسٹیڈیم ہی سے ٹیلیفون پر لاہور میں جنرل اظہر صاحب سے رابطہ قائم کیا اور انہیں تمام رُوداد سُنائی جس پر جنرل صاحب نے نوٹس وصول کرنے پر ناراضی کا اظہار بھی کیا۔ اس کے بعد وقار صاحب نے جنرل کو مشورہ دیا کہ بلوچستان اور سندھ کا جمعہ کے روز سے شروع ہونے والا میچ منسوخ کر دیا جائے، لہٰذا جنرل صاحب نے فوری طور پر بلوچستان کی ٹیم کو جو کہ کوئٹہ کے ریلوے اسٹیشن پر کراچی آنے کے لئے پہنچ چکی تھی وہیں روک دیا۔ نتیجتاً اگلے روز اکیلے منیجر صاحب کراچی پہنچے اور صورتِ حال کی وضاحت تلاش کرتے رہے۔

۹۔ اگلے روز ۳۰، نومبر کو عدالت نے مقدمے کی اگلی تاریخ ۱۸، دسمبر مقرر کر دی۔

۱۰۔ اسی روز سندھ کرکٹ ایسوسی ایشن نے ٹرائلز منعقد کر کے ٹیم کے ۱۸۔ کھلاڑیوں کے ناموں کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کہ اگلے روز تمام کھلاڑی نیشنل اسٹیڈیم پہنچ جائیں،

جہاں پر کہ بلوچستان کی ٹیم سے میچ کا انعقاد ہونا تھا۔

۱۱ ۔ مگر دوسرے روز اخبارات نے ایک اور ہی خبر شائع کی ہوئی تھی، وہ یہ کہ بی سی سی پی کی ایڈہاک کمیٹی کے اعلان کے مطابق یکم دسمبر سے سندھ اور بلوچستان کی ٹیموں کے درمیاں ہونے والا میچ غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیا گیا ہے، جبکہ دوسرے مراکز پر دیگر تمام میچ شیڈول کے مطابق منعقد ہوں گے۔ پہلے وقار حسن نے جنرل صاحب کو مشورہ دیا کہ بلوچستان کی ٹیم کو کوئٹہ سے لاہور بلوا لیا جائے، تاکہ اگلے راؤنڈ کا میچ بلوچستان کی ٹیم جبیب بنک کے خلاف کھیل سکے، کیونکہ اب کراچی میں میچ کرانا ان کی نظر میں خطرے کا سودا تھا، مگر اس کے بعد نہ جانے کیا سوجھی کہ سندھ کے ساتھ ساتھ بلوچستان کے حق پر بھی ڈاکہ مار دیا اور حبیب بنک کی ٹیم کو براہِ راست سیمی فائنل میں کھلا دیا گیا۔ سندھ کے کھلاڑی تو ایڈہاک کمیٹی کی سیاست کی بھینٹ چڑھے ہی تھے۔ اس کے ساتھ بلوچستان کے کھلاڑی بھی بغیر کھیلے ہی میچ ہار گئے اور ایڈہاک کمیٹی نے دونوں سیمی فائنل بھی منعقد کر ڈالے۔ ایسا صرف قائد اعظم ٹرافی کا فائنل میچ نیشنل بنک اور حبیب بنک کے درمیان ہوتا ہے جس کے لئے فی الحال تاریخ اور مقام کا اعلان نہیں کیا گیا۔

۱۲ ۔ ایڈہاک کمیٹی کی کارکردگی کا ایک اور غور طلب پہلو یہ بھی ہے کہ ملک کے اس سب سے بڑے فرسٹ کلاس کرکٹ ٹورنامنٹ کا کراچی جیسے عظیم اور کرکٹ کی نرسری کہلانے والے شہر میں پہلی مرتبہ ایک بھی میچ منعقد نہیں کیا گیا، جبکہ لاہور، پشاور، راولپنڈی، فیصل آباد اور ملتان میں میچ کھلائے گئے، وہ کراچی جس نے صرف ایک ٹیسٹ میچ میں ملک کو ۱۸ ۔ لاکھ روپے دیئے ایڈہاک کمیٹی کے ارکان کی خود غرضی کا شکار ہو گئی اور کرکٹ کے بڑے بڑے جغادریوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی ــــ کیا یہ سندھ کے کھلاڑیوں، عوام اور کرکٹ کے شائقین کے حقوق پر کھلا ڈاکہ نہیں ۔

۱۳ ۔ اخبارات کے مطابق تازہ ترین صورتِ حال یہ ہے کہ بی سی سی پی نے سندھ ہائی کورٹ میں حیدر آباد سول کورٹ کے خلاف درخواست دی جس کے جواب میں جنوری کے پہلے ہفتہ میں ہائی کورٹ نے سول کورٹ سے سندھ کرکٹ ایسوسی ایشن کی درخواست خارج کر دی ہے اور ہدایت کی ہے کہ اگر اسے کوئی شکایت ہے، تو وہ ہائی کورٹ سے رجوع کرے ۔

۱۴ ۔ اس زریں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بی سی سی پی نے اگلے روز اخبارات میں سندھ کی ٹیم کے ناموں کا اعلان کر دیا اس سے اگلے روز دو مزید کھلاڑیوں کی شمولیت کی خبر چھپی اور ر[...] ہی یہ خبر بھی کہ سندھ کی ٹیم حبیب بنک کی ٹیم کے خلاف میچ کھیلے[...] کیونکہ بلوچستان کی ٹیم نے کھیلنے سے معذوری ظاہر کر دی ہے[...]

۱۵ ۔ تاریخ اور مقام کا اعلان ابھی نہیں کیا گیا، مگر یہ ایک[...] ہی دلچسپ لطیفہ ہو گا کہ فائنل میں پہنچی ہوئی ٹیم حبیب بنک[...] کوارٹر فائنل کھیلے گی اور اگر وہ سندھ سے ہار گئی، تو معلوم نہیں[...] سندھ فائنل کھیلے گی یا کہ اُسے سیمی فائنل کے مرحلے سے گزرنا[...] یہ تو بی سی سی پی کے ایڈہاک کمیٹی کے کرتا دھرتا ہی بتا سکیں گے[...] اس وقت کرکٹ کے بے تاج بادشاہ ہیں اور تمام حقوق اور اح[...] اپنے پیروں تلے روند رہے ہیں ۔

۱۶ ۔ اگر کراچی بظاہر پر سکون ہے، تو اسے ایڈہاک کمیٹ[...] کامیابی کی علامت نہ سمجھا جانا چاہیئے۔ کراچی کی کرکٹ میں لاوا[...] رہا ہے۔ اگر اسے پھٹنے سے پہلے ٹھنڈا کرنا مقصود ہے، تو ایک ہ[...] ہے کہ فوری طور پر انتخابات منعقد کروا دیئے جائیں اور اس[...] کمیٹی کی چھٹی کروا دی جائے، تو بہتر ہے، وگرنہ کرکٹ کے وڈیر[...] کا یوم حساب از خود شروع ہو جائے گا ۔

ہاکی کو واقعی نئے خون کی ضرورت ہے

سید الف اختر کا نقطہ نظر

۱۹ ، دسمبر ۷۸ ۱۹ء کے "زندگی" میں اکرام غازی صاحب کا مضمون "بعنوان نور خان کو دوبارہ سیاست میں آنے سے کیا ملے گا" پڑھا۔ راقم الحروف سیاسی میدان کا آدمی نہیں، لہٰذا صرف ان باتوں پر اظہارِ خیال کرے گا جو ہاکی سے متعلق ہیں۔ ساتھ ہی یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ہاکی ایک بے حد کلاسیکی نوعیت کا کھیل ہے اور اس پر کرکٹ کی طرح تبصرہ کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔

غازی صاحب نے یہ بات لکھی ہے کہ نور خان چھ کھلاڑیوں کو نکال رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے بقول ہاکی کو نئے خون کی ضرورت ہے۔ غازی صاحب نے اس میں سیاسی زاویے تلاش کئے ہیں۔ بہرکیف انہوں نے جن کھلاڑیوں کے نام لکھے ہیں، وہ یہ ہیں ـــــ اصلاح الدین، شہناز شیخ، منور الزماں، منظور الحسن، منظور جونیئر۔ پتہ نہیں کیوں انہوں نے ذکر چھ کا کیا اور پانچ نام لکھے۔ ویسے اطلاعاً لکھ دوں کہ چھٹا نام اختر رسول ہے اور منظور جونیئر کا نام اس فہرست میں نہیں ہے، بلکہ اس سلسلے میں قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں، مگر منظور جونیئر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

غازی صاحب نے اس انداز سے بات لکھی ہے، گویا یہ بات نور خان نے ابھی کہی ہو اور اس میں ان کا سیاست میں آنے سے متعلق کوئی مفاد وابستہ ہے، تو سب سے پہلے اس غلط فہمی کو دور کر دینا چاہتا ہوں۔ نور خان نے یہ بات اب پہلی مرتبہ نہیں کہی، بلکہ جب پاکستان نے عالمی ہاکی کپ بیونس آئرس جیتا تھا، اس وقت انہوں نے اس خیال کا پہلی مرتبہ اظہار کیا تھا۔ اب ذرا کچھ ٹیکنیکل باتیں سنئے۔ ہاکی دنیا کے تیز ترین کھیلوں میں سے ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ہاکی کھیلنے کے لئے (عالمی سطح پر) زیادہ سے زیادہ عمر تیس سال ہوتی ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ کھلاڑی کا اسٹیمنا بہت زیادہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے تجربہ کار کھلاڑیوں کے لئے بھی اس عمر میں صرف دو ایک سال بڑھائے جا سکتے ہیں ۳۱ اور ۳۲ سال کی عمر کے بعد ہاکی کھیلنے کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں لوگ ہاکی کو بھی کرکٹ کے چشمے سے دیکھتے ہیں جو ایک سست کھیل ہے اور جس میں نہ اسٹیمنا درکار ہوتا ہے نہ فٹنس، بلکہ میدان میں بڑھے ہوئے پیٹ بھی نظر آتے ہیں اور آنکھیں یہ دیکھتی ہیں کہ ۴۸ برس کا بوڑھا ٹیسٹ میچ کھیل رہا ہے (مثلاً میراں بخش) کرکٹ میں ۳۰ سال میں پانچ کھلاڑی پیدا ہوئے جن کے نہ ہونے سے ٹیم نہیں بن پاتی جب کہ ہاکی میں وہ لڑکے جنہوں نے کبھی ملک سے باہر قدم نہیں رکھا تھا، عالمی کپ کھیلنے جاتے ہیں۔ (کیونکہ میونخ کے بعد ٹیم پر پابندی لگی ہوئی تھی) اور کانسی کا تمغہ جیت لاتے ہیں۔

آیئے اب ان کھلاڑیوں کو دیکھیں جو اس زمانے میں ریٹائر ہوئے جب ان کا کھیل عروج پر تھا، ملک میں ان کے نام کا ڈنکا بجتا تھا اور دنیا میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ انوار احمد خاں فقید الم[...] سنٹر ہاف تھا۔ اُس دور میں دنیا میں اس کے مقابلے کا کوئی سنٹر[...] نہ تھا۔ پاکستانی ٹیم کا کپتان بھی رہا۔ کڈی، حبیب الرحمٰن، حمید[...] عاطف جو بہترین کھلاڑیوں میں سے تھے۔ کڈی، حمیدی اور عا[...] تو کپتان بھی رہے ہیں۔ خالد محمود، منیر ڈار، نصیر بندہ اور کتنے [...] کھلاڑی ہیں، جو ایک عمر پر آ کر ریٹائر ہو گئے۔ شہناز شیخ، اختر[...] اور اصلاح الدین کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ اصلاح ۱۰ / جنو[...] ۳۰ سال کے ہو گئے ہیں، وہ ۱۰ سال سے پاکستان کی ٹیم میں کھ[...] ہیں۔ شہناز ۲۹ سال کے ہیں، انہیں قومی ٹیم میں ۹ سال ہو[...] ہیں اختر رسول سات برس سے قومی ٹیم میں ہیں۔

ان سب کا کھیل اپنے عروج پر پہنچ چکا ہے۔ ہر کمال را زو[...] اب واقعی نئے خون کی ضرورت ہے۔ شہناز لفٹ ان کی پوز[...] (جو بے حد محنت طلب پوزیشن ہے) ، ۲۰ / سالہ حنیف کو دے کر[...] فارورڈ آ گئے ہیں۔ منور الزماں اور منظور الحسن میں ابھی دم خم ہے[...] ۲۸ / سال کے اور منظور الحسن ۲۷ / سال کے ہیں۔ فل بیک کی پوز[...] ویسے بھی زیادہ محنت نہیں مانگتی۔ اختر رسول کا کھیل اب اپنی انت[...] پہنچ گیا ہے۔ انہوں نے جس طرح کھیل میں امپروومنٹ کی ہے[...] قابلِ ستائش ہے۔ منظور جونیئر صرف ۲۰ سال کے ہیں، لہٰذا ان[...] کا کوئی موقع نہیں۔

آخر میں غازی صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ از راہِ کرم[...] ہاکی کے متعلق جب بھی لکھیں، تو سوچ سمجھ کر لکھیں، کیونکہ میرے[...] میں دوسرے کھیلوں کے برعکس اس کھیل کے تقاضے یہ ہیں کہ اس[...] میں وہی لکھ سکتا ہے جو میدان میں ہاکی لے کر اترا ہو۔ میچ دیکھ[...] تالیاں بجانا اور کھیل کو سمجھ کر داد دینا الگ بات ہے۔

nc

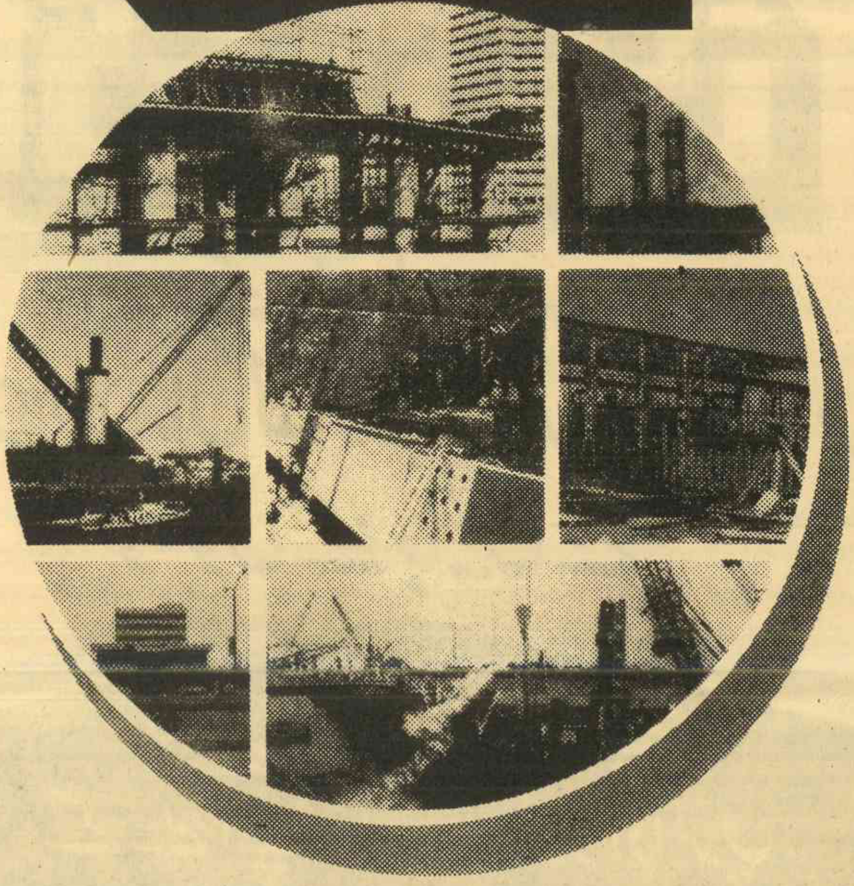

OUR JOB IS NATIONAL CONSTRUCTION

National Construction Limited has extensive experience in handling diverse jobs, in building projects of national concern. Projects worth millions in terms of money. Besides, we provide job opportunities to Pakistani engineers.

We are shaping a concrete future for the country.

nc

National Construction Limited
Karachi. Lahore. Islamabad. Peshawar

I A L. NC. 3.78.

آجر حضرات توجہ فرمائیں!

ای او بی آئی

کے واجبات اب
سرکاری مال گذاری کے بقایاجات کی طرح
وصول کیئے جائیں گے۔

تعزیری کاروائی سے بچنے
کے لئے اپنے واجبات فوراً ادا کریں۔

اپنے ملازمین کی جانب سے ایمپلائیز اولڈ ایج کے واجبات ہر ماہ
بر وقت ادا کرنا آپ کی ذمہ داری ہے
ادائیگی میں تاخیر کے نتیجے میں قانون کے تحت تعزیری کاروائی کی جائیگی

EOBI

ایمپلائیز
اولڈ ایج بینی فٹس
انسٹی ٹیوشن

ضعیف العمری کا تحفظ
قومی ذمہ داری

(جس کے اختیارات و فرائض اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن آف پاکستان سرانجام دے رہی ہے)

اسٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر ۲ - والیس روڈ - آف آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

manhattan PAKISTAN

EOBI/78/3

اسلام ـ نظام اجتماعی

سینی گال کے حکمران احمد شیخ طورے کی کتاب

تعارف : سید ارشاد احمد عارف

صدر طورے ایک بیدار مغز انسان اور قلب حساس رکھنے والے حکمران ہیں۔ ان کی تالیف اسلام ۔ نظام اجتماعی کے مطالعے سے ان باتوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ خدا تعالےٰ نے انہیں دنیوی جاہ و حشمت کے ساتھ دین میں رسوخ کی دولت سے بھی نوازا ہے۔

کتاب کی تالیف کا محرک ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام ایک اجتماعی نظام ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح ایک فرد کا معاملہ نہیں۔ کتاب کے مضامین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے آئینہ دار ہیں "جماعت مؤمنین آپس کے جملہ معاملات میں جسدِ واحد کی حیثیت رکھتی ہے، جب کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے، تو پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے۔ سردی گرمی کا اثر بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

"اجتماعیت" پر احمد شیخ طورے یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں "ایک شخص جب دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے، تو گویا وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس نے اپنے انفرادی وجود کو ملّی اجتماعیت میں ضم کر دیا ہے۔ اس کا یہ کہنا "ایاک نعبد و ایاک نستعین" (اے خدا "ہم" تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) اس بات کا اعلان ہے کہ وہ جو کچھ مانگے گا جو عمل کرے گا "میں" کے دائرے سے نکل کر "ہم" کے دائرے میں کرے گا۔ گویا اس کا وجود ایک اجتماعی فریم میں فٹ ہو چکا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا یہی منشا ہے "مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے لئے ایک دیوار کی طرح ہے۔ اینٹوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑا ہوا۔

صدر طورے کتاب کے آغاز میں کہتے ہیں "اسلام اور انقلاب ان کے ملک میں بغل گیر ہو چکے ہیں۔ اسلام نے یہاں کے لوگوں کو تقوےٰ و طہارت، عدل، انصاف، اخوت، عمل صالح، باہمی عزت و وقار اور جمہوریت سے آشنا کیا۔

گنی کے لوگوں نے اس سے پہلے اس طرح کا دور نہیں دیکھا تھا۔ گنی نیشنل اسلامک پارٹی کی تاسیس کے ساتھ ہی ملک میں اسلامی اصلاحات نافذ ہونے لگیں۔

کتاب کے عنوانات کی ترتیب یوں ہے۔

۱۔ اسلام ــــ تاریخی حقیقت

اس عنوان کے تحت اسلام نے حقوق نسواں کے سلسلے میں جو انقلابی تصور پیش کیا ہے، اجاگر کیا گیا ہے۔ اسلام نے عورت کو شرف و عظمت اور مکمل انسانی حقوق سے نوازا۔ اسلام سے پہلے عورت حقارت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ اسلام نے اس تصور پر کاری ضرب لگائی۔ اسلام کے نزدیک عورت بحیثیت ماں مرد کو پہلے پیٹ میں اور پھر ایک عرصے تک اپنی آغوش شفقت میں پال پوس کر اس قابل بناتی ہے کہ وہ زمین کے خزانوں کا مالک، کائنات ارضی کا حکمران اور خالق کائنات کے اسرار قدرت کا امین بن سکے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم عورت کی اس حیثیت کو تسلیم کریں۔

احمد شیخ طورے

۲۔ تعددِ ازدواج

مؤلف نے مخالفین اسلام کے ان شکوک و شبہات کی تردید کی ہے، جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ ازدواج کے نام سے پھیلاتے ہیں۔

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے اور پھر قرآن و سنت سے مخالفین کی علمی بد دیانتی کا پردہ چاک کیا ہے۔

۳۔ اسلام ــــ عقیدۂ کاملہ

مغربی افکار کے دھارے نے مسلمانوں میں فکری تشکیک کے بیج بوئے ہیں۔ اس نے ملّتِ اسلامیہ کو خاصا نقصان پہنچایا ہے شیخ طورے نے اس فکری انتشار کے نتائج و عواقب کو سامنے رکھ کر ان اسباب پر روشنی ڈالی ہے جو اس فکری انتشار کا سبب بنتے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ دراصل اسلام دشمن قوتوں کی سازش کا کرشمہ ہے کہ ہم اپنے انقلابی افکار سے منہ موڑ کر مغرب کی چچوڑی ہڈیوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ ایمان کی قوت کو حرزِ جاں بنا کر مسلمان مخالفین اسلام کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ضروری ہے کہ مسلمان اسلام کے اصول و فروعات پر ایمان کے ساتھ ساتھ "عملِ صالح" سے اپنی زندگی کو سنواریں۔ ہمارے لئے اس سے بڑھ کر خوشی اور فخر کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام نے آزادی، مساوات، عدل اور اخوت کا علم اس وقت بلند کیا، جب دوسرے لوگ اس کے مفہوم سے نا آشنا تھے۔ اسلام نے عقیدہ و ایمان کے بعد ان اصولوں کو اہمیت دی۔

۴۔ تعلیمِ اسلامی

اسلام انسان کو حصولِ علم پر ابھارتا ہے حتیٰ کہ اس کا سینہ نورِ علم سے معمور ہو جائے علم ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جو انسان کو عدل، مساوات، فکری ارتقاء اور جمہوریت کے ثمرات سے مستفید کر سکتا ہے۔

۵۔ وجدان ــــ انمول موتی

جو چیز انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ وجدان ہے۔ یہ ایک ایسا انمول موتی ہے جو نیکی اور بدی کو پرکھنے کے لئے کسوٹی کا کام دیتا ہے۔ نفسِ آمارہ کی شرارتوں اور شیطانی وسوسوں سے انسان کو آگاہ کرتا ہے۔ پوری کتاب اس طرح کے ابواب پر مشتمل ہے۔ عمل، اسلامی زیور، ارکانِ خمسہ، حصولِ علم، اجتماعی فریضہ وغیرہ۔ اسلام کے اجتماعی نظام پر یہ کتاب ایک بہترین اضافہ ہے، جس پر شیخ احمد طور ے لائقِ ستائش ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے شیخ طور ے ایک درد دل رکھنے والے مسلمان اور مومن صادق کی حیثیت سے متعارف ہوئے ہیں۔ ویسے بھی فرانسیسی استعمار کے خلاف جنگ کرنے والے مجاہدین میں وہ ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، کتاب ۲۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

■■

داعئ نظامِ اسلامی اور تحریکِ پاکستان

تبصرہ : رؤف طاہر

پاکستان کے قیام کو تیس برس کا عرصہ گزر چکا، جان و مال اور عفت و عصمت کی بے پناہ قربانیوں کے بعد معرضِ وجود میں آنے والی یہ مملکت آٹھ سال قبل دو حصوں میں تقسیم بھی ہو چکی (اور دنیا کی اس عظیم مسلم مملکت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے اس عمل میں، خود ان حضرات کی بد اعمالیوں اور سازشوں نے بھی اہم کردار ادا کیا، جو ۴۷ء سے قبل مسلم لیگ کا عَلَم اٹھائے ہوئے تھے) لیکن اس سب کچھ کے باوجود آج بھی بعض عناصر اپنی سیاست کی بنیاد اس امر پر رکھتے ہیں کہ تیس سال قبل کسی نے مسلم لیگ کی حمایت کی تھی یا مخالفت کی تھی، حالانکہ قیامِ پاکستان کے بعد ان لوگوں نے کسی دوسرے سے کم محبِ وطن ہونے کا مظاہرہ نہیں کیا، جن سے تحریکِ پاکستان کے دوران مسلم لیگ سے اختلاف کا گناہ سرزد ہو گیا تھا۔

تحریکِ پاکستان کے حوالے سے جن لوگوں کو آج بھی مشقِ ستم بنایا جاتا ہے، ان میں سب سے زیادہ مظلوم جناب سید مودودی ہیں۔ دورِ حاضر میں عالمگیر اسلامی انقلاب کا داعی اور بین الاقوامی اسلامی تحریک کا یہ قائد، اس وقت اکثر حلقوں کے لئے ایک "عظیم مسئلہ" بنا ہوا ہے اور تحریکِ اسلامی کا راستہ روکنے کے لئے جہاں دیگر حربے اختیار کئے جاتے ہیں۔ وہاں ایک "اعتراض" یہ بھی عائد کیا جاتا ہے کہ یہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کی بات کیوں کرتے ہیں، جب کہ یہ تو سرے سے قیامِ پاکستان ہی کے مخالف تھے۔

حکیم حمید الدین بقائی نے ۴۸ صفحات کے اس کتابچے میں سید مودودی کے خلاف اس الزام کا جائزہ لیا ہے اور تحریکِ پاکستان اور سید مودودی کی تحریکِ اسلامی کے اغراض و مقاصد کی مطابقت، بانئ پاکستان اور بانئ جماعت اسلامی کی تقریروں اور تحریروں کے اقتباسات کی باہم مناسبت، ان کے تاریخی حوالوں کے ساتھ پیش کی ہے۔ فاضل مرتب نے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی ملکی، ملی اور سیاسی خدمات کے متعلق مسلم لیگ کے ممتاز رہنماؤں اور ملت کے نامور قائدین کی آراء بھی درج کی ہیں اور یوں مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف اس الزام کی لغویت کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

یہ کتاب دو روپے کے عوض، مکتبہ بقائی بازار تلواڑاں اور مکتبۂ افکارِ اسلامی کالج روڈ راولپنڈی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

■■

ایم سی پی میں بے ضابطگیاں

ایم سی پی ایک نیم سرکاری قومی ادارہ ہے، جس کا قیام ۱۹۷۴ء میں ایم پی او، واپڈا سے عمل میں آیا۔ ہر ادارہ اپنے نظم و ضبط کیلئے کچھ قواعد و ضوابط رکھتا ہے، لیکن ایم سی پی کا معاملہ عجیب ہے کہ چار سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس کے قواعد و ضوابط تشکیل نہیں دیئے گئے اور اس کے نتیجے میں اس قومی ادارے میں عجیب صورتِ حال پائی جاتی ہے۔

واپڈا نے حال ہی میں ایک خط متعلقہ وزارت کو ارسال کیا ہے کہ ایم سی پی کے ملازمین سے رائے (OPTION) لی جائے کہ وہ بدستور ایم سی پی میں رہنا چاہتے ہیں یا واپڈا میں واپس آنا چاہتے ہیں۔ اس خط نے ادارے میں عجیب و غریب صورت پیدا کر دی۔ ملازمین پریشان تھے کہ ایک طرف ایم سی پی کے کوئی قواعد و ضوابط تشکیل نہیں پائے۔ دوسری طرف ملازمین سے OPTION مانگا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں ایم سی پی کے وابستگان کا مطالبہ ہے کہ پہلے اس ادارے کے قواعد و ضوابط بنائے جائیں، اس کے بعد ان سے OPTION لیا جائے۔

کسی قاعدے اور ضابطے کے نہ ہونے کے باعث بعض لوگ اپنی من مانی کرتے ہیں اور اس پر ان کا کوئی احتساب نہیں ہوتا۔ آفیسرز، خصوصاً مکینیکل انجینیروں کا معاملہ ہی لیجئے۔ ہمارے پاس بہترین انجینیرز ہیں، لیکن مختلف بنیادوں پر ۱۹ اور ۲۰ گریڈ میں مکینیکل انجینیرز لیے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں افسروں میں سخت بے چینی پیدا ہوتی ہے۔

ایم سی پی کے ساتھ ہی نیشنل پاور کنسٹرکشن کمپنی اور نیشنل ٹیوب ویل کنسٹرکشن کمپنی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ایم سی پی کا کام اگرچہ سخت تر نوعیت کا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے پے سکیل ان دونوں اداروں سے کہیں کم ہیں، حالانکہ ایم سی پی کے انجینیروں اور افسروں کو دُور دراز علاقوں (مثلاً آر سی ڈی ہائی وے لسبیلا) میں کام کرنا پڑتا ہے، جہاں زندگی کی باقی ضروریات تو ایک طرف، پانی تک بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ ایم سی پی کے ملازمین کا مطالبہ ہے کہ ان کے پے سکیل میں اضافہ کیا جائے اور کم از کم نیشنل انجینیرنگ سروس آف پاکستان کے برابر سکیل دیے جائیں۔ اس ضمن میں وزارت کی طرف سے ایک خط بھی آیا اور سکیل طے کرنے کے لیے ایک کمیٹی بھی بنی، لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

افسروں کی پروموشن کے لیے بورڈ بھی تشکیل دیے گئے ہیں، لیکن ایک سال ہو چکا، کسی بورڈ کی میٹنگ نہیں ہوئی۔ اس وقت افسروں کی بہت بڑی تعداد ایڈ ہاک پر کام کر رہی ہے۔ تین تین سال ہو چکے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کو باقاعدہ نہیں کیا گیا۔ اس ضمن میں ہمارا مطالبہ ہے کہ جن افسروں کا چھ ماہ کی ایڈ ہاک مدت ختم ہو چکی ہے، انہیں اب ریگولر کیا جائے۔

واپڈا نے افسروں کو مکان کی سہولت دی تو ایم سی پی نے بھی آرڈر جاری کیا کہ اس کے افسروں کو مکان حاصل کرنے کی اجازت ہے، لیکن چند ہی روز بعد اس آرڈر میں ترمیم کر دی گئی کہ یہ سہولت صرف نئے لوگوں کے لیے ہے اور پھر اس پر بھی عمل درآمد نہیں ہوا۔ بعض افراد نے مکان حاصل کر لیے اور اس میں ہیڈ آفس بھی ملوث ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا مطالبہ ہے کہ یکساں فیصلہ کیا جائے اور یہ سہولت تمام افراد کو دی جائے۔

انتظامی معاملات اور افسروں کے منصب کے بارے میں عجیب بے یقینی اور بے اعتمادی کی فضا پائی جاتی ہے۔ ان کے ساتھ زیادتی کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ اس صورتِ حال میں کوئی بھی افسر اپنے ماتحت سے بازپرس نہیں کر سکتا۔

افسروں کی سالانہ ترقیاں روک دی گئی ہیں، حالانکہ ایم سی پی کا ابھی تک کوئی قاعدہ اور ضابطہ تشکیل نہیں پایا، محکمانہ امتحان نہیں ہوا، حتیٰ کہ سلیبس تک نہیں بنا۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ سالانہ ترقی بحال کی جائے۔

ایم سی پی کو بیرونِ ملک جو کام ملا ہے، اس کے لیے صحیح منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں جہاں مشینری کی درآمد کے سلسلے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ وہاں یہ بات بھی ضروری ہے کہ بیرونِ ملک افراد بھیجتے ہوئے سینیارٹی، اہلیت اور کوٹے کو مدِ نظر رکھا جائے۔ ذاتی پسند و ناپسند کی بنا پر کئی افراد نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ عراق کے لیے افراد کا انتخاب ہوا۔ وہ ایئرپورٹ پہنچے تو انہیں یہ کہہ کر واپس بھیج دیا گیا کہ آپ کی پاکستان میں ضرورت ہے۔ ان میں سے کئی افراد نے پاکستان میں اپنے سکوٹر بیچ دیے تھے، کرائے کے گھروں میں رہنے والوں نے مکان خالی کر دیئے تھے، چنانچہ عین موقع پر ان کی روانگی منسوخ ہونے کے نتیجے میں انہیں بے پناہ دشواریوں اور ذہنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ایم سی پی کے پرسانل منیجر جناب جاوید حسن بھی اس ادارے کے "خبر نامہ" (اکتوبر ۱۹۷۸ء) میں بیشتر بے قاعدگیوں اور بے ضابطگیوں کی طرف توجہ دلا چکے ہیں۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اربابِ اختیار ان تمام معاملات پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور فرمائیں

(سیکرٹری جنرل، ایم سی پی ایگزیکٹوز ایسوسی ایشن)

■■

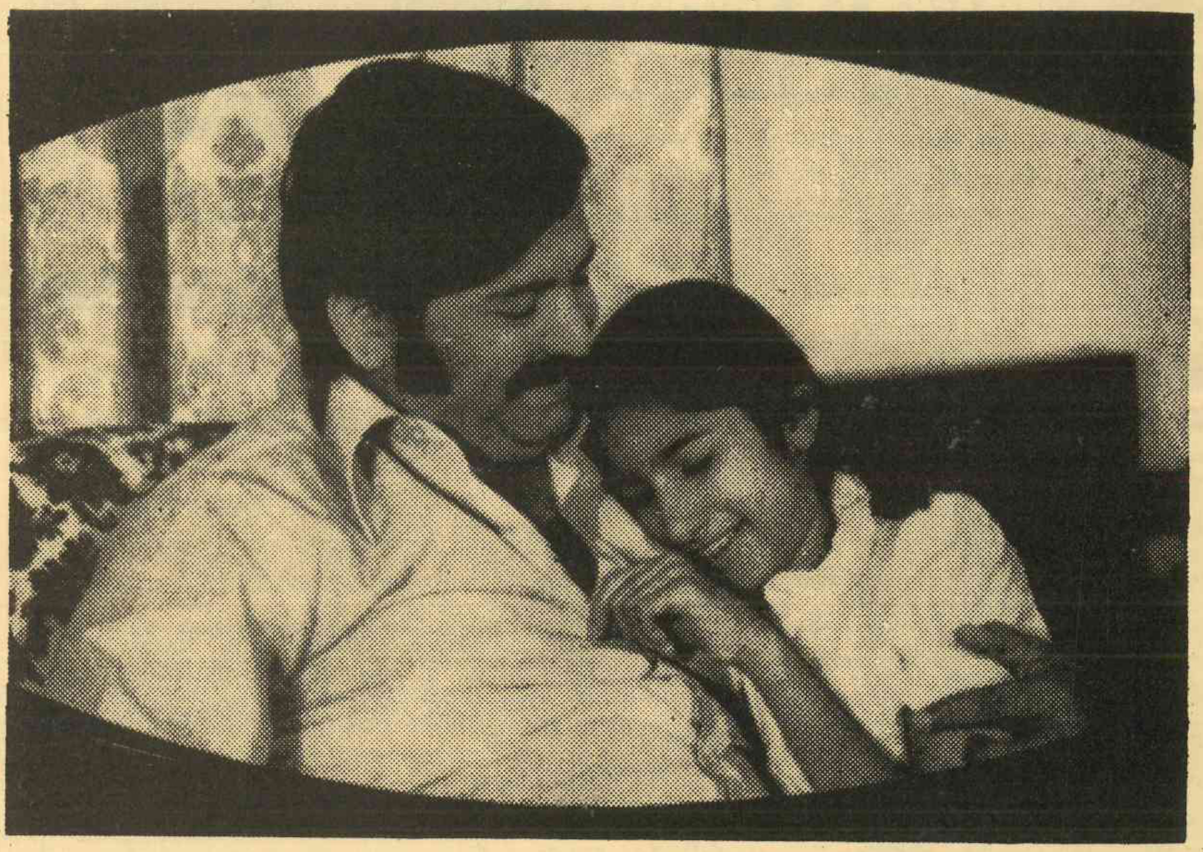

اے خدا میرے ابّو سلامت رہیں!

پیارے بچّوں کے دل سے نکلی ہوئی یہ دعائیں روح کی سیرابی کا باعث ہوتی ہیں ۔ اس بچّی کے ابّو نے اپنے بیوی بچّوں کی خاطر، اُن کے مستقبل کے استحکام کے لئے ایک بیمہ پالیسی لی اور اُن سے اپنی فطری محبّت کا دانشمندانہ اظہار کیا۔ بچّوں کے دل محبّت اور تشکّر سے لبریز ہیں۔ آپ بھی ذمہ داری اور دور اندیشی سے کام لے کر بیمہ کرائیں اور اپنے بچّوں کے دل کی دعائیں حاصل کریں۔

اسٹیٹ لائف کی متعدد نفع بخش اسکیمیں آپ کی اور آپ کے کُنبے کی آئندہ خوشحالی کی ضامن ہوسکتی ہیں۔ اِن سے فائدہ اُٹھائیے ۔ بیمۂ زندگی بہر صورت بچت کا بہترین ذریعہ ہے ۔ یعنی رقم محفوظ اور بچت پر منافع انکم ٹیکس میں بچت اس کے علاوہ ہے ۔ ہمارے تربیت یافتہ نمائندے آپ کی ضروریات کے مطابق بیمۂ زندگی کی حسبِ دلخواہ تجاویز پیش کرسکتے ہیں ۔ مثلاً تعلیم، شادی، گھر کی آمدنی یا بڑھاپے میں آرام کے لئے رقم کی فراہمی ۔

ہمارے کسی نمائندے یا علاقائی دفتر سے رجوع کریں ۔

قومی مستقبل کیلئے قومی ادارہ

اسٹیٹ لائف

انشورنس کارپوریشن آف پاکستان

United

RIO (K) PID SL ۹/۷۸

یہ مسئلہ

مکانات منہدم ہونے کا خطرہ

چوک سوتر منڈی اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں گندے پانی کی نالیاں شکستہ ہوگئی ہیں اور ان میں بہنے والے پانی کی وجہ سے مکانات بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ بیشتر مکانوں میں دراڑیں پڑگئی ہیں اور وہ کسی بھی وقت منہدم ہو سکتے ہیں۔ لاہور میونسپل کارپوریشن کی اس طرف کئی بار توجہ مبذول کرائی گئی، لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ اگر یہ صورتِ حال مزید کچھ عرصہ رہی تو کئی مکانات زمین بوس ہو جائیں گے اور جانی اتلاف ہوگا۔ ہماری گورنر پنجاب سے اپیل ہے کہ وہ اس سلسلے میں کارپوریشن کو حکم دیں تاکہ نئی نالیاں بنائی جائیں۔

(متعدد افراد کے دستخط)

پنشن اور بنک

ریٹائرڈ گورنمنٹ ملازمین کو اپنی پنشن کی وصولی کے لیے نیشنل بنک آف پاکستان میں جانا پڑتا ہے۔ جہاں رش کی وجہ سے اور بیٹھنے کے ناکافی انتظام کی صورت میں ان عمر رسیدہ افراد کو بے حد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اب چونکہ تمام بنک سرکاری تحویل میں ہیں یہ موزوں ہوگا کہ ہر پنشنر اپنی پنشن گھر کے قریب کسی بنک سے وصول کرے۔ وہ اپنے قریبی بنک میں اکاؤنٹ کھول دے اور اس کی پنشن وہاں جمع ہوتی رہے اور وہ جب چاہے رقم نکلوالے۔

(سلطان احمد۔ صادق آباد)

سمندری۔ فیصل آباد روڈ

سمندری فیصل آباد روڈ کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں لیکن بارشوں، سیم اور تھور نے اس کی حالت خراب کر دی ہے اور اس کی مرمت کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا۔ فیصل آباد سے ادھر بارہ میل کا ٹکڑا اکتا پھٹا ہے اور اس پر چلنے والی گاڑیوں کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ ہماری حکومت پنجاب سے درخواست ہے کہ اس سڑک کی فوری طور پر مرمت کی جائے۔ (محمد عثمان۔ فیصل آباد)

بند تعمیر کیا جائے

ضلع رحیم یارخان کے شمال میں دریائے سندھ کے جنوبی کنارے کی طویل پٹی پر واقع آبادی ضلع ڈیرہ غازی خان میں شامل ہے۔ ڈیرہ غازی خان کی یہ آبادی بنیادی انسانی سہولتوں سے محروم ہے۔ نہ سکول، نہ ہسپتال، نہ پولیس اور نہ سڑکیں۔ سیلاب کی وجہ سے یہ علاقہ ڈیرہ غازی خان سے کٹ جاتا ہے اور اس کی جملہ ذمہ داریاں عملاً رحیم یارخان کو ہی ادا کرنی پڑتی ہیں لہٰذا دریائے سندھ کے اس پار کے حصہ آبادی کو ضلع رحیم یارخان میں شامل کیا جائے۔ یہ ایک انسانی مسئلہ ہے جو خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

اسی طرح دریائے سندھ کے اس پار کا علاقہ ہر سال سیلاب کی وجہ سے زیرِ آب آجاتا ہے اور ہزاروں ایکڑ کھڑی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ خصوصاً مواضعات کچہ محاذی، مسلم آبادی، بیٹ اللہ ویایا۔ کچہ گوپانگ وغیرہ کی پٹی ہر سال بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ دریائے سندھ کے اس کنارے پر ضلع سکھر کی طرح بند تعمیر کیا جائے۔ اس حفاظتی بند کی تعمیر سے ہزاروں ایکڑ اراضی کاشت کے قابل ہو جائے گی اور قومی دولت میں خاصا اضافہ ہو جائے گا۔

(میاں محمد نواز۔ رحیم یار خاں)

ریلوے کا ٹائم ٹیبل

موسم سرما کا ریلوے ٹائم ٹیبل ۱۵ نومبر ۱۹۷۸ سے نافذ العمل ہے۔ موجودہ ٹائم ٹیبل کی وجہ سے سانگلہ ہل، دارالاحسان، چک جھمرہ، سلطان نگر، گٹی، نشاط آباد بہت پریشان حال ہیں۔ ہزاروں مزدور، طلبہ وطالبات، فیکٹری ورکرز اپنے اوقاتِ کار پر نہیں پہنچ سکتے۔ ذرا ریلوے کی کارکردگی ملاحظہ ہو۔ ریلوے ایک قومی ادارہ ہے۔ جس کا کام ملکی آمدنی میں اضافہ کرنا اور عوام کو زیادہ سے زیادہ سہولت بہم پہنچانا ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ گاڑی نمبر ۴۲۴۔ L وزیر آباد سے صبح ۲۵-۲ پر چلتی ہے اور فیصل آباد ۳۰-۸ پر پہنچتی ہے۔ سانگلہ ہل سے فیصل آباد کا سفر ۳۰-۲ گھنٹے میں طے کرتی ہے، حالانکہ یہ گاڑی اگر زیادہ سٹاپ نہ ہوں تو فیصل آباد ۳۰-۷ صبح پہنچ سکتی ہے اور تمام مزدور، فیکٹری مزدور، طلبہ وطالبات وقت مقررہ پر اپنی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ سکتے ہیں۔ ۲۴۱۔ L (فیصل آباد تا وزیر آباد) کا فیصل آباد سے چلنے کا وقت ۲۵-۱۵ رکھا ہے۔ حالانکہ شام کو موسم سرما میں سب کو ۰۰-۱۶ بجے رخصت ہوتی ہے، جو اس گاڑی کو نہیں پکڑ سکتے۔ اس سردی کے موسم میں روزمرہ آنے جانے والے مزدور اپنے اپنے گھروں کو نہیں پہنچ سکتے۔ ریلوے انتظامیہ وقت تبدیل کرتے وقت عوام کا بالکل خیال نہیں کرتی اور یوں لگتا ہے کہ بس مالکان سے مل کر ٹائم ٹیبل بنایا جاتا ہے۔ ہماری درخواست یہ ہے کہ ۴۲۴۔ L کا وقت فیصل آباد صبح ۳۰-۷ مقرر کیا جائے۔ ۲۴۱۔ L کا فیصل آباد سے چلنے کا شام ۳۰-۱۶ کیا جائے۔ رچنا ایکسپریس کا سٹاپ چک جھمرہ دیا جائے، تاکہ شام کے وقت اس گاڑی سے مسافروں کو فائدہ پہنچے۔ ہمارے علاوہ دوسرے علاقوں کا بھی یہی حال ہوگا۔

۲۴۱۔ L کے بعد چناب ایکسپریس چلتی ہے جو شاہوالوالا، دارالاحسان، گٹی، سلطان نگر، نشاط آباد نہیں ٹھہرتی۔ جس کی وجہ سے ان علاقے والوں کو بہت تکلیف کا سامنا درپیش ہے۔

(ڈاکٹر نفیس احمد قریشی، چک جھمرہ)

ڈاکٹر تعینات کیا جائے

علاقہ سلارزئی اور بونیر ضلع سوات جیسے بڑے علاقے کے لیے نہ تو لیڈی ڈاکٹر ہے اور نہ مرد ڈاکٹر کا کوئی انتظام ہے۔ اگر کوئی بیمار پڑ جائے تو یہاں سے ۴۱ میل دور ڈگر ہسپتال یا سیدو شریف ہسپتال، جو کہ تقریباً ۴۵ میل دور ہے، لے جانا پڑتا ہے۔ وفاقی وزیر صحت یہ مسئلہ حل کریں۔ مذکورہ مقامات پر ڈاکٹروں کا انتظام جلد از جلد ہونا چاہیے۔

(عزیز الرحمٰن۔ سوات)

یہ رکشہ والے

کافی عرصے سے رکشہ والوں نے کراچی میں لوٹ مچا رکھی ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ رکشہ والے ۹۰ پیسے فی میل کے حساب سے چلاتے ہیں اور بعض کا کرایہ تو ایک روپیہ فی میل ہوتا ہے، حالانکہ ان کو ۷۰ پیسے فی میل کرایہ وصول کرنا چاہیے۔ شہر میں شاید کوئی بھی رکشہ ایسا نہ ہو، جس کا میٹر صحیح ہو۔ میں متعلقہ حکام سے درخواست کروں گا کہ رکشہ والوں کو راہِ راست پر لائیں۔

(امیر شاہ۔ نرسری، کراچی)

پانی کی فراہمی

موسیٰ کالونی میں پانی کے نل نہیں ہیں، جس کی وجہ سے لوگوں کو پریشانی کا سامنا ہے اور پانی کے حصول کی کوشش میں اب تک کئی بچے ریلوے لائن عبور کرتے ہوئے کٹ کر ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس علاقے میں فوری طور پر پانی کی فراہمی کا بندوبست ہونا چاہیے تاکہ لوگ پریشانی سے نجات پاسکیں۔ (عبدالحیٰ، موسیٰ کالونی، کراچی)

نواب شاہ کی حالتِ زار

نواب شاہ شہر میں سیوریج سسٹم مکمل طور پر ناکارہ ہو چکا ہے جس کی وجہ سے شہر کے اکثر گلی کوچے نہروں اور تالابوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ خصوصاً موتی بازار کی حالت انتہائی خستہ اور خراب ہو چکی ہے۔ منو آباد میں مدینہ مسجد کے قریب اور عبدالقادر پارک کے سامنے والی گلیاں نہروں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ گٹروں اور نالیوں سے گندہ اور بدبودار پانی نکل کر بہہ رہا ہے۔ مقامی باشندوں کو سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ حکومتِ سندھ کو فوری طور پر یہ مسائل حل کرنے چاہئیں۔

(محمد علی۔ نواب شاہ)

جاوید اقبال کے منتخب کارٹونوں
کا تازہ مجموعہ
ففٹی ففٹی
نوائے وقت پبلیکیشنز ۴، شارع فاطمہ
جناح روڈ لاہور

جس نے سنا یہی کہا...

جینیکا

واقعی عظیم الشان ہے۔!

پاکستان کی سب سے بڑی رہائشی و تجارتی عمارت

جینیکا سینٹر بلاشبہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو معروف ترین
کاروباری مراکز سے قریب تر، وکٹوریہ روڈ،
ایم۔اے جناح روڈ کے عین سنگم پر بسایا جارہا ہے۔

جینیکا الیکٹرونک پلازہ

جینیکا سینٹر کا گراؤنڈ فلور جسے الیکٹرونک پلازہ
کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، الیکٹرونک اشیاء کے لئے پاکستان بھر میں
پہلا اور سب سے بڑا پلیٹ فارم مہیا کرے گا۔ گراؤنڈ اور میزانن فلور ایسکیلیٹر سے آراستہ۔

جینیکا شاپرز پیراڈائز

میزانن فلور کا ایک وسیع تر حصہ حسین اور پرتکلف شاپرز پیراڈائز کے لئے مخصوص کردیا گیا ہے
جہاں انواع واقسام کی بے شمار اشیاء ایک ہی جگہ خریدی جاسکیں گی۔
نیز، عمارت کے اس حصہ میں ایک خوبصورت کیفے ٹیریا بھی ہوگا جہاں ہیجان انگیز
شاپنگ کے بعد انتہائی پرسکون ماحول میں استراحت کے لمحے میسر آسکیں گے۔

جینیکا لگژری اپارٹمنٹس

جینیکا اپارٹمنٹس ۲ کیٹیگریز میں
۳۔بیڈ روم اور ۲ بیڈ روم پر مشتمل ہیں جن کے ساتھ ڈرائنگ،
ڈائننگ، ٹی وی لاؤنج اور دیگر ضروری آسائشیں شامل
ہوں گی۔ بحیثیت مجموعی فن تعمیر کا ایک حسین اور دلکش نمونہ۔

قرضے کی سہولت مہیا

جینیکا کی انفرادیت۔!

- کمیونٹی ہال
- چلڈرن مونٹیسوری
- سپر مارکیٹ
- بیوٹی پارلرز
- کیفے ٹیریا
- بیکری
- لانڈری
- ملٹی اسٹوری مسجد
- تیز رفتار پسنجر اور کارگو لفٹ

جینیکا سینٹر جو جی۔ایم۔جانو لمیٹڈ کا
ایک پروقار منصوبہ ہے، آپ کو یقیناً ایک خوش حال
بزنس مین اور ایک مطمئن و پرسکون مکین بنادے گا۔

تفصیلات کے لئے رجوع کیجئے:

جینیکا سینٹر

(سابق ٹرام ڈپو)
ایم۔اے۔جناح روڈ
کراچی

فون: ۲۲۹۶۵۲ — ۷۲۷۴۷

GIANT

غیر معمولی پلاننگ
شاندار طرز تعمیر
روشن ترین مستقبل
بے مثال محل وقوع
باصلاحیت انتظامیہ
غیر معمولی پلاننگ
شاندار طرز تعمیر
روشن ترین مستقبل
بے مثال محل وقوع
باصلاحیت انتظامیہ
غیر معمولی پلاننگ
شاندار طرز تعمیر
روشن ترین مستقبل
بے مثال محل وقوع
باصلاحیت انتظامیہ

پروموٹرز:
جی۔ایم۔جانو لمیٹڈ

آرکیٹیکٹس:
اے۔رزاق ایسوسی ایٹس

قیمت نہ بڑھنے کی ضمانت

JC/K-3/79

ORIENT

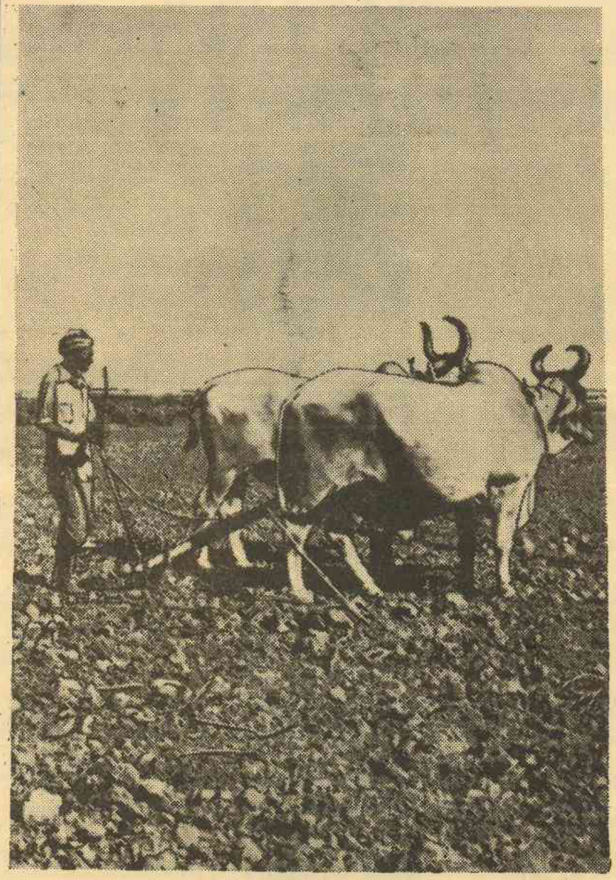

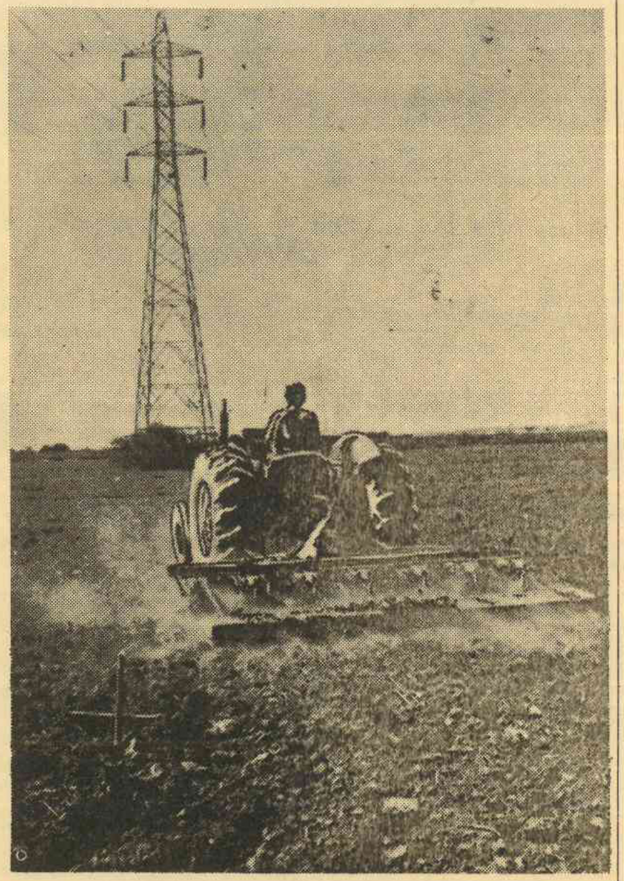

ٹیکنالوجی کے فروغ ہی میں خوشحال مستقبل کا راز مضمر ہے

یہ سائنس کا دور ہے۔ یہ ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے۔ صرف وہی قومیں زندہ رہیں گی اور ترقی کریں گی جو سائنس اور ٹیکنالوجی کی بنیاد پر اپنے ملک کی معیشت کو استوار کریں گی۔

یہ اصُول زراعت کے شعبے میں اور بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ پاکستان بنیادی طور پر زرعی ملک ہے اور عہدِ رفتہ کے آلات اور طور طریقے زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے میں بالکل ناکام رہے ہیں۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ وسیع پیمانے پر زرعی ٹیکنالوجی کو اپنایا جائے تاکہ ہم چند ہی سالوں میں خوراک میں خود کفیل ہو سکیں۔

زرعی ترقیاتی بینک ٹیکنالوجی کو پاکستان کے کسانوں کی دسترس میں لانے کے لئے ہمہ وقت کوشاں ہے۔

زرعی ترقیاتی بینک

زرعی ٹیکنالوجی اپنائیے

manhattan international

کالج اور سکول کا الگ الگ ڈائریکٹوریٹ قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے

اسکولوں میں گرتے ہوئے تعلیمی معیار پر قابو پایا جائے

ہیڈ ماسٹرز ایسوسی ایشن کے عہدیدار شیخ محمد اقبال کے قلم سے

اخبارات اور رسائل میں معیارِ تعلیم کے موضوع پر اکثر اظہارِ خیال ہوتا رہتا ہے اور والدین اساتذہ یا طلباء میں سے کسی نہ کسی کو معیارِ تعلیم کی پستی کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ حکومتِ پنجاب نے ستمبر ۱۹۷۸ء میں اس سلسلے میں ایک سیمینار منعقد کرایا تھا۔ اس سیمینار کی جو کارروائی اخبارات میں چھپی، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سکولوں کے نتائج پر محکمہ تعلیم کا انتظامی ڈھانچہ بھی اثرانداز ہوا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت سے سفارش کی گئی تھی کہ کالج اور سکول کے دو الگ الگ ڈائریکٹوریٹ قائم کر دیے جائیں۔ یہ بات لائقِ ستائش تھی کہ حکومتِ پنجاب کے اربابِ بست و کشاد کو بعد از خرابیٔ بسیار اس غلطی کا احساس ہو گیا ہے کہ سکول ایجوکیشن پر سے کالج ایجوکیشن کی بالادستی ختم کر دینی چاہیے، جبکہ صوبہ سندھ میں سکول اور کالج ایجوکیشن کے دو الگ الگ ڈائریکٹوریٹ پہلے ہی کام کر رہے ہیں۔ پانچ ماہ کا عرصہ گزرنے کو ہے، لیکن سیمینار کی سفارشات پر عملدرآمد ہوتا نظر نہیں آتا۔

سیمینار کے وقت جس گرمجوشی کا مظاہرہ ہوا، اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انتظامیہ اب یہ کام کر گزرے گی، لیکن ہنوز روزِ اول کا معاملہ ہے۔ عوام میں یہ تاثر گہرا ہوتا جا رہا ہے کہ ان کانفرنسوں اور سیمینار وغیرہ کا حاصل کچھ نہیں ہوتا اور یہ کانفرنسیں محض "نشستند و گفتند و برخاستند" کے مصداق بن کر رہ گئی ہیں۔

اگر اس ضمن میں عوامی مطالبہ زور پکڑ جائے، تو یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ محکمہ خزانہ نے اس کی منظوری نہیں دی۔ یہ عجب بات ہے کہ ایک چھوٹے صوبے میں سکول اور کالج ایجوکیشن کے دو الگ الگ ڈائریکٹوریٹ کام کر رہے ہیں، تو ایک بڑے صوبے میں اس سکیم کے لیے بجٹ ہی نہیں۔

نومبر ۱۹۷۳ء سے قبل محکمہ تعلیم پنجاب میں سکولوں کا انتظام ڈویژن کی سطح پر بالکل الگ تھلگ تھا۔ ہائی سکولوں کا انتظام انسپکٹر آف سکولز کے ذمے ہوتا تھا۔ مڈل اور پرائمری سکولز ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کی زیرِ نگرانی کام کرتے تھے۔ زنانہ مدارس کا انتظام خواتین افسران کے ذمے تھا۔ اس نظام میں تمام دفاتر اور سکول ہم آہنگی سے کام کر رہے تھے، لیکن نومبر ۱۹۷۳ء میں اس نظام کو درہم برہم کر دیا گیا۔ اس طرح ضلعی سطح پر مرد و خواتین اساتذہ اور طلبا و طالبات کے پرائمری، مڈل اور ہائی مدارس کے مسائل ایک ضلعی افسرِ تعلیم (ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر) کے سپرد کر دیے گئے۔ یعنی چار افسران کا کام ایک افسر کی سپردداری میں دے دیا گیا۔ نتیجتہً ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر صاحبان کے پاس کام کی اتنی بھرمار ہوتی ہے کہ وہ دفتری الجھنوں سے نجات نہ پا سکتے۔ اُن کے پاس نہ تو اتنا وقت ہے کہ سکولوں کے معائنہ جات نبھا سکیں اور نہ وہ دفتری نظام کو خاطر خواہ توجہ سے چلا سکتے ہیں۔

نوبت بایں جا رسید کہ اکثر و بیشتر ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر صاحبان مختلف غلطیوں کی پاداش میں انکوائریوں کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ اکیس ڈسٹرکٹ ایجوکیشن افسروں میں سے بیشتر کے خلاف کسی نہ کسی کوتاہی کے سلسلے میں انکوائری جاری ہے اور یہی مثالیں سکول کے کیڈر کے افسران کو بددیانت اور نااہل ثابت کرنے کے لیے پیش کی جاتی ہیں۔

نومبر ۱۹۷۳ء کے بعد رائج کیے گئے انتظامی ڈھانچے میں ڈویژنل سطح پر پروفیسر صاحبان کو زیادہ سے زیادہ انتظامی آسامیاں دے کر ڈائریکٹر مقرر کر دیا گیا۔ ان صاحبان کو سکولوں کے مسائل سے اتنی واقفیت نہ تھی جتنی کہ ایک سکول سائڈ کے افسر کو ہو سکتی تھی۔ سکولوں اور کالجوں کی ایڈمنسٹریشن ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ڈائریکٹر صاحبان کو اپنے ڈویژن میں واقع پرائمری، مڈل، ہائی سکولز اور کالجز کے مسائل حل کرنے کی ذمہ داری قبول کرنا ہوتی ہے۔ ایک ڈویژن میں کالجز کے مسائل ہی اتنے ہیں کہ ڈائریکٹر اگر ان سے بطریقِ احسن عہدہ برآ ہو جائے، تو بڑی بات ہے، چہ جائیکہ ڈویژن کے سکولوں کی طرف پوری توجہ دی جا سکے۔

سکولوں کی تعداد میں اضافہ اور ان پر انتظامیہ کی گرفت ڈھیل ہو جانے سے معیارِ تعلیم روبہ تنزل ہے۔ سکول اور کالجز نیشنلائز ہو جانے سے مسائل میں معتدبہ اضافہ ہوا ہے۔ آئے دن اخبارات میں کہیں تنخواہیں بروقت نہ ملنے کا شور ہے، کہیں سکول کی عمارت سے بے دخلی کا مسئلہ ہے۔ ایک طرف ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر غلط تقرریوں کے بھنور میں پھنسا ہوا ہے۔ دوسری طرف عدم پیروی مقدمہ کے جرم میں زیرِ عتاب ہے۔ کہیں وہ اپنی بریت کا جواز پیش کرتا ہے اور کہیں عملے کی کمی کا رونا روتا ہے۔ الغرض تعلیمی مسائل اس حد تک الجھ گئے ہیں کہ حکومت بھی ان مسائل کے حل میں بے بسی کا اظہار کرنے لگی ہے جس طرح ریشم کا کیڑا اپنے گرد لپٹے ہوئے ریشمی دھاگے میں بے بس ہو جاتا ہے۔

عوامی تعلیمی پالیسی نے پرائمری اور مڈل کی سطح پر امتحان کے تصور کو بالکل ختم کر دیا تھا۔ عوام میں یہ عام تاثر پھیل گیا تھا کہ پہلی سے نویں تک کوئی امتحان نہیں ہوگا، چنانچہ دور دراز کے علاقوں کے اساتذہ نے خود ہی امتحان لے کر طلبا کو پاس فیل کرنے کے زعم میں کام کی رفتار کم کر دی۔ دوسری طرف اساتذہ کے کام کی نگرانی کا عمل بھی ماند پڑ گیا۔ محکمہ تعلیم نے مڈل سٹینڈرڈ امتحان کو ترقی کے امتحان کے بجائے وظیفہ کا امتحان قرار دیدیا۔ اس طرح طلبا اور اساتذہ کے اذہان سے امتحان کا خوف اٹھ گیا۔ پرائمری درجہ میں خطِ نسخ سے بچوں کا ہینڈ رائٹنگ اس حد تک بھدا اور ناقابلِ فہم ہو گیا کہ ان کی تحریر پڑھی نہیں جا سکتی۔ اساتذہ نے املا لکھوانا چھوڑ دی اور طلبہ کو درسی کتب کو ہی نقل کرنے کی تلقین پر اکتفا کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ طلبہ بہترین خوشخطی کی خوبیوں سے عاری ہو گئے نصابی کتب کی ہر درجہ پر اتنی بھرمار ہو گئی کہ استاد طلبہ میں قابلیت پیدا کرنے کے بجائے کورس ختم کروانے کے چکروں میں پڑ گیا۔ تعلیمی پالیسی کے خدوخال نے معاشرے میں سہل پسندی کے ایسے اثرات چھوڑے جن کا خمیازہ ہم سکولوں اور کالجوں کے ناقص نتائج کی صورت میں بھگت رہے ہیں۔

سکولوں کی بھرمار

حکومت کی طرف سے ہر سال پندرہ، بیس ہزار پرائمری، مڈل سکول کھولنے کا اعلان ہوتا رہتا ہے اور کروڑوں روپے کا بجٹ اس کام کے لئے مختص کر دیا جاتا ہے۔ حکومت کا تعلیم عام کرنے کا مدعا تو اپنی جگہ قابلِ قدر ہے، لیکن اس کے مثبت نتائج نکلنے کے بجائے منفی اثرات مُرتب ہو رہے ہیں۔ سکول ایسی ایسی جگہوں پر کھول دیے گئے ہیں، جہاں ایک حویلی میں تین یا چار گھر واقع ہیں اور طلبا کی تعداد دس سے زیادہ نہیں۔ بعض مقامات پر دو سکولوں کا فاصلہ چند فرلانگ سے زیادہ نہیں ایسی صورت میں طلبا کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض سکول کاغذات میں موجود ہیں، لیکن عملی طور پر اُن کا کوئی وجود نہیں یا بند پڑے ہیں۔ جب ضلع یا تحصیل میں

مقررہ تعداد کے مطابق سکول کھولنے کے لئے تجاویز طلب کی جاتی ہیں، تو افسر حضرات خانہ پُری کے لئے نام بھیج دیتے ہیں اور جب سکول کھولنے کا وقت آتا ہے، تو پھر متعدد مسائل از قسم عمارت فرنیچر اور حصولِ زمین سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور بعض لوگ تو جگہ کے بار بار تقاضے سے تنگ آ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں سکول کی ضرورت نہیں۔ پہلے سے موجود سکولوں کے احسن طریق سے انتظامات نہ کر سکنے میں ناکامی اور ہر سال دھڑا دھڑ سکول کھولتے جانا ہماری کوتاہ بینی اور ناعاقبت اندیشی کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔

گرلز سکولوں کے مسائل

گرلز پرائمری سکولوں کے مسائل اور بھی سنگین نوعیت کے ہیں. خواتین اساتذہ عدم تحفظ کے خدشہ کے باعث دور دراز علاقوں میں جانے سے گریز کرتی ہیں۔ رہائش کی نایابی اور اہل دیہہ کا عدم تعاون مزید مشکلات پیدا کرتا ہے، اگر گرلز سکول ایسے مقامات پر کھولے جائیں جہاں کے لوگ سکول کی عمارت کے علاوہ خواتین اساتذہ کی رہائش کا الگ بندوبست کرنے پر رضامند ہوں۔ گرلز سکولوں میں چوکیدار اور "بلاوی" کی تعیناتی لازمی قرار دی جائے۔

غلطی در غلطی کا سلسلہ

یہ سبھی کچھ تعلیم عام کرنے کے شوق میں ظہور پذیر ہوا۔ ایک غلطی نے دوسری غلطی کو جنم دیا۔ ایک مسئلہ سے دوسرے مسائل پیدا ہو گئے۔ حکومت کی منشاء ملک سے ناخواندگی دور کرنا تحسن اور تعلیم عام کرنا ضروری ہے، لیکن اس کا منشا نااہل کم علم اور رلال جھگڑے پیدا کرنا نہیں ہے۔

پاکستانی معاشرہ کو باعزت مہذب اور باشعور شہریوں کی ضرورت ہے۔ نت نئے تجربات کرنا۔ قوم کی قسمت سے کھیلنا ہمارے سیاستدانوں اور ماہرین تعلیم کا مشغلہ بن چکا ہے۔ ہمارے ماہرین تعلیم جو امریکہ اور برطانیہ سے واپس آتے ہیں، تو اُن ترقی یافتہ ممالک کی پالیسیوں کو اس غریب اور ترقی پذیر ملک میں تجربتہً رائج کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، وہ سکیم تیار کرتے وقت یہاں کے ماحول اور محدود وسائل کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔

تعلیمی پالیسیاں کیوں ناکام ہوتی ہیں

وہ افراد جنہوں نے فیلڈ میں عملاً کام کرنا ہے، جو فیلڈ کی مشکلات سے واقف ہیں، ماہرین تعلیم اُن سے مشورہ لینا کسرِ شان تصوّر کرتے ہیں۔ ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر پالیسیاں بنانے والے ماہرین، فیلڈ میں کام کرنے والے اساتذہ کی مشکلات سے واقف نہیں ہوتے اور نہ اُن کو اعتماد میں لینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پالیسیاں بنتی ہیں، بگڑتی ہیں اور ناکام ہوتی ہیں۔ یہی پالیسی ساز ماہرین تعلیم چونکہ اربابِ بست و کشاد میں سے ہوتے ہیں۔ اپنی پالیسی کی ناکامی کو چھپانے کے لئے وہ پراپیگنڈہ مہم تیز کر دیتے ہیں کہ اساتذہ کام نہیں کراتے کام سے جی چراتے ہیں اور بالآخر نتائج کی ذمہ داری اساتذہ پر ڈال دی جاتی ہے، چونکہ پالیسی ساز افراد کا حکومت سے کسی نہ کسی صُورت میں واسطہ رہتا ہے۔ اس لئے انتظامیہ کے افسران بھی اُن کے زہریلے پراپیگنڈہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

درسی کتب اور نصابِ تعلیم میں آئے دن تبدیلی بھی ہماری مشکلات میں اضافہ کا باعث بنی ہے۔ انگریزوں کے دور میں ایک ہی کتاب یا نصاب پوتے اور پڑپوتے نے پڑھا۔ یہاں اب یہ حال ہے کہ اگر ایک بھائی نے کتاب پڑھی ہے، تو دوسرے سال ردّوبدل ہو جانے کی وجہ سے دوسرے بھائی کے لیے بیکار ہو جاتی ہے۔ آجکل ایک غریب عیالدار شخص اپنے بچّوں کے لیے درسی کتب کی خریداری کے بوجھ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ تعلیم عام ہے۔ فیس معاف ہے، لیکن اس کے لوازمات کئی گنا ناقابلِ برداشت حد تک مہنگے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص بلّی اور اونٹ اکٹھے بیچنا چاہتا ہے، اس کی شرائط کے مطابق اس خریدار کو اونٹ مفت دیا جائے گا اور وہ بلّی چار ہزار روپے میں خریدے گا۔ تعلیم عام کرنے کے نعرے میں کچھ ایسی مشکلات مضمر ہیں جن کا عوام کو عملی تجربہ ہو رہا ہے۔ عوام یہ سوچتے ہیں کہ سعیِ خطا ( ) پر کب تک یوں ہی عمل ہوتا رہے گا۔ اگر ہم ایسی ہی غلطیاں دہراتے رہے، تو معیارِ تعلیم کے بہتر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

تجاویز:

معیارِ تعلیم بہتر بنانے کے لیے فوری طور پر ضروری ہے کہ:

ا۔ سکول کیڈر کو کالج کیڈر سے الگ کر دیا جائے۔ پنجاب کے پانچ ڈویژن میں سکول ڈائریکٹوریٹ قائم کر دیے جائیں یا سکول سائیڈ کے ڈائریکٹر مقرر کیے جائیں۔ کالجز کے لیے ڈی۔ پی۔ آئی کے دفتر کو کالج ڈائریکٹوریٹ پنجاب میں تبدیل کر دیا جائے۔

ہر قسم کے

بیمہ

کے لئے

پریمیئر انشورنس کمپنی آف پاکستان لمیٹڈ کراچی

۲- زنانہ مدارس کے انتظام کے لیے ضلعی سطح پر خواتین ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر مقرر کی جائیں۔ زنانہ سکولوں کا انتظام ضلعی سطح پر الگ کر دیا جائے۔

۳- تحصیل کی سطح پر ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر کی آسامی منظور کی جائے جو تحصیل میں واقع پرائمری اور مڈل مدارس کے انتظام اور مدرسین کی تنخواہیں برآمد کروانے کا ذمہ دار ہو۔ ایلی منٹری کالجوں اور جامع سکولوں میں سکیل نمبر ۱۷ کے سبجیکٹ سپیشلسٹ صاحبان کی آسامیاں ختم کر کے ڈپٹی ایجوکیشن کی آسامیاں پیدا کی جا سکتی ہیں۔

۴- ذرائع آمدورفت کی سہولت کے لیے ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر صاحبان کو جیپ گاڑیاں مہیا کی گئی ہیں۔ اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر صاحبان کو آسان قسطوں پر موٹر سائیکل مہیا کیے جائیں تاکہ وہ جس وقت اور جس سکول کا چاہیں معائنہ کر سکیں اور اساتذہ کی حاضری چیک کر سکیں۔

۵- پرائمری اور مڈل مدارس کی نگرانی اور بہتر معائنہ کے لیے ہر اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر کے پاس منجملہ ۵۰ سے زائد پرائمری سکول نہ ہوں۔

۶- ہائی سکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان کو بھی یہ اختیار دیا جائے کہ وہ قریبی مڈل اور پرائمری مدارس کے اساتذہ کی حاضری اور کام چیک کر سکیں۔

۷- پرائمری درجہ تک تمام مضامین کی کتابیں خط نستعلیق میں شائع کی جائیں۔

۸- پرائمری درجہ میں نصابی کتب کی بھرمار کم کی جائے اُردو اور حساب کی صرف دو کتب ہونی چاہئیں۔ اُردو کی کتاب میں دینیات، واقفیتِ عامہ اور روزمرہ سائنس کے مضامین کو سمویا جا سکتا ہے۔

۹- طلباء کا ہینڈ رائٹنگ درست کرنے کے لیے سرکنڈے کا قلم، دوات، تختی اور سلیٹ، پنسل کے استعمال پر زور دیا جائے۔ سکول میں استاد کم از کم دو مرتبہ تختی ضرور لکھوائیں۔ پرائمری کی سطح پر ہی خط میں پختگی ممکن ہے۔

۱۰- جس طرح مڈل سٹینڈرڈ کا امتحان مڈل سکولوں کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے، اسی طرح دو سال کے لیے ہائی سکولوں کی آٹھویں کلاس کے لیے بھی ضروری قرار دیا جائے۔

۱۱- مڈل سٹینڈرڈ کے امتحان میں ایمان دار اور محنتی عملہ تعینات کیا جائے جو نگرانی صحیح طریقے سے کریں۔ علاوہ ازیں پرچہ جات کی ترسیل کو اس طرح صیغۂ راز میں رکھا جائے کہ امیدواران کی ممتحن صاحبان تک رسائی نہ ہو سکے۔

۱۲- مڈل کلاسوں میں زراعت کے لیے ہفتے میں نو کے بجائے ۵ پیریڈ الاٹ کیے جائیں اور بقایا چار پیریڈ ریاضی کے لیے الاٹ کیے جائیں۔ علاوہ ازیں زراعت کی ورک بُک طلبہ کو معلومات بہم پہنچانے کے لیے ناکافی ہے۔ زراعت کی حسب سابق درسی کتاب رائج کی جائے۔

۱۳- ہائی سکولوں میں سائنس کے مضامین پڑھانے کے لیے بی ایس سی، بی ایڈ اساتذہ کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ اگر محکمہ کے پاس تربیت یافتہ بی ایس سی اساتذہ نہ ہوں، تو ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر کو یہ اختیارات دیے جائیں کہ وہ عارضی طور پر چھ ماہ کے لیے غیر تربیت یافتہ بی ایس سی تعینات کر سکیں۔

۱۴- جن ہائی سکولوں کی عمارات میں کالج اور سکول اکٹھے کام کر رہے ہیں، وہاں سے کالج کا فوراً انخلا کیا جائے۔ اس طرح سے دونوں اداروں کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔

۱۵- عرصہ پانچ سال کے لیے مزید پرائمری اور مڈل سکول کھولنے سے احتراز کیا جائے۔ موجودہ سکولوں کی حالت بہتر بنائی جائے، جن پرائمری مدارس کی عمارات نہیں، ان سکولوں کو اہلِ دیہہ کے تعاون سے نزدیکی گاؤں کی مسجد میں منتقل کر دیا جائے۔

۱۶- جہاں گرلز پرائمری یا مڈل سکول سٹاف کی کمی کی وجہ سے بند ہیں، وہاں ٹرینڈ خواتین اساتذہ کی نایابی کی صورت میں اسی گاؤں کی میٹرک پاس لڑکی متعین کی جائے تاکہ تعلیم کا سلسلہ جاری ہو سکے۔

۱۷- ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر صاحبان اور مجاز افسران کو ہدایت کی جائے کہ وہ مہینہ میں بیس دن سکولوں کے معائنہ جات کریں اور باقی دس گیارہ دن دفتری کام سرانجام دیں۔

۱۸- سکولوں میں طلبا کے والدین اور اساتذہ پر مشتمل مشاورتی کونسلیں بنائی جائیں جو طلبا اور اساتذہ کی کارکردگی میں ہم آہنگی پیدا کریں اور سکول کو اچھے طریقے سے چلانے میں اساتذہ کے ساتھ تعاون کریں۔

EAST INTERNATIONAL

An English Weekly

With a

difference

Coming out Soon

فلمی دنیا کے اندھیرے اُجالے

گذشتہ دنوں صدر جنرل ضیاء الحق اور فلمی وفد کی ملاقات میں کون سے مسائل زیرِ بحث آئے؟ کیا طے ہوا؟ کیا کرنا باقی ہے۔ یہ رُوداد فدا احمد کاردار نے نسیم الثقلین کے حوالے سے قلم بند کی ہے۔

دو سال پہلے ۱۹۷۷ء کے ابتدائی دنوں میں جب سابق وزیرِ اعظم بھٹو صاحب نے ملک میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کیا، تو سب سے پہلے اُن کی حمایت میں جو آواز بلند ہوئی، وہ فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کی تھی۔ انتخابات سے پہلے قوم بھٹو صاحب کی آمریت کے خلاف سراپا احتجاج بن کر اپوزیشن کے جلسوں کی رونق میں اضافہ کر رہی تھی اور بھٹو صاحب کے حمایتی فلمی دنیا کے لوگ گاؤں گاؤں، قصبے قصبے اور شہر شہر میں موسیقی کی محفلیں سجا کر

بھٹو ـــــ جئے ہزاروں سال

کے گیت گا رہے تھے۔

یہ وہی بھٹو صاحب تھے جنہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں پاکستان کی فلمی صنعت کو نیف ڈیک اور فلم سٹیٹ اتھارٹی کا تمغہ دیا تھا۔ اِس نیف ڈیک نے ملک میں انگریزی فلموں کی درآمد کی اجارہ داری حاصل کر کے اس اسلامی ملک کے عوام کے سامنے ٹوٹوں کی نمائش کرنے کا اہتمام کیا۔ انہی ٹوٹوں کو دیکھ کر قوم کے نوجوان جنسی بخار میں مبتلا ہوئے۔ اسی نیف ڈیک نے پاکستانی فلمسازوں کے لئے ایسے حالات پیدا کئے کہ خام فلم کا بھاؤ چار گنا بڑھ گیا۔ پیپلز پارٹی کی غلط منصوبہ بندی کا اثر تھا کہ ایک طرف تو بلیو پرنٹوں پر مبنی اور جوڈو کراٹے ٹائپ فلموں کی سرپرستی میں دلچسپی لینے لگے۔ دوسری طرف مہنگے فلمی مٹیریل نے فلمسازوں کے لئے اس محاورے کی مثال پیدا کر دی۔

"مرے کو مارے شاہ مدار"

مجھے وہ وقت یاد ہے، جب شاہ نور سٹوڈیو کے مالک شوکت حسین رضوی نے پیپلز پارٹی کی حکومت کے ایک صوبائی وزیر شوکت محمود صاحب کو اپنے سٹوڈیو میں بلا کر ان کی موجودگی میں بڑے فخر سے یہ اعلان کیا تھا۔

"آج تک صرف زبانی اور اخباری اعلانات کے ذریعے پیپلز پارٹی میں شمولیت کا اعلان کر رہے ہیں، لیکن میں فلمی صنعت کی طرف سے وزیر صاحب کی خدمت میں ڈھائی سو کی تعداد میں وہ فارم پیش کر رہا ہوں جن فارموں میں فلمی دنیا کے کارکنوں نے اپنے دستخط ثبت کر کے پیپلز پارٹی میں اپنی شمولیت کا باقاعدہ اعلان کیا ہے۔"

فلمی دنیا کے اداکاروں اور کارکنوں کو سیاست کی بساط پر مہرے کے طور پر استعمال کرنے والے بھٹو صاحب فلم انڈسٹری کے اتنے ہمدرد تھے کہ انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں فلمی صنعت کی ایک نمائندہ ایسوسی ایشن یعنی پروڈیوسرز ایسوسی ایشن کی متعدد یاد دہانیوں کے باوجود ملک کی اس اہم صنعت کے نمائندوں کو شرفِ باریابی نہ بخشا، کیونکہ یہ ایسوسی ایشن اپنے ملک کے وزیرِ اعظم کو فلمی صنعت کے مسائل سنانا چاہتی تھی۔ اسی سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بھٹو صاحب کے علاوہ بھی لیاقت علی مرحوم، خواجہ ناظم الدین مرحوم اور محمد علی بوگرا نے ملک کی اس صنعت کو کبھی اتنی اہمیت نہ دی کہ اس صنعت کے نمائندے ان کے حضور حاضر ہو کر اپنی داد فریاد سنا سکیں، حالانکہ فلمی صنعت کی وجہ سے ہر سال ملک کے خزانے میں کروڑوں روپیہ جمع ہوتا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، صدر ایوب خاں کے دورِ حکومت میں صرف اتنا ہوا تھا کہ پاکستان کی فلمی صنعت کے کارکنوں، ہدایتکاروں، فلمسازوں اور اداکاروں نے لانگ مارچ کیا تھا تاکہ پاکستان میں بھارتی فلموں کی درآمد پر پابندی لگوائی جائے۔ فلمی صنعت کے لوگ ایوب خاں صاحب سے انٹرویو کے لئے وقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے، مگر حکومت کے افسروں نے انہیں اس قابل نہ سمجھا کہ ان کے آگے گھاس ڈالی جائے۔ صرف اتنا ہوا تھا کہ جب لاہور سے راولپنڈی جانے والے فلمی دنیا کے لوگ چاروں طرف سے مایوس ہو گئے، تو صدر ایوب خاں نے ان کے آنسو خشک کرنے کے لئے چند منٹوں کی ملاقات کا موقع دیا۔ اور اس ملاقات میں فلمی دنیا کے لوگوں کو یہ مژدہ سنایا۔

"آپ لوگ لاہور چلے جائیں، ہم آپ کے مطالبات پر سوچ بچار کریں گے"۔

اور شاید بھٹو صاحب کی حمایت کرنے والے فلمی دنیا کے لوگ یحییٰ خاں کے دور کے وزیر شیر علی صاحب کے اس سلوک کو بھی نہ بھولے ہوں، جنہوں نے ملاقات کے لئے آنے والے فلمی وفد کو ذلیل کر کے اپنے دفتر سے نکلوا دیا تھا۔

جب مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں دھاندلیوں کے خلاف احتجاج اور نظامِ مصطفےٰ کی حمایت کیلئے قوم سڑکوں پر نکل آئی اور عوام کی احتجاجی تحریک کے زیرِ اثر فوج نے ملک کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے بھٹو صاحب کو وزارتِ عظمیٰ کی مضبوط کرسی سے اُتارا، تو فلمی دنیا کے لوگ ہی تھے جنہوں نے اپنے اس نادان دوست کی برطرفی پر شور مچایا تھا اور عوام کو یہ تاثر دینا شروع کیا تھا کہ ملک میں نظامِ مصطفےٰ کی آمد آمد ہے۔ جب ملک میں نظامِ مصطفےٰ کا نفاذ ہو جائے گا، تو ملک میں فلموں کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ عبوری حکومت نے کسی بھی وقت اور کسی بھی مرحلے پر عوام اور اس صنعت سے وابستہ لوگوں کو یہ تاثر نہیں دیا تھا کہ نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے بعد پاکستان میں سٹوڈیوز پر تالے پڑ جائیں گے، بلکہ اُلٹا فلمی دنیا کے لوگوں نے اس صنعت کے موجودہ بحران کی ذمہ داری نظامِ مصطفےٰ پر ڈالنے کی کوشش کی اور انہوں نے بھٹو صاحب کے اس سلوک اور رویّے کے بارے میں ایک لمحے کے لئے بھی نہ سوچا کہ انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں فلم سازوں کو من مانی کرنے کی کتنی آزادی دی۔ جس کی وجہ سے قوم کا اخلاق و کردار تباہ ہوا۔ اُنہی کے زمانۂ اقتدار میں فلم سازوں نے عریانی اور فحاشی کی تبلیغ کے لئے عجیب و غریب طریقے اختیار کئے۔

سوال یہ ہے کہ کیا فلمی دنیا کے لوگ اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں کہ پاکستان میں ٹوٹے دکھانے کا رواج بھٹو صاحب کے زمانۂ اقتدار میں شروع نہیں ہوا۔ کیا بھٹو صاحب کے وزیروں، قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں نے فحش فلموں کو سنسر سرٹیفکیٹ دلانے میں سرگرمی نہیں دکھائی تھی۔ قوم کو ٹوٹوں کا جو نشہ پیپلز پارٹی کی حکومت کی طرف سے تحفے میں ملا تھا اور آج مارشل لا حکومت بھی ان ٹوٹوں کی نمائش نہیں رکوا سکی۔ کیا فحاشی کی اس بدبو کو پھیلانے میں بھٹو صاحب بے قصور ہیں۔

اگر آج ہمارے ملک کی فلمی صنعت کسی بحران کی زد میں آئی ہے، تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عوام کا ذوقِ تفریح بدل گیا ہے، وہ اصلاحی فلمیں کم دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں انہیں لطف صرف فحش فلموں سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ تصویر کا ایک رُخ تھا۔ دوسرے رُخ کی چند جھلکیاں اس ملاقات کی صورت میں اخبارات کے کالموں کی زینت بن چکی ہیں جو ملاقات میں وفد اور صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے درمیان راولپنڈی میں ہوئی۔ اس لئے یہاں ان باتوں کو دہرانا بے مقصد ہے، البتہ میں زندگی

کے قارئین کو وہ باتیں بتانا چاہتا ہوں جو منظرِ عام پر نہیں آئیں اور ان باتوں کے ذریعے قارئین زندگی کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہے گا کہ بھٹو صاحب جنہوں نے اپنے زمانۂ اقتدار میں کسی بھی فلمی وفد کو ملاقات کا موقع نہ دیا، وہ اپنے ملک کی فلمی صنعت کے کتنے ہمدرد تھے اور جنرل صاحب جن کے بارے میں فلمی دنیا کے لوگ کہتے رہتے ہیں کہ وہ نظامِ مصطفٰے کے نفاذ کی آڑ میں فلموں کے کاروبار کو ٹھپ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان باتوں کے راوی نسیم الثقلین صاحب ہیں۔ جو اس وفد میں شامل تھے جس وفد نے پچھلے دنوں راولپنڈی میں صدرِ مملکت جنرل ضیاء الحق صاحب سے ملاقات کی تھی۔

قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک نسیم الثقلین صاحب نے پاکستان میں فلموں کے کاروبار میں بڑی متحرک شخصیت کی حیثیت سے کام کیا ہے، اور شاید فلمی صنعت میں وہ فردِ واحد ہیں جو اس صنعت کے سمندر میں اٹھنے والے جوار بھاٹا کی ہر لہر سے واقف ہیں۔ اگر ان کے بارے میں یہ کہا جائے، تو انہوں نے نہ صرف اس ملک میں فلم سازی کی تاریخ بنتے دیکھی ہے، بلکہ خود فلمسازی کی تاریخ بناتے ہیں، سب سے اہم کردار ادا کیا ہے، تو اس سلسلے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ ہر اس وفد میں شریک ہوتے ہیں جو وفد حکومت کے نمائندوں سے فلمی صنعت کے مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے مرتب ہوتا ہے۔ نسیم صاحب کہتے ہیں:

راولپنڈی میں موسم خاصا سرد تھا، مگر جنرل صاحب سے ڈھائی گھنٹے کی ملاقات نے فلمی صنعت کے مسائل پر بحث کے ماحول کو کافی گرم رکھا، ۷ بجے میٹنگ شروع ہوئی اور نو بجے تک بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔

اسی دوران میں جس بات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ہمارے ساتھ جنرل صاحب کا رویہ تھا۔ انہوں نے اس میں ایک لمحے کیلئے بھی یہ تاثر دینے کی کوشش نہ کی کہ وہ ہیڈ آف دی سٹیٹ ہیں اور ہم ایک وفد کی صورت میں انہیں ملنے آئے ہیں حکومت کے نمائندوں یعنی سیکرٹریوں کے لیول تک کے افسروں سے ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔ مگر ان ملاقاتوں کے علاوہ ان میں ہمارے اور افسروں کے درمیان ایک فاصلہ رہتا تھا، لیکن جنرل صاحب نے یہ فاصلے مٹا دیئے۔ اڑھائی گھنٹوں کی ملاقات کے دوران میں ان کے ہونٹوں پر ایک پرخلوص مسکراہٹ کھیلتی رہی جس سے ہمیں تاثر ملتا رہا کہ وہ صدرِ مملکت نہیں اور ہم فلمی وفد کے ممبر نہیں، بلکہ دوستانہ ماحول میں چند دوست بیٹھے خوشگوار اور کچھ ناخوشگوار مسائل پر بات چیت کر رہے ہوں۔

جب نیف ڈیک کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی، تو ہمارے چند ساتھی جذباتی ہو گئے۔ ان کے جذبات کا تند و تیز دھارا ماحول میں بوجھل سا محسوس ہونے لگا، تو جنرل صاحب نے مسکرا کر کہا،

جنٹلمین! مجھے آپ کے جذبات کا احساس ہے، میں آپ کی تکلیفوں سے واقف ہوں، ذرا نرم لہجے میں بات کریں، میں نہیں چاہتا کہ آپ کے مسائل میں اضافہ ہو۔ میں ان مسائل میں کمی کا خواہشمند ہوں، آپ مجھے ہمدرد پائیں گے۔

میرا ذاتی خیال ہے، پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ایک ہیڈ آف سٹیٹ نے فلم کے ٹریڈ کو اتنی اہمیت دی کہ اس صنعت کے نمائندوں کو اپنے گھر بلا کر ٹھنڈے دل اور تعمیری جذبے سے نمائندوں کی زبان سے اُن کے مسائل سُنے۔ میٹنگ میں موجود سیکرٹری کلچر کو ہدایت کی کہ وہ فلمی وفد کے نمائندوں کی ہر تجویز اور شکایت کو نوٹ کرے۔ موقع پر ہی ان تجاویز پر غور کیا اور عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنا حکم صادر کیا۔

ہمارے وفد میں نمائش کاروں کے نمائندے کاظمی صاحب بھی شامل تھے۔ جب سے وہ نمائش کاروں کی ایسوسی ایشن کے چیئرمین بنے ہیں، اسی دن سے کاظمی صاحب حکومت سے مسلسل یہی مطالبہ کر رہے ہیں کہ:

"پاکستان میں بھارتی فلموں کی درآمد پہ سے پابندی ہٹا دی جائے۔"

اس سلسلے میں اُن کا مؤقف یہ ہے کہ پاکستان میں فلمیں کم بنتی ہیں اور سینما ہال زیادہ ہیں۔

جنرل صاحب نے کہا، پاکستان میں بھارتی فلموں کی کوئی گنجائش نہیں، اگر کوئی مجھے یہ یقین دلا دے کہ اگر ہم ایک کروڑ روپے کی بھارتی فلمیں پاکستان میں درآمد کریں، تو بھارت بھی اس کے عوض ہماری ۹۰ لاکھ کی پاکستانی فلمیں اپنے ملک میں درآمد کرے گا تو اس میں کسی کو بھی اعتراض نہ ہو گا۔

جنرل صاحب اتنے باخبر ہیڈ آف سٹیٹ ہیں کہ جب کاظمی صاحب کا اُن سے تعارف ہوا، تو جنرل صاحب نے کہا:

"اچھا آپ کا تعلق اس گروپ سے ہے، جو سب سے زیادہ ٹیکس چوری کرتا ہے۔"

وی سی آر پر دکھائی جانے والی فلموں کے بارے میں بات ہوئی، تو ہمارے ایک ساتھی نے کہا:

"پاکستان میں بیرونی ممالک سے جو کیسٹ درآمد ہوتے ہیں، ۹۰ فیصدی کیسٹوں پر بھارتی فلمیں پرنٹ ہوتی ہیں۔ ہمارے لیے اس کاروبار کا تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ ان کیسٹوں کی درآمد پر ملک کا قیمتی زرِ مبادلہ خرچ ہوتا ہے، مگر ان پر وہ ایک ہزار کے قریب بھارتی فلمیں پرنٹ ہوتی ہیں، جو اسمگل کر کے پاکستان لائی جاتی ہیں۔

پاکستان ریلویز — ٹنڈر نوٹس

پروجیکٹ ڈائریکٹر/ ری کنسٹرکشن پاکستان ریلویز لاہور کو وڈن سلیپرز اور ٹمبرز (دیودار، کیل اور چیل) کی ٹنڈر دستاویزات میں درج مجوزہ تصریحات کے مطابق فراہمی کے لئے منظور شدہ ٹھیکیداران/ سپلائرز ریلوے یا دوسرے سرکاری اداروں، خود مختار باڈیز وغیرہ سے سربمہر ٹنڈر مطلوب ہیں۔ غیر منظور شدہ ٹھیکیداران/ سپلائرز بھی ٹنڈر دے سکتے ہیں۔ اگر وہ ٹنڈر دستاویزات میں دی گئی شرائط کو پورا کریں گے۔ ٹھیکیداران/ سپلائرز کو پاکستان ریلویز کے کسی ریلوے سٹیشن پر ریلوے ویگنوں میں لوڈنگ کو شامل کر کے اپنے سپلائی کے ریٹس فراہم کریں گے۔

نمبر شمار	نام کام	اندازاً مقدار	اندازاً لاگت	زرِ ضمانت	مدت تکمیل
۱	فراہمی وڈن سلیپرز (دیودار، کیل اور چیل) ۹'×۱۰"×۵" سائز بمطابق ریلوے تصریحات باقاعدہ ریلوے ویگنوں میں لوڈ شدہ بشمول لیڈ اینڈ لفٹ۔ رائلٹی ٹیکسوں اور تمام دوسرے حادثاتی چارجز۔	۴۰۰۰	۱۰,۰۰,۰۰۰/- روپے	۲۰,۰۰۰/- روپے	۳ ماہ
۲	فراہمی وڈن ٹمبرز پرج (دیودار کیل اور چیل) ۱۰'×۱۰"×۹" بمطابق ریلوے تصریحات باقاعدہ ریلوے ویگنوں میں لوڈ شدہ مع تمام لیڈ، لفٹ رائلٹی ٹیکسوں اور تمام دوسرے حادثاتی اخراجات	۲۰۰۰	۱۰,۰۰,۰۰۰/- روپے	۲۰,۰۰۰/- روپے	۳ ماہ

ٹنڈر دستاویزات دفتر پروجیکٹ ڈائریکٹر/ ری کنسٹرکشن۔ پاکستان ریلویز لاہور اور ایگزیکٹو انجینئر/ کنورشن پاکستان ریلویز، کالاباغ سے کسی کاروباری دن کو ۴۰/- روپے فی سیٹ کی نقد ادائیگی پر حاصل کر سکتے ہیں۔ ٹنڈر ۷۹-۲-۱ سے ۷۹-۲-۲۷ تک فروخت کئے جائیں گے اور ۷۹-۲-۲۸ کو ۱۱-۳۰ بجے قبل دوپہر فنانس اینڈ اکاؤنٹس آفیسر ایس اینڈ سی۔ پاکستان ریلویز لاہور میں وصول کئے جائیں گے اور اسی وقت ایسے ٹنڈر دہندگان یا ان کے نمائندگان جو ٹنڈر کھولنے کے وقت موجود ہوں گے کے سامنے کھولے جائیں گے۔

RIO(L)2703

ذرا اندازہ کیجئے! پاکستان میں ان آمگل ہونے والی ایک ہزار فلموں پر کتنا زرِمبادلہ برباد ہوا ہوگا؟ یہ سچ ہے کہ امرتسر ٹیلی ویژن پر دکھائی جانے والی بھارتی فلموں کی نمائش کو تو نہیں روکا جا سکتا، لیکن وی سی آر کی صورت میں جو بھارتی ذہن ہمارے ڈرائینگ روموں میں گھس آیا ہے، حکومت اس کو تو روک سکتی ہے۔ کیونکہ اس ملک میں کافی لوگ وی سی آر سسٹم پر بھارتی فلموں کی نمائش کرتے ہیں اور ایسا کاروبار کرنے والے لوگ ڈیڑھ سو روپیہ فی شفٹ پر وی سی آر اور بھارتی فلم مہیا کرتے ہیں۔ یہ کاروبار صرف لاہور اور کراچی میں ہی نہیں ہو رہا، بلکہ قصبے بھی اس کاروبار کی زد میں آگئے ہیں۔

ملک میں سائیکلوں کی صنعت موجود ہے، اس کے باوجود اگر حکومت دوسرے ممالک سے بھی سائیکلیں درآمد کرنے کی اجازت دیدے، تو ظاہر ہے اپنے ملک کی سائیکل کون خریدے گا؟ کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ ہمارے فلمساز خواہ کتنی محنت کریں، مگر ہماری دس لاکھ روپے میں بنی ہوئی ایک کروڑ کی بھارتی فلم کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آج کل وی سی آر سسٹم پر وہی بھارتی فلمیں دکھائی جا رہی ہیں، جن پر ایک کروڑ روپیہ لاگت آتی ہے۔

پہلے ایک زمانہ تھا جب افسر کو خوش کرنے کے لیے چار آدمی کے "پاس" کو بڑی اہمیت حاصل تھی، لیکن آج کسی افسر کو خوش کرنا ہو، تو اسے وی سی آر پر فلم دیکھنے کی دعوت ملتی ہے۔

فلمی صنعت میں شُترِ بے مہار کی طرح ایسے غیر ذمے دار لوگ بھی آئے، جنہوں نے "خطرناک"۔ "نواب زادہ" اور "خوفناک" جیسی فلمیں بنائیں۔ ایسے لوگوں کو اس روش سے روکنے کے لیے کوئی قانونی ضابطہ نہ تھا۔ اگر سنسر بورڈ ان فلموں کو نمائش کے قابل نہ سمجھتے ہوئے سنسر سرٹیفکیٹ جاری نہ کیا، تو ایسی فلمیں بنانے والوں نے عدالتوں کی طرف رجوع کیا، حالانکہ ہماری فلم انڈسٹری میں ہی لوگ تھے، جنہوں نے اس وقت بھی اس طوفانِ بدتمیزی کے خلاف احتجاج کیا تھا، جب "خطرناک" بنی تھی اور آج "خطرناک" کی پیروی میں چلنا دشوار کاروبار بن گیا ہے۔

اس مرحلے پر راجہ غضنفر علی صاحب نے فرمایا:

"حکومت کا کوئی نمائندہ میرے ساتھ چلے، میں اسے ساتھ لیجا کر راولپنڈی چھاؤنی کے کسی بھی سینما میں "ٹوٹا" چلتے ہوئے دکھا سکتا ہوں۔ ملک میں جس قسم کی فلمیں بنی ہیں، ان کے بارے میں ہمیں یہ کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ ان فلموں کے بنانے کے جرم کا ارتکاب ہم نے کیا تھا۔"

اس مرحلے پر جنرل صاحب نے کہا:

"میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اس ملک میں فلمیں بننی بند ہو جائیں، میں خود بھی گندی اور فحش فلموں کا مخالف ہوں، اگر کوئی فلمساز بامقصد فلم بنانے کا ارادہ کرے، تو حکومت اس فلمساز کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ پاکستان جیسے اسلامی ملک میں بلیو پرنٹوں پر مبنی فلمیں بنیں اور حکومت کی امداد کے ضمن میں۔ نیف ڈیک کی تین فلموں کا تذکرہ ہوا۔ "پریت کی ریت" جس پر سولہ لاکھ روپیہ خرچ ہوا اور ابھی نمائش کے لیے پیش نہیں ہوئی۔ "خاک اور خون" جس پر چوبیس پچیس لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے اور ابھی تک ڈبوں میں بند ہے۔ نیف ڈیک نے ہماری فلموں کے مقابلے میں مہنگی فلمیں بنائیں، لیکن قوم کو ان فلموں پر خرچ ہونے والے سرمائے سے کیا فائدہ پہنچا؟

بیرونی ممالک کو برآمد ہونے والی فلموں پر بات ہوئی، تو جنرل صاحب نے کہا:

"یہ فرض آپ کا ہے کہ آپ وہ نقص تلاش کریں جس نقص کی وجہ سے ہماری فلمیں بیرونی ممالک سے زرِمبادلہ کمانے سے محروم رہتی ہیں۔ اگر آپ لوگوں کے پاس ٹھوس تجاویز ہوں، تو ابھی یہیں بیٹھے بیٹھے فیصلہ کر لیتے ہیں، اگر آپ کو اس مسئلے پر سوچ بچار کے لیے وقت درکار ہے، تو میں نے آپ کی تجویز سیکرٹری کلچر کو نوٹ کرادی ہے، آپ سوچ سمجھ کر ان سے بات کر لیں۔"

آخر میں جنرل صاحب نے کہا:

"یہ ممکن نہیں کہ ہر کام حکومت کرے، آپ راہیں تلاش کریں، ہم آپ کے لیے ان راہوں پر چلنے کے وسائل مہیا کر دیں گے۔ میں نے آپ کی طرف سے پیش کردہ تمام پوائنٹ سیکرٹری کلچر کو نوٹ کرا دیئے ہیں۔ اب یہ کام آپ لوگوں کا ہے کہ اپنے کیس کا پیچھا کریں۔ سیکرٹری کلچر، سیکرٹری آف ایجوکیشن اور سیکرٹری آف ٹاؤن آفیسرز آپ سے تعاون کریں گے۔

جنرل صاحب کے تعاون کا کرشمہ ہے کہ سیکرٹری کلچر نے پاکستان کی فلمی صنعت کے مسائل حل کرنے کے لیے بات چیت کے لیے اسلام آباد بلایا ہے۔

●●

اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن کے زیرِ انتظام

بیمہ زندگی ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے

پاکستان میں "بیمہ زندگی" نے قومی تحویل میں لیے جانے سے پہلے تقریباً ربع صدی تک نجی صنعت کے طور پر فروغ پایا۔ ۱۸ مارچ ۱۹۷۲ کو لائف انشورنس (نیشنلائزیشن) آرڈر ۱۹۷۲ کے تحت بیمہ زندگی کا کنٹرول اور انتظام حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا تاکہ قومی بچت کا بہتر استعمال ہو سکے۔ چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کو روکا جائے۔ پالیسی ہولڈرز کے مفادات کا تحفظ کیا جائے اور بیمہ زندگی کے کاروبار کو جدید سائنسی خطوط پر ترقی دی جائے۔ کچھ عرصہ تک لائف انشورنس کی کمپنیوں کے معاملات کی نگرانی لائف انشورنس مینجمنٹ بورڈ نے کی۔ بورڈ کو اہم کمپنیوں کے کاروبار کو مستحکم بنانے اور ان کے مابین ربط قائم کرنے کی ذمّے داری بھی سونپی گئی۔ یکم نومبر ۱۹۷۲ء یہ عارضی انتظام ختم ہو گیا اور لائف انشورنس کا کاروبار اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن آف پاکستان کے سپرد کر دیا گیا۔

شروع میں کارپوریشن کا بنیادی ڈھانچہ پرنسپل آفس اور بیمہ یونٹوں پر مشتمل تھا۔ بیمہ یونٹ پورے ملک میں بیمے کی فروخت، پالیسی ہولڈروں کو سروس دینے اور انڈر رائٹنگ کے معاملات نمٹانے کے ذمّے دار تھے۔

پرنسپل آفس

پرنسپل آفس کی ذمّے داریوں میں، جو کراچی میں تھا، سرمایہ کاری غیر منقولہ جائیداد، بیمہ کے کلیموں کے معاملات اور بیرونِ ملک کاروبار شامل تھے۔ اس کے بعد یکم اکتوبر ۱۹۷۵ کو ایک نیا انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا گیا۔ جس کے مطابق تین یونٹ ختم کر کے کراچی، لاہور، راولپنڈی، حیدرآباد اور پشاور میں پانچ زون قائم کئے گئے۔ یہ زونل دفاتر اپنے علاقوں میں پالیسی ہولڈرز اور فیلڈ ورکرز کو سروس فراہم کرتے ہیں۔ زون بننے کے بعد ہونے والے کاروبار کی مکمل نگرانی اور سروس کی فراہمی ان کے ذمّے ہے۔ پرنسپل آفس بدستور پالیسی ساز مرکز کے طور پر کام کر رہا ہے۔ یہ کاروبار کی وسعت کے لیے بہتر پالیسیوں کی تشکیل، زونل دفاتر کی کاروبار میں مدد اور سروسز کے سلسلے میں رہنمائی کرتا ہے۔ کارپوریشن کا مجموعی کنٹرول اور انتظام بورڈ آف ڈائریکٹرز کے پاس ہے۔ اس بورڈ کا ایک چیئرمین ہے۔ کارپوریشن کا چیف ایگزیکٹو بھی چیئرمین ہے۔

اسٹیٹ لائف بننے کے بعد

اسٹیٹ لائف بننے کے بعد بیمہ زندگی اور گروپ انشورنس کے کاروبار میں خاصی ترقی ہوئی ہے۔ ۱۹۷۷ء تک پالیسی ہولڈرز کی تعداد ۱٫۱۵ ملین سے ۲٫۱۵ ملین ہو گئی۔ اسی طرح پالیسی ہولڈرز کا لائف فنڈ، جو ۱۹۷۳ء میں ۱۴۹۱٫۷ ملین روپے تھا۔ ۱۹۷۷ء میں ۲۲۰۰٫۴ ملین روپے ہو گیا۔ لائف اور گروپ انشورنس سے ۱۹۷۶ء میں ۳۶۱٫۷ ملین روپے پریمیم حاصل ہوا تھا جو ۱۹۷۷ء میں ۳۹۰٫۹ ملین روپے ہو گیا۔

وفاقی وزیرِ تجارت میاں زاہد سرفراز اور اسٹیٹ لائف انشورنس کے چیئرمین مسٹر سیکرا فیلڈ ورکروں کے اجلاس سے خطاب کر رہے ہیں

۱۹۷۷ء کے پہلے ۹ ماہ کے اندر لائف انشورنس کے پریمیم کی رقم ۱۵ فیصد کم رہی، کیونکہ ملک بھر میں سیاسی ہنگامہ آرائی مچی ہوئی تھی، لیکن سال کے آخری تین ماہ میں ۲۲ فیصد پریمیم کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ اسی وجہ سے نئے کاروبار میں ۱۹۷۶ء کے مقابلے میں صرف ۲ فیصد آمدنی کم رہی۔ البتہ پہلے سے ہونے والے بیموں پر رینیول پریمیم کی مجموعی آمدنی میں ۱۹۷۷ء میں ۶.۲ فیصد اضافہ ہوا۔ مجموعی پریمیم کی آمدنی شمار کی جائے تو اس سال بھی کاروبار میں ۸.۰۷ فیصد اضافہ ہوا۔ مجموعی پریمیم کی آمدنی شمار کی جائے تو اس سال بھی کاروبار میں ۸.۰۷ فیصد اضافہ ہوا۔

۱۹۷۸ء کے دس ماہ کے کاروبار کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کارپوریشن نے فرسٹ ائر پریمیم کے سلسلے میں ۵۰.۸ فیصد اضافہ کیا ہے۔ اس عرصے میں ۵۱.۲۲ ملین روپے انڈیوڈیٹ فرسٹ ائر پریمیم وصول ہوا، جو ۱۹۷۷ء کے مقابلے میں ۵۰.۸ فیصد زیادہ ہے اسی طرح ۱۹۷۸ء کے ان دس ماہ میں انڈیوڈیٹ رینیول پریمیم ۲۰۴.۲ ملین روپے وصول ہوا، جب کہ ۱۹۷۷ء میں اتنے ہی عرصے میں ۱۸۲.۴۴ ملین روپے وصول ہوتے تھے۔ یکم جنوری سے ۳۱ اگست ۱۹۷۸ء تک انڈیوڈیٹ پیڈ برائے سم اشورڈ ۹۲۹.۱۶ ملین روپے تھا اور جاری شدہ پالیسیوں کی تعداد ۲۹۳۸۳ تھی۔

بیمہ زندگی کے کلیموں کی بروقت اور صحیح ادائیگی اسٹیٹ لائف کارپوریشن کی ایک اہم ترین ذمّے داری ہے۔ اس سلسلے میں بھی کارپوریشن نے مستعدی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ۱۹۷۸ء کے پہلے نو ماہ کے اندر اس نے کلیموں کے سلسلے میں ۹۱.۲ ملین روپے ادا کیے۔ اس میں سے ۷۰.۴۳۲ ملین روپے ان ۸۵۷۹ پالیسی ہولڈرز کو ادا کیے گئے، جن کی بیمہ پالیسیوں کی مدّت مکمل ہو چکی تھی۔ جب کہ ۲۰.۰۷ ملین روپے ۱۰۶۴ وفات پا جانے والے پالیسی ہولڈرز کے وارثان کو ادا کیے گئے۔

کلیم کی فوری ادائیگی

اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن نے کلیموں کی فوری ادائیگی کے لیے گزشتہ پانچ برس کے اندر جو اقدامات کیے ہیں، ان میں سائنسی طریقہ کار کا نفاذ، پانچوں زون کے اندر اسپیشل سروسز سیل کا قیام، پالیسی ہولڈروں کی ذرائع ابلاغ اور اپنے تربیت یافتہ فیلڈ اسٹاف کے ذریعے رہنمائی، پالیسی ریکارڈ کی مرکزیت کا خاتمہ اور کمپیوٹر سروس کا اجراء شامل ہیں۔

بیرون ملک کاروبار

اپنے قیام کے فوراً بعد ہی کارپوریشن نے بیرون ملک خاص طور پر برطانیہ میں موجود اور متوقع پالیسی ہولڈروں کے مسائل اور ضروریات پر توجّہ دی۔ شروع میں پاکستانی کرنسی میں پالیسی خریدنے والوں کے معاملات کی نگرانی اور رہنمائی برطانیہ میں مقیم کارپوریشن کے نمائندے کرتے تھے۔ ۱۹۷۴ء میں کارپوریشن نے برطانیہ اور مشرقِ وسطیٰ میں بھرپور طور پر کاروبار کرنے کے لیے اپنا اوورسیز ڈویژن قائم کیا۔ اسی سال ایک برانچ آفس برطانیہ میں کھولا گیا، جس کی ذمّے داری یہ تھی کہ وہاں رہنے والوں کو پاکستانی کرنسی اور برطانوی اسٹرلنگ کے عوض پالیسیاں جاری کرے۔ بنک آف انگلینڈ کی ہدایات پر ۳ جون ۱۹۷۳ء سے پاکستانی کرنسی میں پالیسی کا اجراء بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے برطانیہ میں مقیم لوگوں کو صرف برطانوی اسٹرلنگ میں ہی پالیسیاں فروخت کی گئیں۔ برطانیہ کے دفتر سے سیکنڈے نیویا کے ممالک اور جرمنی میں بھی بیمہ کے کاروبار کی نگرانی کی۔ برطانیہ کی فیلڈ فورس کی کوششوں کے نتیجے میں لائف انشورنس کا کاروبار پانچ برس کے اندر تین لاکھ اسٹرلنگ ہوا جو شروع میں بالکل نہیں تھا۔

مشرقِ وسطیٰ میں کاروباری امکانات کا جائزہ لینے کے بعد جون ۱۹۷۸ء میں دبئی میں دفتر قائم کیا گیا۔ اس دفتر نے امریکی ڈالرز، متحدہ عرب امارات کے درہم اور پاکستانی روپے میں پالیسیوں کی فروخت کا کام شروع کر دیا ہے۔ فرسٹ ائر پریمیم کے لحاظ سے بیرونِ ملک کاروبار میں ۷۵ فیصد ترقی ہوئی ہے۔ اوورسیز ڈویژن کے مرتّب کردہ اعداد و شمار کے مطابق یکم جنوری سے ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۸ء تک بیرونِ ملک فرسٹ ائر پریمیم کے طور پر ۲.۰۳ ملین روپے حاصل ہوئے، جب کہ ۱۹۷۷ء میں اتنے ہی عرصے میں ۱.۲۹ ملین روپے حاصل ہوتے تھے، یعنی اس میں ۷۵ فیصد اضافہ ہوا ہے۔

پہلے سے فروخت کی گئی پالیسیوں پر رینیول پریمیم ۱۹۷۷ء کے اتنے عرصے میں وصول ہونے والی رقم ۳.۹۹ ملین روپے تھی، جبکہ ۱۹۷۸ء میں یہ ۴.۶۵ ملین روپے ہو گئی اور ۱۷ فیصد اضافہ ظاہر کیا۔ اسی عرصے کے اندر سم اشورڈ میں بھی ۵۰ فیصد اضافہ ہوا۔ ۱۹۷۷ء میں یکم جنوری سے ۳۱ اکتوبر تک ۲۴.۲۱ ملین روپے سم اشورڈ رقم تھی، جب کہ ۱۹۷۸ء میں اسی عرصے کے لیے یہ ۳۶.۲۹ ملین روپے تھی۔

اسٹیٹ لائف کارپوریشن بیرونِ ملک اپنے پالیسی ہولڈروں کو ایک ایسی سہولت فراہم کرتی ہے جو دنیا کی کوئی اور کمپنی نہیں کر سکتی۔ کارپوریشن ان کو یہ سہولت دیتی ہے کہ وہ جب بھی پاکستان لوٹ آئیں تو ضابطے کے مطابق اجازت لے کر پاکستانی کرنسی میں پریمیم کی ادائیگی شروع کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی پالیسی ہولڈر بیرونِ ملک فوت ہو جائے اور اس کا خاندان پاکستان میں ہو تو کلیم کنندہ کا کلیم آسانی کے ساتھ اور فوری طور پر طے ہو جاتا ہے، کیونکہ بیرونِ ملک بیمہ ہولڈروں کے حقوق بھی وہی ہیں جو پاکستان کے اندر بیمہ ہولڈروں کے ہیں اور حکومتِ پاکستان دونوں قسم کے لوگوں کے لیے یکساں ذمّے دار ہے۔

لائف فنڈ میں اضافے نے اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن کو اس قابل بنایا کہ وہ اپنے پالیسی ہولڈرز کو زیادہ مفادات پہنچا سکے۔ اسی غرض کے لیے کارپوریشن نے دو مرتبہ بونس کی شرح میں معقول اضافہ کیا ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ بونس کی شرح میں مزید اضافہ ہوگا۔

تربیتی نظام

کارپوریشن نے چھ سالہ رولنگ پلان پر بھی غور کیا ہے۔ اس پلان کا مقصد یہ ہے کہ متوقع خریداروں کی ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے لائف انشورنس کے کاروبار میں اضافہ کیا جا سکے۔ مارکٹنگ کا لائحہ عمل، سائنٹیفک مارکٹنگ سروے، پراڈکٹ ڈویلپمنٹ، حقیقی ٹارگٹ، صحیح افراد کی بھرتی اور تربیت اور پہلے سے موجود فیلڈ فورس کی تربیت کے سلسلے میں کارپوریشن سالانہ منصوبے بنا رہی ہے۔ کارپوریشن کا سب سے اہم مقصد انسانی صلاحیتوں اور افرادی قوت کا بہترین استعمال ہے۔ ٹریننگ پروگرام کے تحت تربیتی کورسوں، سیمیناروں اور مذاکرات کا سلسلہ جاری ہے۔ ان میں دفتری معاملات، پالیسی ہولڈرز سروسز، کلیمز، میچوریٹی، ایڈمنسٹریشن، پرسونل، کمپیوٹر، مارکٹنگ، انتظامی امور وغیرہ زیرِ بحث آتے ہیں۔

سیلز کے شعبے سے متعلق افراد کو بنیادی تربیت دینے کے لیے ہفتہ وار کورسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور سیمینار منعقد ہوتے ہیں اور خصوصی اسائن منٹ کے ذریعے ٹریننگ دی جاتی ہے۔ سیلز نمائندوں کے تربیتی نصاب میں سیلز اور مارکٹنگ کے موضوعات، فیلڈ آفیسرز کے لیے تنظیمی اور فیلڈ ڈویلپمنٹ پروگرام کے موضوعات شامل ہیں۔ اب تک سینکڑوں کورس کیے جا چکے ہیں اور ان میں ہزاروں افراد شریک ہوئے ہیں۔

کارپوریشن نے فیلڈ ورکروں کے انتخاب، بھرتی اور تربیت کے لیے ایک پُرکشش منصوبہ تیار کیا ہے۔ جس کا مقصد ایک محنتی اور تجربہ کار فیلڈ فورس تیار کرنا ہے، تاکہ وہ ماہرانہ انداز میں پالیسی فروخت کر سکیں اور پالیسی ہولڈرز کی خدمات سرانجام دے سکیں۔ کارپوریشن کے سینئر ارکان کو بھی انتظامیہ سے متعلق تربیتی کورسز میں حصّہ لینے کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔

فیلڈ فورس کے سلسلے میں کارپوریشن نے سیلز نمائندگان اور ایمپلائرز آف ایجنٹس کا نیا نظام تشکیل دیا۔ اس کے تحت فیلڈ فورس کو بونس اور دوسری مختلف مراعات فراہم کی گئیں۔ مزید براں اخراجات میں کمی کرنے اور محنتی اور مستعد ایجنٹوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ڈھانچے میں ترقی کے مدارج چھ کے بجائے دو کر دیے گئے۔

اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن نے فیلڈ فورس کے لیے اضافی مراعات اور سہولتوں کا اعلان بھی کیا ہے۔

اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن ایک قومی ادارہ ہے جو عوام کو تحفظ فراہم کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ قومی معیشت کے استحکام اور ملکی ترقی و خوشحالی کے لیے سرمایہ بھی فراہم کرتا ہے۔

افریقہ اور عرب ممالک جانے کے خواہشمند گھر بیٹھے
بذریعہ خط و کتابت کورس مکمل کر لیں اور خود اعتمادی کے ساتھ
زبان کا مسئلہ حل کر کے باہر روانہ ہوں

پیارے نبیؐ کی پیاری زبان

ڈاکٹر، انجینئر، مکینک، مستری، دفاتر اور بنکوں کے ملازمین کے لئے

عربی خط و کتابت کورس

جدید عربی اڈیشن

عربی خط و کتابت مکمل کورس مع حل و پرچہ جات ۔/۳۰ روپیہ
عربی خط و کتابت کورس جدید عربی اڈیشن ۔/۴۰ روپیہ
پراسپیکٹس بلا قیمت

پرنسپل عربی خط و کتابت سکول
۲۹/۱۸ محمد نگر۔ علامہ اقبال روڈ۔ لاہور
فون نمبر ۶۳۵۱۸ / ۶۲۶۳۰

ہزار کوس کا سفر
پہلے قدم سے شروع ہوتا ہے

پہلا قدم اٹھایئے

اپنا سیونگ اکاؤنٹ
نیشنل بینک میں کھولئے

قومی ترقی، قومی بینک

نیشنل بینک آف پاکستان

NBP-2-79-UD RIO(K)PID

Ravi-Delmon Ltd.

another step to serve our clients

ADAMJEE INSURANCE

extend general insurance services to

SAUDI ARABIA

through our Chief Agents

NASCO, KARAOGLAN & CO. LTD.

Under the Chairmanship of

H.E. SHEIKH ABDULAZIZ ABDULLAH AL-SULEIMAN

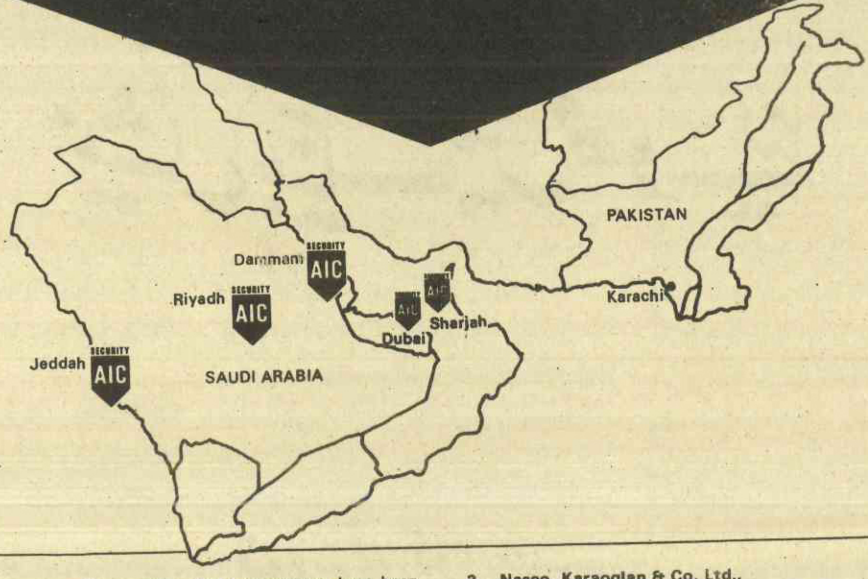

We are pleased to announce that arrangements have been made by Adamjee Insurance Company Ltd., to commence its operations in the three principal cities in the Kingdom of Saudi Arabia effective January, 1978.

M/s. Nasco Karaoglan & Co. Ltd., have been appointed as our Chief Agents in Saudi Arabia. We will be transacting all classes of General Insurance. Comprehensive on the spot service including expeditious claim settlement will be available at the following offices :

1. **Nasco, Karaoglan & Co. Ltd.,**
   Airport Square
   Sulaiman Building
   P. O. Box 1866
   Jeddah
   Saudi Arabia
   Tel : 23830/33055
   Telex : ROLACO 40029 SJ
   Cable NASKARAS Jeddah

2. **Nasco, Karaoglan & Co. Ltd.,**
   P. O. Box 1120
   Al Tubaishi Area
   Dammam
   Saudi Arabia
   Tel : 25311/25731
   Telex : 60029
   AB 60029 Naskar SJ
   Cable : NASKARAS Dammam

3. **Nasco, Karaoglan & Co. Ltd.,**
   P. O. Box 5516
   Alwazeer Street
   Riyadh
   Saudi Arabia
   Tel : 2407/29688
   Telex : 20089 for att Nasco, Karaoglan
   AB 20089 Etcorpe SJ
   Riyadh
   Cable : NASKARAS Riyadh

We will be pleased to serve our Saudi, Pakistani and other clients from the Middle East in the Kingdom of Saudi Arabia.

SECURITY AIC

ADAMJEE INSURANCE CO.

Adamjee Chamber, I.I. Chundrigar Road, Karachi
Telephone Nos. 225335 - 225339
Telegram : Adamjinsur.

AIC-2-77

ASIATIC

نیشنل بنک آف پاکستان کا تربیتی نظام

ایم اے ایچ قدوائی

آج کل کے انتہائی تجارتی مقابلے اور کشمکش کے دور میں وہی ادارہ ترقی کر سکتا ہے جو اپنے مادی اور انسانی ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے وقت کے اہم بدلتے ہوئے تقاضوں کا کامیابی سے مقابلہ کر سکے۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ اس وقت نیشنل بنک آف پاکستان کا تربیتی نظام دنیا میں تو نہیں، لیکن مشرقِ وسطےٰ اور مشرقِ بعید میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس موقع پر اگر اس کا تاریخی پس منظر بیان کر دیا جائے، تو دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

یوں تو نیشنل بنک آف پاکستان میں تربیت کا آغاز ڈیفنس سوسائٹی کراچی میں ایک اسٹاف کالج سے ہوا جو ۱۹۵۸ء کو وجود میں آیا اور دو بیرونی ماہرین مسٹر ہاروے اور مسٹر سیکٹ نے جناب فخرالدین برنی، بشیر احمد سکھیری، گلزار احمد خان، شیخ لال جانی، مشتاق احمد خان اور عبدالقدوس بلگامی کے تعاون سے سینیئر اسٹاف کورس کی بنیاد ڈالی۔ بعد میں چند جونیئر اسٹاف کورس بھی ہوئے، لیکن سال میں ۴ کورسوں سے زیادہ نوبت نہیں آئی تھی۔ بعد میں کلرک اور سپروائزر کی تربیت کے لیے ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کراچی اور لاہور میں قائم ہوئے، جنہوں نے کافی مفید نتائج حاصل کیے، لیکن اب بادی النظر میں یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ یہ تربیت کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت نہیں تھی، ورنہ کیا وجہ ہے کہ بنک کی شاخوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ افسران اور اسٹاف کی تعداد بڑھتی رہی، لیکن اسٹاف کالج کراچی، واحد ادارہ تھا، جہاں افسران کو تربیت دی جاتی تھی۔ یہ حالات ۱۹۷۲ء تک قائم رہے، جبکہ جناب جمیل نشتر بحیثیت ناظمِ اعلےٰ اس ادارے میں شامل ہوئے اور یہیں سے موجودہ تربیتی نظام کی داغ بیل پڑی۔

یہ کہنا حقیقت پر مبنی ہے کہ نیشنل بنک میں شمولیت کے بعد جناب جمیل نشتر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ پاکستان برما شیل سے جناب میاں عبدالغنی، ماہرِ تربیت کی خدمات تین ماہ کے لیے مستعار لیں۔ اس عرصے میں جناب غنی صاحب نے جناب عبدالعلیم شیرکوٹی کے تعاون سے ایک ٹریننگ پالیسی اور پروگرام مرتب کیا اور اعلےٰ افسران کے لیے چند انتظامی کورس بھی منعقد کیے۔

اس ٹریننگ پالیسی کا ایک خصوصی اور بنیادی خیال یہ تھا کہ ادارہ کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ادارے کے افسران کی فنی اور انتظامی قابلیت کی اس طرح نشو و نما کی جائے کہ تمام افسران کی باہمی کوششوں سے، ان کے علم، عمل اور جذبے کو ایک تربیتی نظام کے ذریعے اس طرح فروغ دیا جائے کہ یہ ادارہ مستقبل میں اپنی قومی ذمے داریوں کو بطریقِ احسن ادا کر سکے۔

اس پالیسی کے تحت اسٹاف کالج کراچی کو جو ڈیفنس سوسائٹی کراچی میں ۱۹۵۸ء سے ایک ہی قسم کا کورس کر رہا تھا، ۱۹۷۲ء میں بند کر دیا گیا اور ۱۹۷۴ء میں تین اسٹاف کالج کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں کھولے گئے جن کے ذمے شروع میں مندرجہ ذیل کورسز کا اجرا ہوا۔

۱۔ نئے افسران کا تربیتی کورس۔

۲۔ موجودہ افسران کے لیے فنی اور انتظامی کورس۔

۳۔ ایڈوانس اور فارن ایکس چینج کے اسپیشل کورس۔

۴۔ کورس برائے زراعتی قرضہ افسران۔

اس موقع پر ان میں اسٹاف کالجوں کے تعداد کورس اور تعداد افسران ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۷ء تک جنہیں تربیت دی گئی، دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔

	تعداد کورس	تعداد افسران
۱۔ نئے افسران کا تربیتی کورس	۲۰	۲۶۸
۲۔ موجودہ افسران کے لیے فنی اور انتظامی کورس	۲۰	۲۴۶
۳۔ اسپیشل کورس برائے ایڈوانس اور فارن ایکس چینج	۱۴	۱۴۲
۴۔ کورس برائے زرعی قرضہ افسران	۱۳	۱۴۵
۵۔ دیگر متفرق کورس	-	-
کل:	۶۷	۸۳۱

اگرچہ ۱۹۷۲ء میں جناب غنی صاحب کے تعاون سے چند انتظامی کورس ہوئے، لیکن تاثر یہ ملا کہ افسران اس اہم موضوع کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھے، اس لیے یہ ارادہ اس وقت ملتوی کر دیا گیا، لیکن جنوری ۱۹۷۵ء میں جناب جمیل نشتر نے راقم الحروف کو یہ ذمے داری سونپی کہ ایک ایسا قومی انتظامی ادارہ قائم کیا جائے جو آگے چل کر نہ صرف افسران کو انتظامی تربیت دے، بلکہ آئندہ سالوں میں ایسا معیار قائم کرے کہ دوسرے اداروں کے لوگ اس کورس کی شمولیت پر فخر کریں اور یہ قومی انتظامی تربیتی ادارہ باہر کے ملکوں میں بھی اپنا مقام پیدا کرے، ان مقاصد کے ساتھ یہ قومی انتظامی تربیتی ادارہ اگست ۱۹۷۵ء میں وجود میں آیا اور پہلے کورس کا افتتاح جناب جمیل کے اپنے ہاتھوں ہوا۔ اب تک ۴۲ کورس منعقد ہو چکے ہیں، جس میں تقریباً ۷۴۰ افسران شامل ہوئے۔ اس کورس کی کامیابی کا ایک یہی ثبوت کیا کم ہے کہ اب افسران اس کورس میں آنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے واپس جاتے ہیں کہ کاش! اس کورس میں دس پندرہ سال پہلے شامل ہوئے ہوتے تو آج زندگی کچھ اور ہوتی اور ادارہ کہیں زیادہ کامیاب ہوتا۔

یہ کہنا بڑا ضروری ہے کہ اس تربیتی نظام کو فروغ دینے میں جناب جمیل نشتر کی ذاتی گہری وابستگی کو بڑا دخل تھا، جہاں تک ممکن ہوتا، وہ خود اس میں دلچسپی لیتے اور وسائل مہیا کرنے میں پیش پیش رہتے، اس شمارے میں جو تقریر انہوں نے اسٹاف کالج پشاور کے انعقاد کے موقع پر کی وہ شامل ہے اور اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ نیشنل بنک آف پاکستان میں تعلیم اور تربیت کے سلسلے میں انہوں نے کتنی دلچسپی لی اور کتنی محنت کی اور کتنا وقت دیا۔ یہ بنک کے افسران پر اتنا بڑا احسان ہے جس کے اثرات اس ادارے پر ایک لمبی مدت تک قائم رہیں گے۔

ای-او-بی-آئی

محنت کشوں کے لیے بڑھاپے کا سہارا

اگرچہ پاکستان، انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کا کئی برسوں سے ممبر ہے، لیکن ۱۹۷۲ء تک مزدوروں کے لیے ریٹائرمنٹ پر مراعات کا اہتمام نہ تھا۔ پہلی بار ۱۹۷۲ء میں ایمپلائز اولڈ ایج بینی فٹس آرڈیننس نافذ کیا گیا۔ اس کا مقصد انشورڈ افراد کو مراعات فراہم کرنا تھا، لیکن اس میں پنشن کی شرح اور اداروں کی طرف سے اس کے لیے ادائیگی حصہ کی وضاحت موجود نہ تھی۔ آرڈیننس کے مطابق یہ اختیار صوبائی حکومتوں کو دیا ہوا تھا۔

صوبائی حکومتوں نے مذکورہ شرائط پوری کرنے کے لیے کوئی قانون نہ بنایا۔ اس کے بعد ۲۳ دسمبر ۱۹۷۵ء کو ملازمین کے بڑھاپے کے فوائد کا آرڈیننس جاری کیا گیا اور یکم جولائی ۱۹۷۶ء کو ملازمین کے بڑھاپے کے فوائد کا ایکٹ نافذ کیا گیا۔ اسٹیٹ لائف نے اس اسکیم کو اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لا کر عملی جامہ پہنایا۔

اہم خصوصیات

اسکیم کا اطلاق تمام صنعتی، تجارتی اور ایسے دیگر انتظامی اداروں پر ہوتا ہے، جس میں دس یا دس سے زیادہ افراد کام کرتے ہیں۔ ایک ہزار یا اس سے کم ماہانہ تنخواہ پانے والے افراد کو ای، او، بی آئی کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

حصے کی ادائیگی

اس اسکیم کے تحت مزدوروں کو کوئی حصہ بطور پریمیم ادا نہیں کرنا پڑتا۔ صرف ادارے ہی انشورنس شدہ افراد کے پریمیم کی آدھی رقم ادا کرتے ہیں۔ اداروں کو ہر ملازم کی تنخواہ کا ۵ فیصد ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں ضروری ریکارڈ رکھنا بھی متعلقہ ادارے کی ذمے داری ہوتا ہے۔

فوائد

اس اسکیم کے تحت ملازمین کو حسب ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں ؟

اولڈ ایج الاؤنس

ایمپلائز اولڈ ایج بینی فٹس اسکیم کے تحت بیمہ شدہ افراد کو بڑھاپے یا معذوری کا الاؤنس ۷۵ روپے ماہانہ ادا کیا جائے گا (ایسے مرد ملازمین کی عمر ۵۵ برس سے اوپر اور خواتین ملازمین کی ۵۰ برس سے اوپر ہونی چاہیئے۔) اس میں یہ شرط بھی شامل ہے کہ ملازم کی مدّت ملازمت ۱۵ برس سے کم نہ ہو۔ ایسے ملازمین جو اسکیم کے نفاذ کے وقت چالیس برس (مرد اور پینتیس برس خواتین) سے زیادہ عمر کے ہو چکے تھے اور جن کی مدت ملازمت ۷ برس سے زیادہ تھی، وہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کے حقدار ٹھہرائے گئے تھے۔

معذوری کا الاؤنس

ملازم کی معذوری کی صورت میں معذوری الاؤنس ۷۵ روپے ماہانہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے حقدار ایسے ملازمین ہیں جو معذور ہو جائیں اور جن میں کام کرنے کی اہلیت نہ ہو۔

گروپ انشورنس کا مقصد ملازمین کے افراد خانہ کے لیے ان کی بے وقت موت اور معذوری کی صورت میں چھ ہزار سے بیس ہزار روپے تک معاوضہ دینا ہے۔ اس اسکیم کے اجراء سے پاکستان بھی ترقی یافتہ ممالک کے برابر اپنے مزدوروں کو مراعات دینے لگا ہے۔ یہ اسکیم دو برس کے اندر ہی مستحکم ہو گئی ہے۔

اگرچہ ۷۵ روپے ماہانہ پنشن بہت کم ہے، لیکن اس میں اضافہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اداروں کے مالکان پانچ فیصد سے زیادہ حصے کی ادائیگی کریں، لیکن ایسا عملاً ممکن نہیں، کیونکہ مالکان اتنا حصہ ادا کرنے پر بھی شکایات ظاہر کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ اسکیم صرف ایک اچھی ابتدا ہے، ادارہ جتنا مستحکم ہوگا اور اس کی مالی صورتحال بہتر ہوگی، یہ مزدوروں کو مزید مراعات دینے کے قابل ہو جائے گا۔

اسلامی تعزیرات

نفاذ کا فطری طریقہ

اللہ تعالےٰ نے حضرت محمد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے اسلام کے تعزیری احکام کو یکے بعد دیگرے ۲۳ سال کی مدت تک نازل کرتے رہنے کے بعد آخر میں یہ فرمایا تھا کہ "آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا۔" لیکن مولانا شاہ احمد نورانی صاحب پر سیاسی رقابت اس قدر غالب آچکی ہے کہ وہ اسلامی تعزیرات کے نفاذ کے اس فطری طریقے کو پسِ پشت ڈال چکے ہیں اور واضح اسلامی احکام میں بھی انہیں نسیان ہونے لگا ہے۔ پچھلے دنوں ٹیلی ویژن میں عُشر کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں نورانی میاں نے کہا: "ہاں جیسا بارانی پیداوار پر خُمس ہوتا ہے"، حالانکہ دینی تعلیم کی معمولی شُدبُد رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ بارانی پیداوار پر خُمس (۱/۵) نہیں، بلکہ عُشر (۱/۱۰) ہوتا ہے۔ خُمس تو مالِ غنیمت پر ہوتا ہے۔ جیسے کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصّہ اللہ اور . . . . . کے لئے ہے۔" ایک دینی حکم کی اس غلط تشریح سے پاکستان اور بیرونِ ملک اس ٹیلی ویژن انٹرویو کو دیکھنے سننے والے تعلیم یافتہ مسلمانوں نے محسوس کیا کہ نورانی میاں صاحب سیاسی عالم ہیں، دینی علم نہیں رکھتے یا پھر فرقہ وارانہ عصبیت، حسد اور رقابت اُن کے ذہن پر اس قدر سوار ہو رہی ہے کہ وہ قرآن کریم کے مسلم ملّت واحدہ کو متحد بلکہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر رہنے کے احکام کو یکسر پسِ پشت ڈال چکے ہیں۔ پھر آج کل وہ محض پاکستان قومی اتحاد کو بدنام کرنے کے شوق میں روزانہ اُٹھتے بیٹھتے بیان دے رہے ہیں کہ ۲۴ گھنٹوں میں اسلامی تعزیرات نافذ کرو، حالانکہ نورانی میاں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی نظامِ مصطفےٰ نافذ کرتے کرتے ۲۴ گھنٹے نہیں، بلکہ ۲۳ برس صرف کئے تھے، تب جا کر دینِ اسلام مکمل طور پر نافذ ہوا تھا۔ مثلاً سود کی حرمت کے احکام مدنی زندگی کے آخری سالوں میں نازل ہوئے تھے۔

پاکستان قومی اتحاد کی عظیم تاریخ ساز تنظیم کو خیرباد کہہ کر نُورانی میاں صاحب اب فرقہ وارانہ تقریروں اور محض الزام تراشیوں پر اتر آئے ہیں۔ اسلامی تاریخ جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے لڑکے عبدالمالک نے فوری طور پر اسلامی احکام نافذ کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا: "آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ احکام نافذ نہیں کرتے۔ خدا کی قسم اگر حق کے معاملے میں ہانڈیوں کو اُبال آجائے تب بھی میں اس کی پروا نہیں کرتا۔" (حاشیہ ہدایہ صہ ۱۳۸)، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کیسا پیارا جواب دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا: "بیٹے! جلدی نہ کرو، اللہ نے قرآن میں دو مرتبہ شراب کی برائی بیان کی اور تیسری مرتبہ اس کو حرام کیا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر حق کو لوگوں پر دفعتہً مسلط کر دوں، تو وہ اس کو دفعتہً اتار پھینکیں گے اور اس سے سخت فتنہ ہوگا۔" (الموافقات جلد دوم صہ ۹۴)

ساتھ ہی حضرت عائشہ رضؓ اُم المومنین کا فرمان بھی سُن لیجئے، ترجمہ: "پہلے مفصل (سورہ حجرات سے آخر قرآن تک کی) وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت و دوزخ (ترغیب و ترتیب) کا ذکر ہے۔ پھر جب لوگ اسلام پر قائم ہو گئے، تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ مثلاً اگر شراب نہ پینے کا حکم پہلے ہی نازل ہو جاتا تو لوگ کہہ دیتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے۔ اسی طرح اگر ابتدا ہی میں زنا کی ممانعت کا حکم نازل ہو جاتا، تو لوگ اس کے چھوڑنے سے ہی انکار کر دیتے۔"
(بخاری جلد دوم باب تالیف القرآن)

اس طرح سے قرآن کے احکام، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسوۂ حسنہ، اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی ہدایت اور پانچویں خلیفہ راشد کی تلقین کو سامنے رکھیں اور پاکستان قومی اتحاد اور صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے تدریجی طور پر اسلامی نظام نافذ کرنے کے کام کو دیکھیں تو دل ایک طرح سے مطمئن ہوتا ہے اور نورانی میاں کے ۲۴ گھنٹے میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کام کرنے والوں کو محض بدنام کرنے کی ایک چال معلوم ہوتی ہے۔

(محمد علی شگفتہ۔ چشتیاں، ضلع بہاولنگر)

نیشنل انشورنس کارپوریشن نے

بہتر کارکردگی کا ثبوت فراہم کردیا

نیشنل انشورنس کارپوریشن وفاقی حکومت کی طرف سے دیے گئے پچاس لاکھ روپے کے ابتدائی سرمائے سے آرڈی ننس نمبر ۷×× آف دی فیڈریشن کے تحت قائم کی گئی تھی۔ بعد میں اس کے لیے ایک ایکٹ جس کا نام نیشنل انشورنس کارپوریشن ایکٹ ۱۱۱×× آف ۱۹۷۶ء تھا، منظور کیا گیا۔ کارپوریشن نے یکم فروری ۱۹۷۶ء سے کام شروع کیا۔ اس نے وہ تمام جائیداد، ذمّے داریاں اور انتظامی ڈھانچہ اور دفاتر اپنے زیرِ انتظام لے لیے جو نیشنل انشورنس فنڈ کے تحت قائم کیے گئے تھے اور جو ۳۱ جنوری ۱۹۷۶ء تک پاکستان انشورنس کارپوریشن کے تحت کام کر رہے تھے۔

حکومت نے یہ فنڈ یکم جولائی ۱۹۷۲ء کو اس غرض سے قائم کیا تھا کہ صوبائی اور وفاقی حکومتوں اور ان کے زیرِ انتظام کارپوریشنوں اور کمپنیوں کی تمام جائیدادیں اور مفادات کی انشورنس کی جاسکے۔

اس فنڈ کے قیام سے پہلے ان جائیدادوں کی انشورنس کا کاروبار مختلف نجی انشورنس کمپنیوں میں تقسیم تھا۔ کمپنیاں نیشنل انشورنس اسکیم کی رکن تھیں اور یہ اسکیم پاکستان انشورنس کارپوریشن کے زیرِ انتظام تھی۔ اس اسکیم کے تحت ہر سال کافی سرمایہ سرکاری شعبے سے نجی شعبے میں چلا جاتا تھا۔ کارپوریشن کے قیام سے یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

انتظامیہ

کارپوریشن کا چیئرمین وفاقی حکومت کا نامزد کیا ہوا ہے اور تمام ڈائریکٹروں کی تقرری بھی وفاقی حکومت کرتی ہے۔ ڈائریکٹروں کا عہدہ وفاقی جائنٹ سیکرٹری سے کم نہیں ہوتا اور یہ فنانس، انڈسٹری، کمیونیکیشن اور کامرس کی صوبائی اور وفاقی وزارتوں کے افسران ہوتے ہیں۔

ذمّے داریاں

کارپوریشن کے ایکٹ کے مطابق اس کی ذمہ داریاں حسب ذیل ہیں،

بکسی بھی سرکاری جائیداد کی جنرل انشورنس کرنا اور اس کا اہتمام، حکومت اور اس کے ...دں کو انشورنس اور اس سے متعلق معاملات کے بارے میں وقتاً فوقتاً مشورے دینا انشورنس، ری انشورنس یا رسک کی کاؤنٹر انشورنس کرنا، رقوم مستعار لینا۔ ان میں اضافہ کرنا یا ایسے امور طے کرنا جو مسائل سے تعلق رکھتے ہوں۔"

نیشنل انشورنس کارپوریشن قائم کرتے وقت وفاقی حکومت نے اسے تین واضح مقاصد بتائے ؛

۱۔ سرکاری اداروں کی انشورنس کے سلسلے میں جلد پالیسی جاری کرنے اور کلیمز کی فوری ادائیگی کے انتظامات ہونے چاہئیں۔

۲۔ انشورنس کے نرخوں کو کم سے کم کرنے کے لیے کارپوریشن کی طرف سے اپنا نرخوں کا ڈھانچہ وضع ہونا چاہیئے۔

۳۔ ری انشورنس کی صورت میں جو فارن ایکسچینج ضائع ہوتا ہے، اس کو بچانا چاہیئے۔

کاروبار

۱۹۷۷ء کے لیے کارپوریشن کی پریمیم سے آمدنی ۳۵۱۳٫۰۴ لاکھ روپے تھی جبکہ حکومت کو اضافی رقم ۸۶٫۸۸ لاکھ روپے منتقل کی گئی۔ ۱۹۷۸۔۷۹ء کے بجٹ کے مطابق کارپوریشن کو ۳۰۳۶ لاکھ روپے پریمیم کی آمدنی ہونی چاہیئے تھی۔ کارپوریشن نے حکومت کے دیے ہوئے تینوں مقاصد کی تکمیل کے لیے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کے لیے کارپوریشن کی مالی صورتِ حال کا گوشوارہ ملاحظہ کیجئے ؛

رقوم لاکھوں میں

نمبر شمار	تفصیل	۱۹۷۳ء	۱۹۷۴ء	۱۹۷۵ء	۱۹۷۶ء	۱۹۷۷ء
۱	کل براہِ راست پریمیم	۴۷۱٫۲۹	۱۶۴۱٫۳۱	۲۵۲۶٫۷۹	۳۰۶۲٫۷۵	۳۵۱۳٫۰۴
۲	کل ڈائریکٹ سرمایے پر فاضل رقم	۳۵۰٫۰۶	۹۴۵٫۴۳	۹۸۷٫۳۳	۱۲۱۱٫۰۵	۳۱۳٫۴۲
۳	پی آئی سی کے ساتھ ری انشورنس پر کُل مصارف	۲۹۵٫۶۸	۶۷۸٫۹۸	۴۶۲٫۹۸	۶۰۳٫۳۹	۱۰۰۵٫۷۴
۴	ڈائریکٹ پریمیم پر کل آمدنی	۵۴٫۳۸	۲۶۶٫۴۵	۵۲۴٫۷۲	۶۰۷٫۶۶	۶۹۲٫۳۲
۵	واپس شدہ سرمایے پر کل آمدنی	۸٫۹۳	۲٫۹۶	۲۹٫۴۹	۱۱٫۸۹	۳۸٫۹۰
۶	کل فاضل سرمایہ (۴ + ۵)	۶۳٫۳۱	۲۶۹٫۴۱	۵۵۴٫۲۱	۶۱۹٫۵۵	۶۵۳٫۴۲
۷	متعلقات کے لیے کل فاضل سرمایہ	۴۹٫۶۲	۱۵۴٫۲۳	۲۶۳٫۷۳	۷۱۱٫۶۴	۶۹۰٫۸۸
۸	محفوظ سرمایہ					
	(ا) عام محفوظ سرمایہ	—	۷۵٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۲۲۵٫۰۰	—
	(ب) غیر معمولی نقصان کے لیے محفوظ سرمایہ	۳۹٫۶۲	۷۵٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	۳۵۰٫۰۰	—
	(ج) ٹیکس کے لیے محفوظ سرمایہ	—	—	—	—	۶۰۴٫۰۰
۹	وفاقی حکومت کو ٹرانسفر ہونے والا کل فاضل سرمایہ	—	۶۸٫۳۷	۷۲٫۲۱	۱۳۶٫۶۴	۸۶٫۸۸

سود اور انشورنس

جنرل انشورنس کمپنیوں سے وابستہ لوگ ان دنوں اس بات پر تشویش میں مبتلا ہیں کہ پاکستان میں سودی نظام کے خاتمہ کے بعد اِن کے کاروبار کا مستقبل کیا ہوگا؟

انشورنس کا کاروبار کرنے والے اداروں کے اکثر سربراہ اس خدشے کا اظہار کرتے ہیں کہ سودی نظام کے خاتمے سے ہمارا کاروبار ختم ہو جائے گا، کیونکہ اسلام میں سودی کاروبار کی کوئی گنجائش نہیں ان حالات میں حکومت کو انشورنس کے کاروبار کرنے والے اداروں کے خدشات کو دور کرنا ہوگا ـــــ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں کوئی بھی کاروبار یا بین الاقوامی تجارت بغیر انشورنس کے ممکن نہیں۔ ایسی صورت میں پاکستان میں انشورنس کے کاروبار کا کیا مستقبل ہوگا۔ اس سلسلے میں حکومت کو جلد از جلد وضاحت کرنا چاہیئے، تاکہ انشورنس کا کاروبار کرنے والے اداروں کی تشویش کا ازالہ ہو سکے۔

اس سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کیا اقدامات تجویز کر رہی ہے اس سے نہ صرف عوام کو بلکہ متعلقہ اداروں کو آگاہ کرنا حکومت کا فرض ہے، کیونکہ انشورنس کے بغیر بیرونی تجارت ممکن ہی نہیں، لہٰذا ہمارے ماہرین معاشیات کو اسلامی نقطۂ نظر سے جلد از جلد غور کرنا چاہیئے اور ایک واضح لائحہ عمل تیار کر کے انشورنس کا کاروبار کرنے والوں کی تشویش اور پریشانی کو دور کرنا چاہیئے، تاکہ یہ ادارے نجی شعبے میں اطمینان کے ساتھ کام کرتے رہیں۔ خاص طور پر امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار کرنے والوں کے لئے بھی یہ مسئلہ الجھن کا باعث ہوگا۔ اسلامی نظریاتی کونسل اور ... کے ماہرین کو فوری طور پر اس پہلو کی وضاحت کرنی چاہیئے۔

ٹینڈر نوٹس

محکمہ عمارات پنجاب کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے جن کے ناموں کی تجدید برائے سال ۱۹۷۹ء ہو گئی ہے اور فیس جمع کروا دی ہے مندرجہ ذیل کاموں کے لیے سربمہر پرسنٹیج / آئیٹم ریٹس ٹینڈرز ہر ایک کام کے سامنے دی ہوئی تاریخ کو بوقت ۲ بجے مطلوب ہیں۔

ٹینڈرز اسی تاریخ اور وقت کو حاضر ٹھیکیداروں یا ان کے نمائندوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔

جن ٹھیکیداروں کے پاس ڈیپازٹ ایٹ کال زرِ ضمانت کے مطابق ہو گی ان کو خالی ٹینڈر فارم معہ زائد شرائط ٹینڈرز نوٹس کی تاریخ نمائش سے ٹینڈر کھلنے سے ایک دن پہلے تک دفتری اوقات میں جاری کیے جائیں گے۔ سربمہر ٹینڈر کسی دن بھی کھلنے کے وقت اور تاریخ تک وصول کیے جائیں گے۔ کوئی ٹینڈر بغیر زرِ ضمانت بصورت ڈیپازٹ ایٹ کال، خفیہ، بذریعہ تار یا ڈاک موصول شدہ، نامکمل یا مشروط ہرگز قابلِ قبول نہ ہو گا۔ کاموں کی تفصیلات دفتر ہذا سے دفتری اوقاتِ کار میں معلوم کی جا سکتی ہیں۔ ٹینڈر کسی فرم یا کمپنی سے صرف اسی صورت میں قبول کیے جائیں گے جبکہ اس کا مختار نامہ ٹینڈر کے ہمراہ منسلک ہو گا۔

نمبر شمار کام کا نام	تخمینہ	زرِ ضمانت	میعاد	تاریخ وصولی ٹینڈر
۱۔ جی او آر III میں آفیسرز فلیٹس کی تعمیر				
ا:۔ سکیل نمبر ۱۹ کے افسروں کے لیے چھ عدد فلیٹس مشتملہ بجلی کی تعمیر۔	۲۰،۵۰،۰۰۰/-	۴۱،۰۰۰/-	ایک سال تین ماہ	۱۲-۲-۷۹
ب:۔ سکیل نمبر ۱۹ کے افسروں کے لیے پانچ عدد فلیٹس مشتملہ بجلی کی تعمیر	۱۷،۱۰،۰۰۰/-	۳۴،۲۰۰/-	ایک سال تین ماہ	۱۲-۲-۷۹
۲:۔ جونیئر آفیسرز کے لیے مشتملہ بجلی پانی جی او آر III میں لاجز کی تعمیر	۱۴،۵۰،۰۰۰/-	۲۹،۰۰۰/-	ایک سال تین ماہ	۱۴-۲-۷۹

ارشاد احمد صدیقی

ایگزیکٹو انجینئر تھرڈ بلڈنگز ڈویژن۔ لاہور

IPL-612

لله رب السمٰوٰت والارض

اللہ ہی رب ہے آسمانوں اور زمین کا

"We have chosen these words as our motto crowning the insignia of our Company. We earnestly believe that whatever is in our custody, is the common property of the people in general and our clients in particular.

To serve them is our duty and to this duty we stand committed."

STAFF & MANAGEMENT :

THE PIONEER INSURANCE COMPANY LIMITED

311-313, QAMAR HOUSE, P. O. BOX 5117, KARACHI-2.

Telephones : 234386, 234387, 235011, 227662, 229991.

R.L. No 7564

ZINDAGI

WEEKLY

PHONE : 413809

LAHORE